TIGHT BINDING BOOK

TEXT LIGHT WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222729

UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—557—13-7-71—3,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۶ ۴۳۱.۸ Accession No. ۱۰۷۹۱

Author ۱-۱ سید مسعود حسن رضوی ۱۰۷۶۱

Title روح انیس

This book should be returned on or before the date last marked below.

روحِ انیس

یعنی

فردوسیٔ ہند میر انیس کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ

جو

متعدد قلمی نسخوں کے باہمی مقابلے کے بعد مقدمے، فرہنگ اور حاشیوں کے ساتھ مرتب کیا گیا

مرتبہ

سیّد مسعود حسن رضوی ادیب ایم اے

(صدر شعبۂ فارسی و اُردو۔ لکھنؤ یونیورسٹی)

مطبوعۂ

انڈین پریس لمیٹڈ۔ الٰہ آباد

باہتمام کالی۔ کے بترا پرنٹر و پبلشر
انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

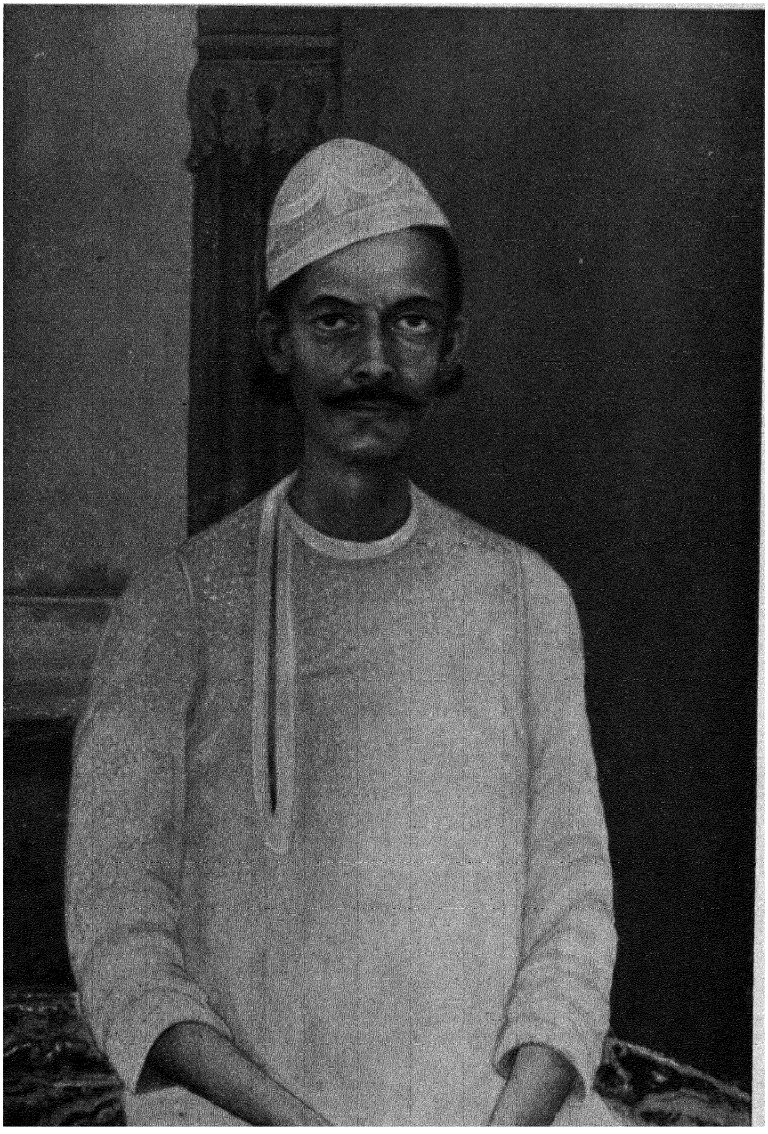

فردوسی ہند (میر انیس)

دیباچہ

فردوسیٔ ہند میر انیس مغفور کے مرثیوں کے نو دس مختلف مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی کی مرتب کی ہوئی جلدیں جو نظامی پریس بدایوں میں چھپی ہیں وہ ظاہری شان کے اعتبار سے دوسرے مطبعوں کی چھپی ہوئی جلدوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُنکی طباعت میں صحت کا بہت کم خیال رکھا گیا ہے۔ کثرت اشاعت کے اعتبار سے مطبع نولکشور لکھنؤ کا ایڈیشن جو چار جلدوں پر مشتمل ہے سب سے بڑھا ہوا ہے لیکن بدنصیبی سے یہ ایڈیشن جہاں ظاہری صورت میں نہایت حقیر ہے وہاں غلطیوں کی کثرت میں بھی بے نظیر ہے۔

انیس کے سے باکمال شاعر کا کلام جس بے احتیاطی سے شائع کیا گیا اُس کو دیکھ کر ہر اہل ذوق کی طرح میرا بھی دل دُکھتا تھا۔ مدت سے قصد تھا کہ انیس کے کلام کا ایک ایسا صحیح اور شاندار ایڈیشن نکالوں جسکا وہ کلام مستحق ہے۔ کئی سال ہوئے اس کام کی ابتدا بھی کر دی تھی۔ مگر مستند اور معتبر مرثیوں کی تلاش اور اُن کے باہمی مقابلے میں اتنی دشواریاں پیش آئیں کہ مجبوراً اس سلسلے کو بند کر دینا پڑا۔ لیکن دل میں یہ ارادہ باقی رہا۔

کوئی تین سال ہوئے کہ حُسن اتفاق سے "انڈین پریس الہ آباد" نے کلام انیس کا ایک انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ انتخاب کرنے والے کی تلاش ہونے لگی۔ آخر مہتمم مطبع مکرمی جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کے مشورے سے یہ کام میرے سپرد کیا۔ انڈین پریس

حُسنِ طباعت اور حسنِ معاملت کے لئے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ مجھ کو بھی یہ موقعہ غنیمت معلوم ہوا اور اُمید ہوئی کہ اس مطبع کی توجہ سے کلام انیس کا ایک اچھا ایڈیشن نکل سکیگا۔ اس اُمید پر میں نے کام شروع کر دیا۔

میر انیس کے تمام کلام کو پڑھ کر جو مرثیے، سلام اور رباعیاں بہترین معلوم ہوئیں اُن میں سے سات مرثیے۔ پندرہ سلام اور پینتیس رباعیاں ایک جلد کے لئے منتخب کیں۔ ایک ایک مرثیے کے جتنے جتنے قدیم اور معتبر قلمی نسخے فراہم ہو سکے ان کا باہمی مقابلہ کر کے ہر مرثیے کی تصحیح کی۔ تصحیح میں جو دقتیں اُٹھانا پڑتی ہیں اور جتنا وقت صرف ہوتا ہے اسکا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے خود کبھی اس کام میں ہاتھ ڈالا ہو۔ مختصر یہ کہ مہینوں کی تلاش اور تجسس جانفشانی اور دیدہ ریزی کے بعد بھی وہ نتیجہ نہ نکلا جو میرا مقصود اصلی تھا۔

ایسے مرثیے دستیاب نہ ہو سکے اور نہ غالباً کسی کو دستیاب ہو سکتے ہیں جن کے متعلق یہ یقین کیا جا سکے کہ ان کا حرف حرف صحیح ہے۔ اور یہ کہ وہ ان مرثیوں کی آخری صورتیں ہیں جن کے بعد مصنف نے پھر کوئی ترمیم نہیں کی۔ ایسی حالت میں یہی ممکن تھا کہ اگر کسی مصرعے کے لفظوں میں یا کسی بند کے مصرعوں میں یا بندوں کی ترتیب اور تعداد میں مختلف نسخوں میں اختلاف ہو تو میر انیس کی طرف سے جو حسن ظن ہے اسکی بنا پر جو صورت سب سے بہتر معلوم ہو وہی اختیار کر لی جائے۔

مجھے احساس ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس صورت کو میرا ذوق بہترین قرار دے وہ حقیقت میں بھی ایسی ہی ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو صورت حقیقت میں بہترین ہو وہی میر انیس نے اختیار کی ہو۔ مگر تصحیح کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اسکے سوا چارہ ہی کیا تھا۔

گو کہ تصحیح کے معاملے میں اکثر اپنے ذوق کے فیصلے پر عمل کرنا پڑا۔ پھر بھی انتہائی احتیاط ملحوظ رکھی گئی کوئی ترمیم اپنی طرف سے نہیں کی گئی ہمیشہ وہی صورت اختیار کی گئی جو کسی نہ کسی نسخے میں موجود تھی۔ بلکہ زیادہ تر اُن صورتوں کو ترجیح دی گئی ہے جو متعدد نسخوں میں پائی گئیں بعض اختلافات جو غلط نہیں کہے جا سکتے یا جن میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں ان کو حاشیے پر لکھ دیا ہے۔

ابتدا میں ارادہ تو یہ تھا کہ بہترین صورت کو متن میں اور باقی صورتوں کو حاشیے پر جگہ دی جائے۔ مگر یہ اصول قائم نہ رہ سکا۔ وجہ یہ ہوئی کہ بعض مرثیوں کی آخری ترتیب کے بعد بلکہ بعض حالتوں میں کاپیاں لکھ جانے کے بعد کوئی نسخہ ہاتھ آیا جس میں بعض صورتیں ان سے بہتر تھیں جو متن کتاب میں اختیار کی گئی تھیں مجبوراً ان کو حاشیے ہی پر درج کرنا پڑا۔

مرثیوں کے مختلف نسخے مختلف وقتوں میں مختلف لوگوں سے مستعار لے کر یا اُن کے گھروں پر جا جا کر اپنے نسخوں کا اُن سے مقابلہ کیا۔ اس طرح بعض مرثیوں کا آٹھ آٹھ دس دس مرتبہ مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر یہ سب نسخے کسی ایک کتبخانے میں یا مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہوتے یا کسی طرح ہر شخص کی دسترس کے اندر ہوتے تو میں اُنکے اختلافات درج کرتے وقت اُن کا حوالہ بھی دیتا جاتا۔ مگر خود مجھ کو اُن کے حاصل کرنے میں اتنی دقت اور اتنی زحمت اُٹھانا پڑی کہ میرا ہی دل جانتا ہے اور اب اگر دوبارہ اُن سب کو فراہم کرنا چاہوں تو ایک مُدت کی دوا دوش کے بعد بھی یقیناً کامیابی نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں حوالے دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

مرثیوں کے انتخاب میں صرف شہرت اور مقبولیت کو معیار قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ تمام مرثیوں کا بغور مطالعہ کر کے اپنی ذاتی رائے سے انتخاب کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو مرثیے اس جلد میں ایسے بھی آگئے ہیں جن کو شہرت نے میر انیس کے بہترین مرثیوں میں شامل نہیں کیا تھا۔ اُن کے مطلعے حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب رن میں سربلند علی کا عَلَم ہوا

(۲) کیا غازیان فوج خدا انام کر گئے

جو مرثیے وغیرہ اس جلد میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ یہ انیس کا بہترین کلام ضرور ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان مرثیوں کے نکل جانے سے انیس کا خزانہ خالی ہو گیا۔ اگر شاعری کے قدر شناسوں نے ہمت افزائی کی تو اسی پائے کے مرثیوں کی کم سے کم ایک جلد اور پیش کی جائے گی۔

اِن مرثیوں سے پورا لطف اُٹھانے کے لئے کربلا کے خونیں واقعے کے تمام تفصیلات۔ اشخاص مرثیہ کی سیرت اور باہمی تعلقات۔ شاعر کے مذہبی معتقدات۔ انیس کے زمانے کی سوسائٹی کے خیالات وجذبات۔ اور مرثیے کے لوازم وخصوصیات سے بخوبی واقف ہونا نہایت ضروری ہے اور اس واقفیت کے لیئے خاص توجہ اور کافی مُدت درکار ہے۔ بہرحال اُمید ہے کہ مقدمۂ کتاب کا بغور مطالعہ کرنے سے اُس ذہنی کیفیت کے پیدا ہونے میں کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملیگی جسکے بغیر مرثیے کی شاعری سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں۔

مقدمۂ کتاب میں پہلے امام حسینؑ کی شہادت کا مختصر حال لکھا گیا ہے کہ یہی غمناک اور عظیم الشان واقعہ مرثیے کا موضوع ہے۔ اسکے بعد مرثیے کی تعریف اور اُسکے اجزائے ترکیبی بتائے گئے ہیں اور اُن لوگوں کے ضروری حالات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں جن کا ذکر مرثیوں میں اکثر آتا ہے۔ اس کے بعد میر انیس کے کچھ حالات زندگی لکھ کر اُن کی شاعری پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کی فرہنگ اور مشکل مقامات پر حاشیے لکھ کر یہ دونوں چیزیں کتاب کے آخر میں شامل کردی گئی ہیں۔ حاشیوں میں کہیں کہیں کلام کی کسی خاص خوبی یا کسی صنعت کی طرف بھی اشارہ کردیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ان چیزوں سے انیس کا کلام سمجھنے میں کافی مدد ملیگی۔

سیّد مسعود حسن رضوی ادیب ام۔ اے۔

فہرست مضامین

دیباچہ ..... ۱ - ۴

مقدمہ

امام حسینؑ کی شہادت کا مختصر بیان ... ۲ - ۱۳

مرثیہ اور اجزائے مرثیہ ... ۱۴ - ۱۵ ★

اشخاص مرثیہ ... ۱۶ - ۲۱

میر انیس کے حالات زندگی ... ۲۲ - ۲۹

کلام پر مختصر تبصرہ ... ۳۰ - ۴۰ و

واللہ

مرثیے

۱ (بسم اللہ) فارسِ میدانِ تہور تھا حُر ... ۳ - ۳۱

۲ جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں [illegible] کی فوج ... ۳۲ - ۶۸

۳ جب رن میں سربلند علی کا عَلَم ہوا ... ۶۹ - ۱۰۲

۴ کیا غازیانِ فوجِ [illegible] انام کر گئے ... ۱۰۳ - ۱۳۷

۵ جب نوجوان پسرِ شہ دیں سے جُدا ہوا ... ۱۳۸ - ۱۷۵

۶ نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری ... ۱۷۶ - ۱۹۶

۷ جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے ... ۱۹۷ - ۲۳۶

سلام

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لیئے ... ۲۳۹

۲ رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں .... ۲۳۹ - ۲۴۰
۳ نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں .... ۲۴۰ - ۲۴۱
۴ کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے .... ۲۴۱ - ۲۴۲
۵ اُسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا .... ۲۴۲ - ۲۴۳
۶ غمِ شہ کا جس نے بیاں کر دیا ۲۴۳
۷ سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو ۲۴۴
۸ علیؑ سا بھی نہ کوئی عادلِ زمانہ ہوا .... ۲۴۴ - ۲۴۵
۹ گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا ۲۴۶
۱۰ مرا رازِ دل آشکارا نہیں ... . ۲۴۶ - ۲۴۷
۱۱ ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں ۲۴۷
۱۲ شبیہ امامِ زماں کھینچتے ہیں - .... ۲۴۷ - ۲۴۹
۱۳ ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے ۲۴۹
۱۴ شبیر کے غم میں رو رہے ہیں .... ۲۴۹ - ۲۵۰
۱۵ پڑا جو عکس تو ذرہ بھی آفتاب بنا ۲۵۰

رباعیاں

۳۵ رباعیاں .... ۲۵۱ - ۲۵۶

فرہنگ ... . ۱ - ۲۹
حاشیے ... . ۳۰ - ۶۷
غلطنامہ ... . ۶۸ - ۷۲

فہرست تصاویر - میر انیس کی شبیہ[۱] - تحریر[۲] - مکان[۳] - مدفن[۴] - اور ایک مجلس[۵] -

مقدمہ

امام حسینؑ کی شہادت کا مختصر بیان

جو

۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں واقع ہوئی

عرب میں قریش کا قبیلہ نسبی شرافت کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا۔ کعبہ جو اسلام سے مدتوں پہلے بھی عرب کا سب سے بڑا عبادت خانہ اور مذہبیت اور تقدس کا سب سے بڑا مرکز تھا اسکی مجاوری کا فخر بھی اسی قبیلے کو حاصل تھا۔ اپنی مخصوص فضیلتوں کی بدولت یہ قبیلہ ایک مدت تک عزت کی قلمرو پر فرمانروائی کرتا رہا۔ آخر زمانے کی نظر لگ گئی اور حسد نے پھوٹ کا بیج بو دیا۔ جب حضرت ہاشم کعبہ کے مجاور ہوئے اور انکی خدمتوں نے ان کو تمام عرب کا مخدوم بنا دیا تو انکا عروج و وقار ان کے بھتیجے اُمیہ کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔ اہل حسد کی اس زمانے میں بھی کمی نہ تھی۔ اُمیہ نے انھیں کی مدد سے کوشش کی کہ عزت و سرداری کا تاج حضرت ہاشم کے سر سے اُتار لے۔ مگر ناکامیوں نے مخالفت کے شعلوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ تاہم دلوں میں یہ آگ سُلگتی رہی۔

ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب اور پوتے ابوطالب خانہ کعبہ کے مجاور ہوئے۔ ہاشم کے عادات و اطوار اُن کو ورثے میں ملے تھے۔ اُنھوں نے بھی اس خدمت سے عظمت حاصل کی۔ اُمیہ اور اُسکے بیٹے حرب نے ان دونوں کو بھی عزت کی مسند سے اُتارنا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ حسد اور عداوت کی جڑیں اور مضبوط ہو گئیں۔ (رسالہ)

جب ہاشم کے پروتے حضرت محمدؐ نے اپنی پیغمبری کا اعلان کر کے بت پرستی کی مخالفت

اور وحدانیت کی تلقین شروع کی تو بنی اُمیہ کو بڑا اندیشہ ہوا کہ اگر کہیں لوگوں نے حضرت محمدؐ کو خدا کا رسول اور ان کے دین کو مذہب حق تسلیم کر لیا تو بنی ہاشم کے مذہبی اقتدار کے سامنے بنی اُمیہ کا چراغ بجھ کر گل ہو جائیگا۔ چنانچہ اُمیہ کے پوتے ابوسفیان نے محمدی تعلیم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ عرب کے راسخ العقیدہ بت پرست اس علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور حضرت محمدؐ کو ستانے اور تبلیغ اسلام میں روڑے اٹکانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ مجبور ہو کر اپنے وطن مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں جا بسے۔

دشمنوں نے مدینہ میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آخر کار تنگ آ کر جنگ کے لئے تیار ہونا پڑا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں شکست ہمیشہ ابوسفیان ہی کو ہوئی۔ حضرت محمدؐ کے پیروؤں کی تعداد اور اُنکی طاقت برابر بڑھ رہی تھی۔ آخر مکہ میں ایک ایسی فیصلہ کُن جنگ ہوئی جس نے بنی اُمیہ کی طاقت بالکل توڑ دی۔ اب اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے اُنھوں نے بھی قبول اسلام کی نقاب ڈال لی۔

اس شکست کے بعد ایک مُدت تک بنی اُمیہ سر نہ اُٹھا سکے۔ حضرت محمدؐ کے دوسرے جانشین خلیفہ عمرؓ نے اپنی حکومت کے زمانے میں ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزید کو اور یزید کی وفات کے بعد اسکے بھائی معاویہ کو امیر شام مقرر کیا۔ امیر معاویہ کی تدبیروں سے بنی اُمیہ کا زوال عروج سے بدلنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ دولت اور حکومت پھر ان کے قبضے میں آ گئی۔ رسول عربیؐ کے تیسرے جانشین خلیفہ عثمانؓ خود بنی اُمیہ میں سے تھے ان کے عہد حکومت میں بنی اُمیہ کو خوب عروج ہوا۔

جب حضرت علیؓ رسولؐ کے چوتھے خلیفہ ہوئے تو ہوا کا رُخ بدل گیا۔ آپ شاہانہ اقتدار کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ضرورت کے وقت یہودیوں کے باغوں میں پانی دے کر اپنی روزی پیدا کرتے تھے۔ مگر قومی خزانے میں ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ اب یہ کہاں ممکن تھا کہ کوئی فرد یا کوئی جماعت بیت المال سے بے استحقاق متمتع ہو سکے۔ چنانچہ سرداران

عرب کو جو وظیفے بیکار مل رہے تھے وہ سب آپ نے بند کر دیئے۔

حضرت علیؑ حضرت ہاشم کے پروتے اور پیغمبر عرب یعنی حضرت محمدؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ اولاد ہاشم کی حکومت یوں ہی بنی اُمیّہ کے لئے قابل برداشت نہ تھی اس پر حضرت علیؑ کی سخت گیری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفت کی چنگاریاں دیکھتے دیکھتے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور بنی اُمیّہ نے حاکم شام امیر معاویہ کی سرکردگی میں حضرت علیؑ سے بہت سی لڑائیاں لڑیں۔ حضرت علیؑ اسلام کے سب سے بڑے سپاہی اور فنون جنگ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ میدان ہمیشہ انھیں کے ہاتھ رہا۔ جب تیر و شمشیر سے مقصد حاصل نہ ہوا تو عیاری اور مکاری کے حربے استعمال ہونے لگے۔ آخر کار حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں عالم صبح کے وقت اپنے معبود کے سجدے میں شہید کر دیئے گئے۔

حضرت علیؑ کی شہادت سے بنی امیّہ کا راستہ کسی قدر صاف ہو گیا لیکن بنی ہاشم تقدس روحانیت، علم اور اخلاق میں بنی اُمیّہ سے کہیں افضل تھے اور رسولؐ کی قرابت کا شرف صرف اُنھیں کو حاصل تھا۔ اِس لئے روحانی سیادت کا بنی ہاشم سے بنی اُمیّہ میں منتقل ہو جانا اب بھی مشکل تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے حضرت حسنؑ خلیفہ رسولؐ تسلیم کر لیے گئے

امیر معاویہ کا آبائی اور ذاتی تجربہ بتا چکا تھا کہ بنی ہاشم کے مقابلے میں تلوار اُٹھانا بے سود ہے۔ اس لئے اُنھوں نے امام حسنؑ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ یہ پیغام کچھ ایسا تھا کہ اگر آپ منظور نہ کرتے تو جب جاہ کی تہمت اور خونریزی کے الزام سے بچنا مشکل تھا شرائط صلح بھی بُرے نہ تھے۔ بہرحال مصلحتِ وقت سمجھکر امام حسنؑ نے صلح کر لی۔ امیر معاویہ نے اس صلح کے ذریعے سے امام حسنؑ کو حکومت ظاہری سے بے دخل کر کے شرائط صلح کی صریح خلاف ورزی شروع کر دی۔ آخر امام حسنؑ بھی زہر سے شہید کر دیئے گئے۔

اب امیر معاویہ نے صلح نامے کے خلاف اپنے بداطوار بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد اور مسلمانوں کا دینی پیشوا قرار دے کر اسکے لئے بیعت لینا شروع کر دیا۔ امام حسنؑ کے چھوٹے بھائی حسینؑ سے بھی بیعت کی خواہش کی گئی۔ مگر تقدس اور معصومیت کا سرقہ و فجور کے

سامنے کیونکر جھکتا۔

امام حسینؑ معاملہ فہمی، پیش بینی، اور ایثار نفس میں فرد فرید تھے۔ وہ ماضی و حال کے آئینے میں مستقبل کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب تحفظ اسلام کا صرف ایک ہی ذریعہ رہ گیا ہے یعنی اپنی جان اور جان سے زیادہ عزیز ہستیوں کی قربانی۔ وہ اس قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور وقت کے منتظر رہنے لگے۔ امام حسنؑ کی زندگی ہی میں کہا کرتے تھے کہ میں عنقریب حق کی حمایت میں قتل کیا جاؤنگا مگر باطل کا ساتھ نہ دونگا۔ اس قول میں قربانی پر آمادگی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد اُن کا بیٹا یزید تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنی زندگی ہی میں بہت سے لوگوں سے یزید کی بیعت لے چکے تھے۔ اسی بُرتے پر اسکو دنیاوی حکومت کے ساتھ روحانی سیادت کا بھی دعویٰ تھا۔ مگر بے دینی میں اُسکی جسارت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ نبی پیشوائی کے دعوے کے باوجود اپنی بدکاریوں پر نمائشی دینداری کا پردہ بھی نہ ڈالا۔ احکام اسلام کی صریح خلاف ورزی کرنے لگا۔ اور شراب و کباب۔ غناو زنا میں علانیہ مشغول رہنے لگا۔

اہل کوفہ نے معاویہ کی زندگی ہی میں امام حسینؑ کو اپنی ہدایت کے لئے بلانا شروع کر دیا تھا۔ یزید کے زمانے میں تو اُن کے خطوں کے انبار لگ گئے۔ یزید جانتا تھا کہ لوگوں کے دل امام حسینؑ کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس نے اپنے جلوس کے پہلے ہی سال حاکم مدینہ کے نام فرمان بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو امام حسینؑ سے بیعت لی جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل کی کوشش کی گئی۔ نتیجہ وہی ہوا جو اس طرح کی کوششوں کا اس سے پیشتر ہو چکا تھا۔ اب اپنی جان و آبرو کو خطرے میں دیکھ کر امام حسینؑ مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ کوفہ والوں کے خطوں کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہا۔ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر آپ نے کوفہ کے سفر کا تہیہ کر لیا۔ مگر گذشتہ تلخ تجربوں کی وجہ سے کوفیوں پر اعتماد کرنا مشکل تھا۔ اس لئے آپ نے پہلے اپنے چچا زاد بھائی مسلم کو بھیجا کہ اُن کے دل ٹٹولیں اور حقیقت حال سے اطلاع دیں۔

ابھی کوئی اطلاع نہ ملی تھی کہ مکہ میں اپنے قتل کا سامان دیکھ کر امام حسین کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حج کا زمانہ قریب تھا۔ تمام عالم اسلامی مکہ کی طرف کھنچا چلا آرہا تھا امام حسینؑ بھی حج کرنے کے لئے ہر سال مدینہ سے مکہ پا پیادہ آیا کرتے تھے۔ اس لئے جو لوگ راستے میں ملتے تھے وہ حیرت سے پوچھتے تھے کہ حج کے زمانے میں آپ مکہ سے کہاں اور کیوں تشریف لئے جاتے ہیں۔ آپ جواب میں بالعموم فرمادیا کرتے تھے کہ میں خدا کی راہ میں قتل ہونے جارہا ہوں۔ وہی قربانی پر آمادگی اس جواب سے بھی ظاہر ہو رہی ہے۔

حضرت مسلم کوفہ پہنچ گئے۔ کوفیوں نے اُنکی بڑی عزت کی۔ لوگ جوق جوق آنے لگے۔ اور اُن کے ہاتھ پر امام حسین سے بیعت کرنے لگے۔ یزید کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے ایک قسی القلب دشمن آل رسول یعنی عبداللہ ابن زیاد کو شام کا گورنر مقرر کر کے کوفہ بھیجا۔ اُس نے وہاں پہنچتے ہی حضرت مسلم کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ قتل کروادیا اور اُن کے میزبان ہانی کو سولی پر چڑھادیا۔ کوفیوں کی وفاداری میں اتنی استواری کہاں تھی کہ ان سختیوں کی تاب لاسکتے آخر امام حسین سے پھر گئے۔ اہل کوفہ پر اپنی ہیبت بٹھانے کے بعد ابن زیاد نے شہر کے ناکے بند کروادیئے اور ہزار سواروں کا ایک دستہ حُر کی ماتحتی میں امام حسین کی تلاش میں بھیجا۔

راستے میں امام حسین کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر ملی۔ مگر آپ نے اپنا سفر جاری رکھا کئی منزلیں طے کرنے کے بعد حُر کا رسالہ سدِ راہ ہوا۔ کچھ گفتگو کے بعد یہ طے ہوا کہ امام حسین کسی غیر معروف راستے سے سفر کریں۔ گرمی قیامت کا نمونہ دکھا رہی تھی۔ حُر کا رسالہ پیاس سے جاں بلب تھا اور اُس بیابان میں کوسوں پانی کا پتا نہ تھا۔ امام حسین کے ساتھ اُنکے اہل و عیال اعزا و احباب کی ایک جماعت تھی جس میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ مگر انسانی ہمدردی سے بے چین ہو کر آپ نے اپنے ساتھ کا پانی دشمن کی فوج کو پلا دیا۔

اب حسینی قافلہ حُر کی تجویز کے مطابق ایک غیر معروف راستے سے روانہ ہوا حُر کا رسالہ بھی ساتھ ہو لیا تین چار دن کے بعد محرم کی دوسری تاریخ کو یہ قافلہ کربلا کے میدان میں پہنچ گیا

اور دریائے فرات کے قریب ٹھہر گیا۔ دوسرے دن ابن زیاد کا بھیجا ہوا ایک لشکر عمر ابن سعد کی سرکردگی میں کربلا پہنچا۔ اس کے بعد یزیدی فوجوں کی آمد کا سلسلہ بندھ گیا۔ تمام راستے بند کر دیے گئے۔ اور امام حسینؑ کو ان فوجوں میں گھیر کر یزید کی بیعت پر اصرار کیا جانے لگا۔ ساتویں محرم کو ابن زیاد کے حکم سے دریائے فرات پر کئی ہزار سپاہیوں کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور امام حسینؑ پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔

وہ سرچشمۂ ہمدردی جس نے ابھی چند روز ہوئے اپنے دشمنوں کی پوری فوج کو سیراب کیا تھا اب اسکے ننھے ننھے بچے ایک ایک قطرہ پانی کو ترس رہے ہیں۔ مگر طاقت کی تمام نمائشیں اور ایذا رسانی کی تمام صورتیں امام حسین کو مجبور نہ کر سکیں کہ ایک فاسق و فاجر بادشاہ کو اپنا دینی پیشوا تسلیم کر لیں۔ آٹھویں محرم کو عمر ابن سعد نے امام حسینؑ سے ایک مرتبہ پھر کہا کہ اب بھی وقت ہے۔ یزید کی بیعت کر لیجیے اور ان تمام مصیبتوں سے نجات پا جائیے۔

امام حسینؑ کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا۔ آپ نے بیعت سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ کو واپس جانے دو کہ میں مکہ یا مدینہ میں گوشہ نشین ہو جاؤں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اجازت دو کہ میں یزید کی سلطنت سے نکل کر ہندوستان یا کسی اور ملک میں جا رہوں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مجھ کو یزید کے پاس لے چلو کہ میں خود اُس سے گفتگو کر لوں۔ عمر سعد نے یہ تینوں باتیں ابن زیاد کو لکھ بھیجیں۔ مگر اُس نے کوئی بات منظور نہ کی اور شمر کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا کہ امام حسینؑ سے یزید کی بیعت لے یا اُن کا سر لائے۔

ابن زیاد کا یہ حکم امام حسین کو نویں محرم کی شام کو سُنایا گیا۔ امام نے اس پر غور کرنے کے لئے ایک شب کی مہلت لی۔ نماز مغرب کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں طے کر چکا ہوں کہ یزید کی بیعت کر کے اسلام کی تباہی میں شریک ہونگا۔ اب میرا ساتھ دینے میں تمہاری جانوں کا خطرہ ہے۔ اس لئے میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کے پردے میں جہاں چاہو چلے جاؤ۔

مروّت اور رفاقت کی حد ختم ہو گئی۔ اب جاں نثاری اور سرفروشی کی منزل تھی چند رفیق رخصت ہو گئے۔ اب صرف وہ لوگ باقی رہ گئے جو حسینؑ کی عظیم الشان قربانی میں شریک ہونے کے اہل تھے۔ ان سرفروش مجاہدوں کی تعداد بہتّر سے ایک سو دس تک بتائی جاتی ہے جس میں چند ضعیف بڈھے کچھ نوعمر لڑکے اور چند معصوم بچے بھی شامل تھے۔ انکے علاوہ کچھ عورتیں بھی امامؑ کے ساتھ تھیں۔ اس منتخب جماعت میں ایک فرد بھی ایسی نہ تھی جس نے اپنے کارناموں سے حسینی قربانی کی عظمت اور اثر میں اضافہ نہ کیا ہو۔

جب مہلت کی شب گزر گئی اور امام حسینؑ اپنے ارادے پر قائم رہے تو یزیدی لشکر جس کی تعداد کم سے کم بیس ہزار بتائی جاتی ہے میدان کربلا میں صف آرا ہو گیا کہ ایک صبر و استقلال کے پہاڑ کو ظلم و جبر کی آندھیوں سے متزلزل کر دے۔ طبل جنگ بجنے لگے۔ امام حسینؑ کا سر لینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اتنے بڑے لشکر کا سامنا ہے۔ بھوک پیاس کی شدّت سے کسی کے دم میں دم نہیں۔ بچے پیاس پیاس کہہ کر تڑپ رہے ہیں۔ اپنی اور عزیز ترین ہستیوں کی موت گھر کی تباہی۔ ناموس کی اسیری کے منظر آنکھوں کے سامنے ہیں۔ مگر امام حسینؑ کی فرض شناسی، اصول پروری، ایثار اور جرأت کا کیا کہنا کہ آپکی جبین استقلال پر اب بھی شکن نہیں۔

جب یزید کا قہرمانی لشکر اپنی صفیں جما چکا تو امام حسینؑ آگے بڑھے اور اپنی خاندانی خوش بیانی کے ساتھ ایک تقریر شروع کی۔ خدا کی حمد اور رسولؐ کی نعت کے بعد اپنی نسبی شرافت اور اسلام کی نازک حالت بیان کی اور کوفیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہیں نے مجھ کو سیکڑوں خط بھیج کر اپنی ہدایت کے لئے بلایا اور تمہیں اب میرے قتل پر آمادہ کھڑے ہو۔ کیا مہمان نوازی کا یہی طریقہ ہے۔ اور ہدایت کرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک مناسب ہے۔ کوفیوں میں اتنی اخلاقی جرأت کہاں تھی کہ جان و مال کے خوف پر غالب آسکتی۔ پھر بھی شرم سے سر جھک گئے۔

یزید کے اتنے بڑے لشکر میں صرف ایک شخص ایسا نکلا جس نے حق پر مرنا ناحق پر جینے سے بہتر سمجھا۔ وہ کون؟ حُر۔ وہی حُر جس کو چند روز پہلے امام حسینؑ نے پیاس کی شدت میں

سیراب کر کے گویا دوسری زندگی بخشی تھی۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کو لیکر امام حسین کی طرف آگیا۔

امام حسینؑ کی تقریر ختم ہوئی۔ جواب میں یزیدی لشکر سے تیر برسنے لگے۔ امام حسینؑ نے خود جنگ کا تہیہ کیا۔ مگر جاں نثار انصار آپ کو تلواروں کی آنچ میں کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ عرب کے قدیم دستور کے موافق ایک ایک شخص بڑھنے اور اپنے پیشوا کے نام پر جاں نثار کرنے لگا۔ انصار کے بعد اعزا رخصت ہونے لگے۔ نو دس برس کے دو بھانجے عون و محمد۔ تیرہ چودہ برس کا بھتیجا قاسم۔ اٹھارہ برس کا بیٹا علی اکبر۔ تیئیس برس کا بھائی عباس اور چند اور قریبی عزیز ایک ایک کر کے گئے اور شجاعت کے مافوق العادت کرشمے دکھا دکھا کر شہید ہو گئے۔ اب امام حسینؑ بالکل تنہا رہ گئے۔ ایک بیٹا سید سجاد زندہ تو تھا۔ مگر بیماری اور نقاہت سے زندہ در گور تھا۔ اس مصیبت میں باپ کی نصرت کیونکر کرتا۔

امام حسینؑ پر مصائب کا جو ہجوم تھا اب اس میں عزیز ترین دوستوں اور قریب ترین عزیزوں کے داغوں کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔ پھر اپنی طرف کے شہیدوں کی لاشیں اٹھاتے اٹھاتے اور خیمہ گاہ تک لاتے لاتے نہ معلوم کیا حال ہوا ہو گا۔ دشمنوں کے لشکر میں گھس کر کسی کی لاش اٹھا لانا آسان کام نہ تھا۔ حضرت جتنی لاشیں میدان جنگ سے لائے ہونگے اتنی لڑائیاں لڑ ناپڑی ہونگی۔ مختصر یہ کہ اس وقت امام حسین کی جو حالت ہو گی اسکا بیان کیسا تصور بھی دشوار ہے۔ مگر نہ معلوم آپ کے پاش پاش قلب میں کتنا استقلال اور چور چور بدن میں کتنی قوت تھی کہ اس بیکسی اور بے بسی کے عالم میں جب یزیدی فوج سے مبارزطلبی کی آواز بلند ہوئی تو آپ باقاعدہ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور ان بہنوں سے رخصت ہونے کے لئے خیمے میں تشریف لے گئے جن کے گود کے پالے گھر کے اجالے آنکھوں کے تارے زندگی کے سہارے امام پر نثار ہو چکے تھے۔ کس کے قلم میں طاقت ہے کہ اس دردناک منظر کی تصویر کھینچ سکے۔

سب سے رخصت ہو کر امام حسین میدان جنگ میں آئے اور اس عالم ضعف و یاس میں بہادری کے وہ جوہر دکھائے جن کی نظیر سے تاریخ عالم کے ورق خالی ہیں۔ یکایک خیمے سے

رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ امام حسین واپس آئے اور دیکھا کہ آپ کا ششماہہ بچہ علی اصغر پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہے۔ حضرت کو اپنی بے گناہی اور یزیدیوں کی شقاوت کے اظہار کا ایک بہت اچھا موقع مل گیا۔ آپ نے بچے کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر اسکی دردناک حالت دشمنوں کو دکھائی اور فرمایا کہ یہ معصوم پیاس سے جاں بلب ہے۔ اسکی ماں کا دودھ بھی خشک ہو گیا ہے۔ اگر ایک قطرہ پانی اسکے حلق میں ٹپکا دو تو اسکی جان بچ جائے۔

یہ ایسا پُراثر سماں تھا کہ وہ پتھر دل جو عون و محمد کی کمسنی، اکبرؑ کی نوجوانی، امام حسینؑ کی ضعیفی سے مطلق متاثر نہ ہوئے تھے وہ بھی آخر پسیج گئے۔ بعض لوگوں نے پانی دینے کا ارادہ کیا مگر عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کے ایک مشاق تیرانداز حرملہ کو حکم دیا کہ حسین کی بات کاٹ دے۔ حرملہ نے ایک سہ پہلو تیر تاک کر مارا جو بچے کی گردن اور باپ کا بازو توڑ کر نکل گیا اور بچہ باپ کے ہاتھوں پر تڑپ تڑپ کر ختم ہو گیا۔

اپنے دل کے ٹکڑے کو زمین کی گود میں سُلا کے امام حسین پھر میدان میں آئے اور ایسی جنگ کی کہ ہر طرف سے "الامان" "الامان" کی صدائیں آنے لگیں۔ آپ نے تلوار روک لی۔ تلوار کا رُکنا تھا کہ دشمنوں نے گھیر لیا۔ تیروں، تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسنے لگا۔ آخر سیکڑوں زخم کھا کر آپ گھوڑے سے گرے اور شمر نے اپنے خنجر سے حضرت کا سر کاٹ لیا۔ فتح کے باجے بجنے لگے۔ شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے پامال کی گئیں۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ عورتوں کے سروں سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔ خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ سید سجاد کو طوق و زنجیر پہنائی گئی۔ اور عرب کے شریف ترین خاندان کی غیرت مند بیبیاں رسیوں میں باندھ کر قیدی بنا دی گئیں۔

یزیدیوں نے اپنی طرف کے مُردوں کو دفن کیا اور امام حسین اور اُنکے رفیقوں کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر کوچ کر دیا۔ شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر آگے آگے رکھا۔ اہل حرم کو بے مقنع و چادر اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا اور ہمارا امام حسین کے بیمار اور ضعیف بیٹے سید سجاد کے ہاتھ میں دے کر اُن کو پُرخار راستوں سے سر و پا برہنہ پیدل چلنے پر مجبور کیا۔

راستے بھر طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں دیتے رہے۔ شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ اگر سید سجاد تھک کر بیٹھ جاتے تھے، یا پاؤں کے کانٹے نکالنے کے لئے ٹھہر جاتے تھے تو ان کو کوڑے مارتے تھے۔ اگر بیبیاں عزیزوں کے سروں کو دیکھکر روتی تھیں تو نیزوں کی نوکیں چبھوتے تھے۔

جب یزید کے دارالسلطنت دمشق میں پہنچے تو سب سے زیادہ آباد راستوں سے نہایت ذلت وخواری کے ساتھ ان قیدیوں کو یزید کے دربار تک لے گئے۔ یزید نے بھی ان کی ذلت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور سب کو ایک تنگ و تاریک مکان میں قید کر دیا۔

قبیلۂ بنی اسد کربلا کے نواح میں آباد تھا۔ اِس قبیلے کے لوگوں نے چند روز کے بعد امام حسینؑ اور اُنکے رفیقوں کی لاشوں کو دفن کر دیا۔

امام حسینؑ کے اہل حرم سال بھر قید رہے۔ یزید کی بیوی ہندہ آل رسولؐ سے محبّت رکھتی تھی۔ اسکو جب ان واقعات کی خبر ہوئی تو اسکی سفارش پر یزید نے ان بے وارثوں کو رہا کر کے مدینہ پہنچا دیا۔

حق کی حمایت اور اصول کی حفاظت کے لئے اکثر قربانیاں کی گئی ہیں۔ مگر جو قربانی امام حسینؑ نے کی اسکی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ امام حسینؑ کی شہادت نے دلوں کو بدل دیا اور خیالوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس واقعہ سے پہلے کس کی مجال تھی کہ یزید کے دربار میں امام حسینؑ کا نام عزّت کے ساتھ لے سکے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد اس کے مُنہ پر امام حسینؑ کی تعریفیں ہوتی تھیں اور وہ خاموشی سے سُنتا تھا یہی نہیں بلکہ اکثر قتل حسینؑ کا الزام اپنے ملازموں پر رکھ کر خود بھی افسوس اور ندامت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ یزید کے بعد اسکا بیٹا سلطنت کا وارث ہوا۔ مگر وہ اپنے باپ کے افعال سے اتنا شرمندہ تھا کہ چند ہی روز میں سلطنت سے دست بردار ہو کر خانہ نشین ہو گیا اور تین مہینے کے بعد خاک کے پردے میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

اسی شہادت کا اثر تھا کہ لوگوں کے دل یزید سے پھر گئے۔ یہاں تک کہ اسکی زبردست سلطنت تھوڑے ہی زمانہ میں صفحۂ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے دامن کا داغ بن کر رہ گئی۔ اور

قاتلان حسین کا نام ایسا مٹا کہ آج ایک شخص بھی اُنکی اولاد میں باقی نہیں۔ یا یوں کہیے کہ اس واقعے سے وہ ایسے ذلیل ہوئے کہ ساری دنیا میں ایک آدمی بھی اپنا انتساب اُنکی طرف پسند نہیں کرتا۔ دوسری طرف وہی حسینؑ جنکے ساتھ کربلا کی جنگ میں گنتی کے چند آدمی تھے آج اُنکے نام پر جان نثار کرنے والے کروروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اور جنکی اولاد میں صرف ایک سید سجاد باقی رہ گئے تھے آج لاکھوں سادات ان کی نسل سے ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

جو لوگ ناواقفیت سے واقعۂ کربلا کو دو حریفوں کی معمولی جنگ سمجھتے ہیں یا "قتل" اور "فتح" کو مترادف الفاظ خیال کرتے ہیں وہ شاید قاتل یزید کو فاتح اور مقتول حسین کو مفتوح سمجھیں لیکن جو لوگ امام حسینؑ کی شہادت کو حق کی حمایت میں ایک عظیم الشان قربانی سمجھتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ اسکے علاوہ اگر یزید اور امام حسین کے مقاصد پر نظر کریں اور کامیابی کو حصول مقصد سے علیحدہ کوئی چیز نہ سمجھیں تو امام حسینؑ کو فاتح اور یزید کو مفتوح ماننا پڑیگا۔

یزید کا مقصد کیا تھا؟ یہی کہ روحانیت کے تنہا علم بردار اور بنی ہاشم کی روحانی عظمت کے سب سے بڑے نمایندے کو قتل کرکے دُنیاوی حکومت کے ساتھ روحانیت اور مذہبیت کی قلمرو پر بھی فرمانروائی کرے۔ اور امام حسینؑ کا مقصد کیا تھا؟ یہی کہ اصول اسلام کو یزید کے ہاتھوں تباہ ہونے دیں اور یزید کی بداعمالیوں کو طشت از بام کرکے دنیا کو یزیدیت سے بیزار کردیں۔ کیا واقعات کربلا کے نتائج پر نظر کرنے کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ یزید کو فتح اور امام حسینؑ کو شکست ہوئی۔

کربلا کی جنگ ایک عجیب جنگ تھی جس میں نمائشی فتح حقیقی شکست، اور ظاہری شکست باطنی فتح تھی۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے شہدائے کربلا کے متعلق سچ کہا ہے۔ ؎

لکان قاصدھا بالضر نافعھا ۔۔۔ وان قاتلھا بالسیف محییھا

یعنی اُنکے ضرر کا قصد کرنے والا اُنکو نفع پہونچانے والا تھا ۔۔۔ اور اُنکو تلوار سے قتل کرنے والا اُن کا جلانے والا تھا

یہ ہے واقعۂ کربلا کا سادہ سا خاکہ جس سے اُسکی اہمیت کا کسی قدر اندازہ ہو جائیگا۔

میر انیس کی تحریر

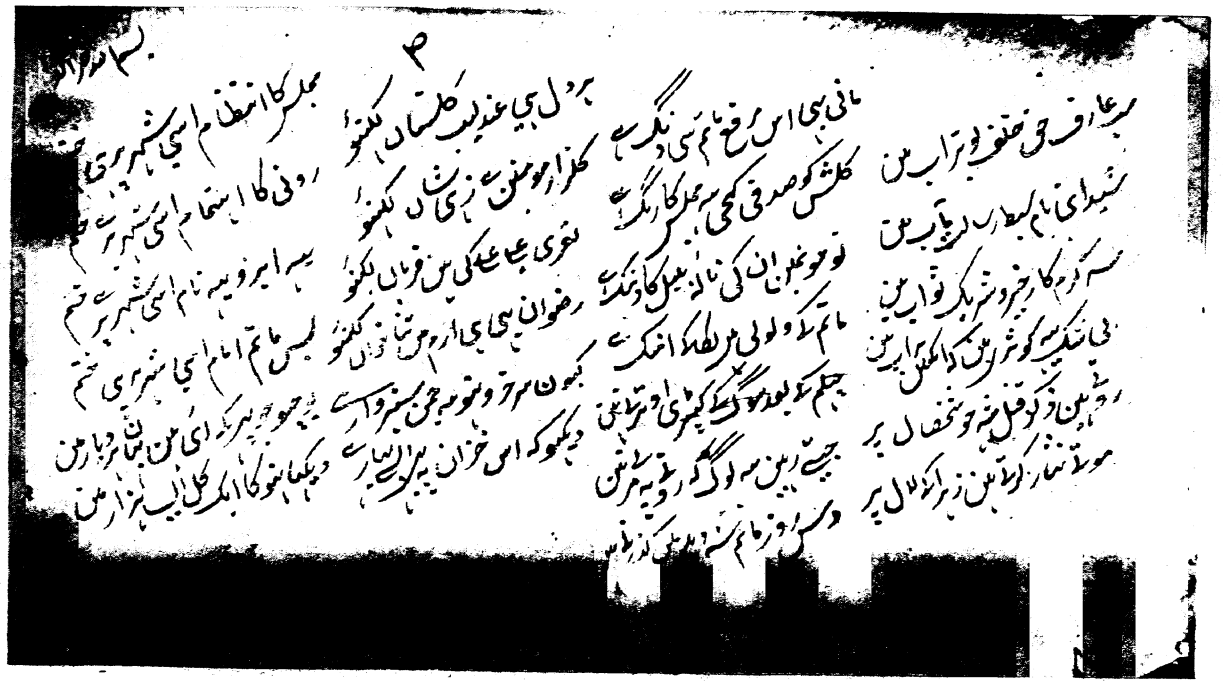

ہے سلک گہر یہ ، شتۂ نظم – کیا کیا موتی پرو رہے ہیں (انیس)

انیس کے مرثیوں میں بالعموم یہ اجزا پائے جاتے ہیں لیکن یہ لازمی نہیں ہے کہ ہر مرثیے میں یہ کل اجزا ہوں اور بالکل اسی ترتیب سے ہوں بعض مرثیوں میں شہادت امام حسین کے بعد کے واقعات لکھے گئے ہیں مثلاً اہلبیت کا کربلا سے دمشق تک سفر کرنا، انکا زندان شام میں مقید رہنا، یزید کی بیوی ہندہ کا اُن سے قید خانے میں ملنا، اُن کا قید سے چھوٹ کر مدینے واپس جانا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مرثیوں میں اجزائے مذکور کا ہونا ممکن ہی نہیں۔

انیس کے مرثیوں کو اور اس قبیل کے تمام مرثیوں کو مرثیہ صرف اس بنا پر کہتے ہیں کہ انکی بنیاد مرثیے ہی پر قائم ہوئی تھی اور اب بھی اُن میں کربلا کے مجاہدوں کی شہادت کا بیان غمناک انداز میں کرنا ضروری ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جس نظم کی ترکیب ان اجزا سے ہوئی ہو اسکو مرثیہ کہنا کچھ بہت مناسب نہ تھا۔ انیس کا مرثیہ حقیقت میں ایک خاص طرح کی رزمیہ نظم ہے جسکی ترکیب میں مرثیت کا عنصر لازمی طور پر موجود ہوتا ہے۔ اس نظم کا میدان مرثیے سے کہیں زیادہ وسیع ہے بلکہ معنوی حیثیت سے شعر کی جتنی قسمیں کی جاسکتی ہیں اُن سب پر حاوی ہے۔

بعض لوگ جو اس حقیقت پر نظر نہیں رکھتے ان نظموں کے نام سے دھوکا کھا کر طرح طرح کے بیجا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ خواجہ حالی لکھتے ہیں:-

"مرثیے میں رزم و بزم اور فخر و خودستائی اور سراپا وغیرہ کو داخل کرنا، لمبی لمبی تمہیدیں اور توطیے باندھنے۔ گھوڑے اور تلوار وغیرہ کی تعریف میں نازک خیالیاں اور بلند پروازیاں کرنی اور شاعرانہ ہنر دکھانے مرثیے کے موضوع کے بالکل خلاف ہیں۔"[1]

بیشک مرثیے میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن رزمیہ نظم میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے۔ اور یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ انیس کے مرثیے اصل میں رزمیہ نظمیں ہیں۔ خواجہ حالی خود بھی اس حقیقت سے بیخبر نہ تھے۔ شہدائے کربلا کے مرثیوں کی تدریجی ترقی اور اسکے اسباب کا ذکر کرنے کے بعد خود تحریر فرماتے ہیں

"یہ ترقی براہ راست مرثیے کی ترقی نہ تھی بلکہ اُردو شاعری میں ایک قسم کا ایجاد تھا۔"[2]

تعجب ہے کہ مرثیے کا یہ خاص مفہوم سمجھ لینے کے بعد خواجہ صاحب نے انیس کے مرثیوں کو معمولی مرثیے کے معیار پر جانچنا کیونکر جائز سمجھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ انیس کے مرثیوں کے جو مقامات مرثیے کے عام مفہوم کے اعتبار سے بھی مرثیہ کہے جاسکتے ہیں وہاں نہ رزم ہے نہ بزم، نہ فخر ہے نہ خودستائی۔ نہ گھوڑے کی تعریف ہے نہ تلوار کی توصیف۔ یہ چیزیں وہیں ہیں جہاں کے لئے زیبا ہیں۔

---

[1] شعر و شاعری مصنفہ حالی مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ صفحہ ۱۶۳ [2] شعر و شاعری صفحہ ۱۵۵

اشخاصِ مرثیہ

جن لوگوں کے نام مرثیوں میں اکثر آتے ہیں اُن کے نہایت مختصر حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

حسینی جماعت

(۱) حضرت محمد ﷺ کے آخری رسول۔ اسلام کے بانی۔ آپ کا ذکر جن لفظوں میں اکثر کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:-

رسول۔ نبی۔ پیغمبر۔ پیمبر۔ رسولِ خدا۔ رسالت مآب۔ رسالت پناہ۔ خاتم الانبیا۔ خاتم النبیین۔ ختمِ رسل۔ ختمی مرتبت۔ شافعِ محشر۔ مصطفےٰ۔ احمد۔ احمدِ مختار۔ شاہِ لولاک۔

(۲) حمزہ۔ رسول اسلام کے چچا۔ شجاعت اور رعب داب میں مشہور زمانہ۔

(۳) جعفر۔ فن جنگ کے ماہر۔ بہادر سپاہی۔ رسول کی فوج کے علمدار۔ ایک جنگ میں آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے۔ اُن کے عوض میں خدا نے جواہر کے پر عطا کئے جن سے آپ اُڑتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے 'جعفرِ طیار' کہلاتے ہیں۔ (طیار کے معنی ہیں بڑا اُڑنے والا)

(۴) علیؑ۔ رسول کے چچازاد بھائی۔ داماد اور جانشین۔ ائمہ اثنا عشر میں پہلے امام۔ رسول کی فوج کے علمدار۔ فنِ جنگ کے زبردست ماہر۔ نہایت شجاع۔ بہت سخی۔ آپ کا ذکر اکثر ذیل کے لفظوں میں کیا جاتا ہے:-

امیر المومنین۔ جناب امیر۔ اسد اللہ۔ شیرِ خدا۔ شیرِ الٰہی۔ ابوتراب۔ شاہِ مرداں۔ شاہِ لافتیٰ۔ شاہِ ذوالفقار۔ شہنشاہِ نجف۔ یداللہ۔ نفسِ رسول۔ زوجِ بتول۔ ساقیِ کوثر۔

مرتضیٰ۔ حیدر۔ حیدر کرار۔ مشکل کشا۔ فاتح خیبر۔

(۵) فاطمہؓ۔ پیغمبر عرب کی صاحبزادی حضرت علیؓ کی زوجہ۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی والدہ۔ زنانِ عالم کی سردار۔ آپ کو زہرا۔ سیدہ۔ بتول۔ خاتونِ جنت۔ خاتونِ قیامت۔ سیدۂ عالم۔ بنتِ رسول۔ خیر النسا۔ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

(۶) حسنؑ۔ حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے۔ ائمہ اثنا عشر میں دوسرے امام۔ آپ کو شبر۔ مجتبیٰ۔ اور حسن مجتبیٰ کے ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں۔ چونکہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے تھے اس لئے آپ کو سید مسموم۔ امام مسموم وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

(۷) حسینؑ۔ پیغمبر عربؐ کے نواسے۔ حضرت علیؓ کے بیٹے۔ ائمہ اثنا عشر میں تیسرے امام۔ آپ ہی کی شہادت مرثیے کا اصل موضوع ہے۔ آپ کا ذکر بیشمار ناموں سے کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

شاہ۔ شہ۔ شاہ کربلا۔ سلطان مشرقین۔ شہنشاہ مدینہ۔ شاہ دین۔ شاہ زمن۔ شاہ حجاز۔ سردار دو عالم۔ سرور کونین۔ شہید کربلا۔ مظلوم کربلا۔ غریب نینوا۔ سبط رسول۔ فرزند نبی۔ ابن علی۔ ابن فاطمہ۔ شبیر۔ سرور۔ حضرت۔ سید الشہدا۔ سید ذی جاہ۔ خامس آل عبا۔

(۸) عباسؑ۔ امام حسینؑ کے مختلف البطن چھوٹے بھائی۔ حسینی لشکر کے علمدار۔ فنون جنگ کے زبردست ماہر۔ نہایت دلیر۔ غصہ ور۔ بڑے قدآور اور بارعب جوان۔ وفا شعاری کا مجسمہ۔ بتیس ۳۲ سال کی عمر۔ کربلا میں امام حسین کے بچوں کو پیاس سے بیقرار دیکھ کر اپنے ایک مشک اٹھالی اور پانی لینے کے لئے فرات کی طرف چلے۔ لڑتے لڑتے دریا تک پہنچ گئے۔ گھاٹ پر جن سپاہیوں کا پہرا تھا اُن کو ہٹا کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور مشک بھری۔ خود بھی دو دن کے پیاسے تھے چلّو میں پانی لے کر پینا چاہا لیکن یہ خیال کر کے کہ امام حسینؑ اور انکے بچوں کو سیراب کرنے سے پہلے اپنی پیاس بجھالینا وفاداری سے بعید ہے، پانی پھینک دیا۔ دریا سے پیاسے نکل آئے۔ راستے میں دشمنوں نے گھیر لیا۔ آپ بڑی دلیری سے لڑتے رہے۔ یہاں تک

آپ کے دونوں بازو کٹ گئے اور ایک گرز کی سخت ضرب سے آپ شہید ہو گئے۔

(۹) **مسلم ابن عقیل**۔ امام حسینؑ کے چچازاد بھائی۔ انکو امام حسینؑ نے اپنی روانگی سے پہلے صورت حال دریافت کرنے کے لئے کوفہ بھیجا تھا۔ وہاں ابن زیاد کے حکم سے بڑی بے رحمی سے شہید کئے گئے اور ان کے دو بیٹے قید کر دیے گئے۔ کچھ دن بعد زنداں بان نے ان کا نسب معلوم کر کے ان پر رحم کھا کر چھوڑ دیا۔ آخر حارث نے دونوں کو شہید کر دیا۔

(۱۰) **عابدؑ**۔ امام حسینؑ کے صاحبزادے جو کہ کربلا میں بیمار ہو گئے تھے اور مرض کی شدت کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ کا اصل نام 'علی' تھا اور سجاد۔ عابد۔ زین العابدین ان کے لقب تھے۔ مرثیوں میں انکو بیمار کربلا۔ اور سید سجاد کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔

(۱۱) **اکبرؑ یا علی اکبرؑ**۔ امام حسینؑ کے نوجوان فرزند۔ اٹھارہ سال کا سن۔ آپ کی مادر گرامی کا نام اُم لیلےٰ تھا۔ لیکن مرثیوں میں اکثر آپ کو حضرت شہر بانو کا بیٹا قرار دیا ہے۔ حضرت علی اکبر کو ان کی پھوپھی حضرت زینب نے پالا تھا اور ان کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ وہ صورت میں جناب رسول (ص) سے بہت مشابہ تھے۔ اسی لئے انکو شبیہ رسولؐ۔ ہمشکل نبیؐ ہمصورت پیغمبرؐ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ کربلا کی جنگ میں آپ نے خوب داد شجاعت دی۔ آخر حصین ابن نمیر کی برچھی سینے کے پار ہو گئی اور آپ شہید ہو گئے۔

(۱۲) **اصغرؑ یا علی اصغرؑ**۔ امام حسینؑ کے چھوٹے صاحبزادے جنکا سن صرف چھ مہینے کا تھا۔ کربلا میں ایک دشمن کے تیر سے شہید ہوئے۔

(۱۳) **قاسمؑ**۔ امام حسنؑ کے بڑے صاحبزادے۔ امام حسینؑ کے بھتیجے۔ تیرہ برس کا سن۔ ایک روایت ہے کہ امام حسنؑ کی وصیت پوری کرنے کی غرض سے حضرت قاسمؑ کا عقد امام حسینؑ کی صاحبزادی فاطمہ کبریٰؑ کے ساتھ کربلا میں شہادت سے ایک دن پہلے کر دیا گیا تھا۔ حال کے محقق اس روایت کو مستند نہیں سمجھتے۔ کربلا کی جنگ میں حضرت قاسم کا خاص کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے شام کے ایک نامی پہلوان ازرق اور اُسکے چار بیٹوں کو قتل کیا۔ آخر شہید ہو گئے

اور لاش گھوڑوں سے اس طرح پامال کی گئی کہ جسم مبارک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

(۱۴) عبداللہؑ۔ امام حسنؑ کے چھوٹے صاحبزادے جو صغر سنی کی حالت میں کربلا میں شہید ہوئے۔ عبداللہ

(۱۵) عونؑ و محمدؑ۔ حضرت زینبؑ کے صاحبزادے۔ حضرت جعفر طیار کے پوتے حضرت علی کے نواسے۔ نو دس برس کے سن مگر نہایت شجاع۔ بعض لوگوں نے اُنکے نام عون و جعفر بتائے ہیں۔ مرثیوں میں ان دونوں بھائیوں کی جنگ ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اور یہ بات اکثر بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ اُن کے دادا جعفر طیار اور نانا حضرت علی دونوں لشکر رسولؐ کے علمدار تھے اس لئے کربلا کی جنگ میں وہ خود کو حسینی فوج کی علمداری کا وراثتاً مستحق سمجھتے تھے اور علم نہ ملنے سے رنجیدہ تھے۔ مگر اپنی مادر گرامی کے سمجھانے سے راضی ہو گئے۔

(۱۶) زینبؑ۔ امام حسینؑ کی بہن۔ اپنے بھائی سے انتہا کی محبت رکھتی تھیں۔ اور اپنے بھتیجے علی اکبرؑ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ چاہتی تھیں۔ خاندانی فصاحت اور آبائی شجاعت ورثے میں پائی تھی۔ جب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دشمن ان کے خاندان کو قید کر کے کربلا سے کوفے، اور کوفے سے دمشق (شام) لے گئے تو آپ نے راستے میں اور یزید کے دربار میں بڑی دلیری سے تقریریں کیں اور اپنی مصیبتیں ایسے پُر اثر اشعار میں بیان کیں کہ پتھر کا دل پانی ہو جائے۔ مرثیوں میں آپ کا ذکر اکثر ان لفظوں سے کیا جاتا ہے۔ بنت علیؑ۔ بنت فاطمہؑ۔ خواہر امامؑ۔ شاہ کی ہمشیر۔

(۱۷) کلثومؑ یا اُم کلثومؑ۔ امام حسینؑ کی چھوٹی بہن۔

(۱۸) کبریٰؑ یا فاطمہ کبریٰؑ۔ امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جن کا عقد بقول بعض کربلا میں قاسم ابن حسنؑ کے ساتھ امام حسینؑ کی شہادت سے ایک دن پہلے ہوا۔

(۱۹) صغریٰؑ یا فاطمہ صغریٰؑ۔ امام حسینؑ کی صاحبزادی۔ جو بقول بعض بیماری کی وجہ سے وطن میں رہ گئی تھیں۔

(۲۰) سکینہؑ۔ امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی۔ تین چار برس کا سن۔ بقول بعض زندان شام میں

انتقال کیا۔ آپ کی والدۂ محترمہ کا نام رباب تھا۔

اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا پیغمبر اسلام کی زوجہ جو واقعہ کربلا کے وقت زندہ اور مدینہ میں مقیم تھیں۔

اُمُّ البنین۔ حضرت عباسؑ کی والدہ جن کی نگرانی میں امام حسینؑ کی بیٹی فاطمہ صغریٰ مدینہ میں مقیم تھیں۔

لیلیٰ یا اُمِّ لیلیٰ۔ امام حسینؑ کی زوجہ۔ حضرت علی اکبرؑ کی والدہ۔

بانو یا شہر بانو۔ یزدجرد سوم بادشاہ ایران کی صاحبزادی۔ امام حسینؑ کی زوجہ۔ علی اصغرؑ کی والدہ۔ مرثیوں میں اکثر انھیں کو حضرت علی اکبرؑ کی والدہ بھی قرار دیا ہے۔

حبیب ابن مظاہر۔ امام حسینؑ کے ساتھ کے کھیلے ہوئے بچپن کے دوست۔ مرثیوں میں ان کو بالعموم بہت بوڑھا دکھایا ہے۔

حُرّ۔ لشکر یزید کے ایک دستے کا سردار جو روز عاشورہ اپنے بھائی، بیٹے اور غلام کے ساتھ امام حسینؑ کی طرف آگیا۔ اور سب سے پہلے لشکر یزید سے مقابل ہو کر شہید ہوا۔

یزیدی گروہ

یزید ابن معاویہ۔ عرب کا فاسق و فاجر بادشاہ جو اسلام کا مدعی ہو کر احکام اسلام کی صریح مخالفت کرتا تھا۔ اسی کے ایما سے امام حسینؑ کی شہادت واقع ہوئی۔

عبداللہ ابن زیاد۔ یزید کی طرف سے کوفے کا گورنر تھا۔ اسی کے حکم سے امام حسینؑ طلب کئے گئے۔

عمر ابن سعد۔ یہ یزیدی لشکر کا سپہ سالار جو کربلا میں امام حسینؑ کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا۔

شمر ذی الجوشن۔ یزیدی فوج کا ایک سردار۔ نہایت ظالم۔ بے رحم۔ حریص۔ دین فراموش۔ اسی نے امام حسینؑ کو اپنے ہاتھ سے شہید کیا۔

حصین ابن نمیر۔ یزیدی فوج کا ایک سردار۔ اس کی برچھی نے امام حسینؑ کے

نوجوان بیٹے علی اکبرؑ کا کام تمام کیا۔

(۶) **حرملہؔ بن کاہل اسدی** یہ یزیدی لشکر کا ایک مشاق تیر انداز۔ امام حسینؑ کا ششماہہ بچہ علی اصغرؑ اسی کے تیر سے شہید ہوا۔

(۷) **خولیؔ** یزیدی لشکر کا ایک سپاہی۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب یزیدی لشکر آپ کی عورتوں کو قید کر کے یزید کے دربار کو لے چلا تو امام حسینؑ کا سر مبارک اسی کے نیزے پر بلند تھا۔

(۸) **ازرقؔ**۔ ملک شام کا ایک نامی پہلوان جو حضرت قاسمؑ سے لڑا اور مارا گیا۔ اسکے چاروں بیٹے بھی جنگ آزما جوان تھے۔ وہ سب ازرق سے پہلے حضرت قاسمؑ ہی کے ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے۔

ہند یا ہندہؔ۔ یزید کی بیوی۔ اس کو رسولؐ کے خاندان سے بڑی عقیدت تھی جب اسے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ شہید ہو گئے اور اُن کے اہل حرم زندان شام میں مقید ہیں۔ تو اُس نے یزید سے سفارش کر کے اُن کو رہا کروا دیا۔

(۹) **حارثؔ**۔ کوفہ کا باشندہ حضرت مسلمؑ کے دونوں بیٹوں کا قاتل۔

شیریںؔ۔ امام حسینؑ کی آزاد کی ہوئی کنیز۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب حسینی قافلہ کوفہ کو جا رہا تھا تو شیریں کا مکان راستے میں پڑا تھا۔ اہل حرم کی اُس سے ملاقات مرثیوں میں نہایت پُر اثر انداز میں دکھائی گئی ہے۔

(۱۰) **جمالؔ**۔ یزیدی لشکر کا ایک بے حمیت بندۂ حرص۔ جس نے بعد شہادت امام حسینؑ کا پٹکا اور انگوٹھی لینے کے لئے آپ کا ہاتھ اور اُنگلی کاٹ ڈالی۔

نوٹ :۔ عبداللہ ابن زیاد۔ عمر ابن سعد اور حصین ابن نمیر کو زیادہ تر صرف ابن زیاد۔ ابن سعد اور ابن نمیر کہتے ہیں۔

میر انیسؒ کے حالات زندگی

Starting.

میر ببر علی انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کا صحیح سن تو معلوم نہیں البتہ بعض قرینوں سے پتا چلتا ہے کہ انکی ولادت ۱۲۱۶ھ اور ۱۲۲۰ھ کے درمیان واقع ہوئی۔ اُن کے بزرگوں میں شاعری کئی پشتوں سے چلی آتی تھی۔ اُن کے پردادا میر غلام حسین ضاحک فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے طبیعت فطرتاً ہزل اور ظرافت کی طرف مائل تھی۔ ہر وقت ہنسنے ہنسانے سے کام تھا۔ اسی مناسبت سے ضاحک تخلص اختیار کیا تھا۔ سلطنت دہلی کی تباہی کے بعد میر ضاحک دہلی کو چھوڑ کر فیض آباد چلے گئے۔

میر انیس کے دادا میر غلام حسن حسن بڑے کامل شاعر تھے۔ انکی مثنوی 'سحر البیان' ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر اُردو شاعری کو ہمیشہ فخر رہیگا۔ میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے اور جوانی میں اپنے والد کے ساتھ فیض آباد گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تو میر حسن بھی لکھنؤ چلے آئے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔ انکا انتقال محرم ۱۲۱۱ھ میں ہوا۔

میر انیس کے والد میر مستحسن خلیق بھی باکمال شاعر تھے۔ ان کا مولد و مسکن فیض آباد تھا مگر آخر عمر میں لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ذوق سخن اور ملکہ شاعری ورثے میں ملا تھا۔ سولہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگے۔ میر حسن نے ان کے کلام کی اصلاح شیخ مصحفی سے متعلق کر دی تھی۔ مصحفی غزل کے اُستاد تھے۔ شاگرد کو بھی اسی راہ پر لگایا۔ چنانچہ میر خلیق نے غزلوں کا ایک پورا دیوان کہہ ڈالا۔ مگر صرف غزل گوئی سے اُن کا ذوق شعر پورا نہ ہوا تو مرثیہ گوئی کی طرف توجہ کی اور آخر عمر تک اسی شغل میں مصروف رہے۔ خلیق غزل گوئی کے میدان میں کچھ زیادہ نہ چمکے۔ مگر مرثیہ گوئی نے ان کا نام خوب روشن کیا۔

میر انیس کا مکان

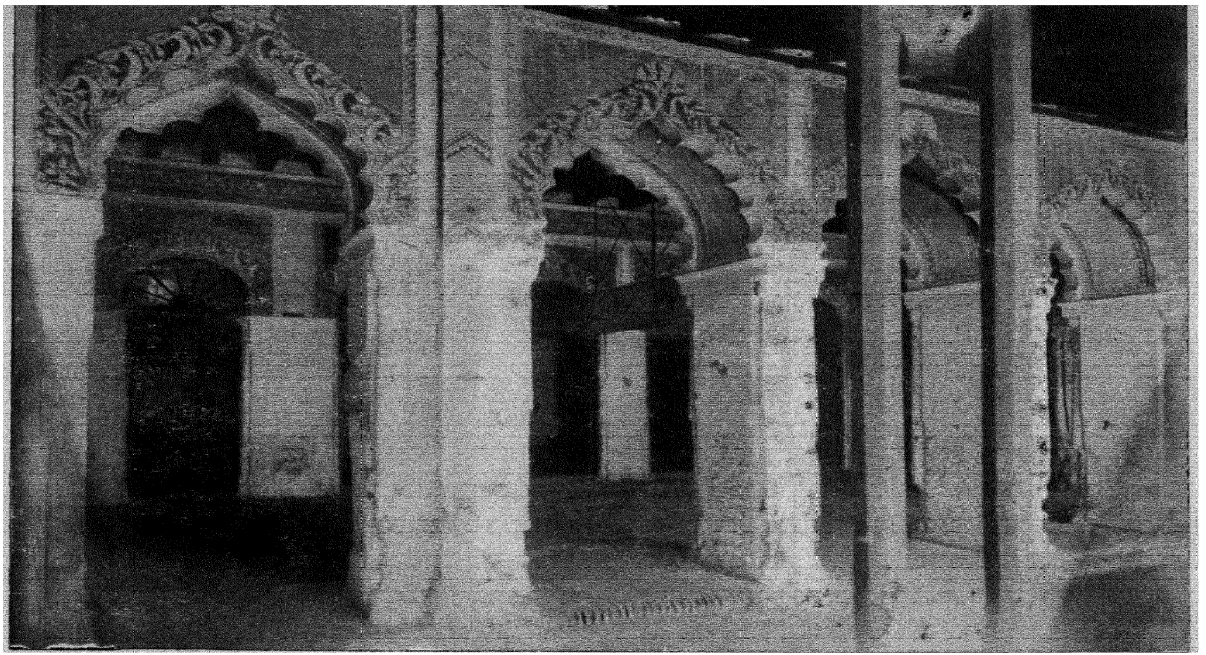

بر زمینے کہ نشانِ کف پائے تو بُود – سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواھد بود (حافظ)

میر خلیق کے ہمعصروں میں تین مشہور مرثیہ گو اور بھی تھے یعنی میر ضمیر۔ میاں دلگیر اور مرزا فصیح۔ مگر میر خلیق کا پایہ مرثیہ گوئی میں کسی سے نیچا نہ تھا اور مرثیہ خوانی میں سب سے اونچا تھا۔ یہ جب مرثیہ پڑھتے تھے تو چشم و ابرو کے اشاروں سے اعضا کی مناسب حرکتوں سے۔ اور آواز کے اُتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ میر خلیق نے ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔

میر خلیق کے تین بیٹے تھے۔ میر ببر علی انیس۔ میر مہر علی اُنس اور میر نواب مونس۔ یہ تینوں شاعر تھے اور مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا ذوق جو باپ دادا سے وراثتاً پہنچا تھا اسکو تینوں نے اپنی اپنی استعداد کے موافق اور بھی ترقی دی۔ میر انیس جس طرح سن میں سب سے بڑے تھے اُسی طرح ان دونوں فنوں میں بھی اپنے بھائیوں سے کہیں بڑھ کر تھے۔ اُنھوں نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونوں کو ترقی کے انتہائی نقطے تک پہنچا دیا کہ اب اسکے آگے بڑھنا غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ ——

دنیا کے اکثر باکمالوں کی طرح میر انیس کے بچپن کے حالات معلوم نہیں۔ اُن کی تعلیم و تربیت کے بارے میں بھی صرف اتنا معلوم ہے کہ اُنھوں نے میر نجف علی فیض آبادی اور مولوی حیدر علی لکھنوی سے بھی تعلیم پائی تھی۔ یہ دونوں زبردست فاضل تھے۔ میر نجف علی کی تصنیف سے ایک مختصر سا رسالہ "مخارج الحروف" کے بیان میں میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور مولوی حیدر علی صاحب کی ایک تصنیف "منتہی الکلام" نہایت مشہور ہے۔ میر انیس کی والدہ بھی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ فارسی زبان اور مسائل مذہب سے کافی واقفیت رکھتی تھیں یقیناً میر انیس نے ابتدائی تعلیم انھیں معظمہ سے حاصل کی ہوگی۔

شاعری میں بھی میر انیس کے کسی اُستاد کا پتا نہیں چلتا۔ مگر قیاس کہتا ہے کہ اس فن کے وہ شعبے جو اکتساب سے تعلق رکھتے ہیں اُنھوں نے اپنے والد میر خلیق سے سیکھے ہونگے۔ میر انیس نے اپنے کلام میں جابجا میر خلیق کے فیض تعلیم اور اُن کے اتباع کا ذکر کیا ہے۔

میر انیس کی تعلیم و تربیت کی طرح ان کی علمی قابلیت کا حال بھی کسی نے تفصیل سے نہیں لکھا۔ مگر مختلف لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی زبان بخوبی جانتے تھے۔

اور جن علموں کا اُس زمانے میں چرچا تھا اُن سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے۔ میر انیس کے کلام کا غور سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمی قابلیت کے بارے میں مندرجۂ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔ (الف) وہ عربی زبان بخوبی جانتے تھے۔ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور برمحل استعمال کرتے ہیں۔ عربی صرف و نحو کے مسائل کی طرف جابجا اشارے کرتے ہیں۔ عربی اقوال و امثال وغیرہ کا ترجمہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے۔ (ب) قرآن و حدیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات و احادیث، اُن کے ترجمے، اُن کی طرف اشارے، تفسیر و حدیث کی کتابوں کے نام، راویوں کے حوالے۔ یہ سب چیزیں اُن کے کلام میں موجود ہیں۔ (ج) اپنے زمانے کے دوسرے علوم رسمی سے بھی واقف تھے۔ اُن کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں۔ بعض علوم کے مسائل کا بھی جابجا ذکر ہے۔ (د) فارسی زبان و ادب پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے مرثیوں کا ایک ایک مصرع انکی فارسی دانی پر شہادت دیتا ہے۔ فارسی لفظوں کا بالکل صرف۔ فارسی کی دلاویز ترکیبیں۔ فارسی مثلوں اور قولوں وغیرہ کی طرف اشارے۔ فارسی شعروں کے ترجمے اور جابجا اُن کو تضمین کرنا۔ یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ انیس کو فارسی زبان میں بڑی مہارت تھی۔ اُن کی فارسی نظم اور نثر کے بعض نمونے بھی اب تک موجود ہیں۔

میر انیس کی کتابی معلومات بھی کافی تھی۔ مگر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک من علم سے کام لینے کے لئے دس من عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر "چار پائے بر او کتابے چند" کا مصداق بن جانا اور چیز ہے اور اپنے علم کو اپنی ذات کا جزو بنا لینا، یا اُس پر حاکمانہ قدرت رکھنا اور چیز ہے۔

اِس سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر ہے۔ عربیت کا غلبہ اور علمیت کا اظہار جتنا انیس کے ابتدائی مرثیوں میں ہے اُتنا آخری مرثیوں میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں مشق سخن بڑھتی گئی وہ وہ یہ قدرت بھی بڑھتی گئی کہ باریک اور نازک خیالوں کو غریب لفظوں اور علمی اصطلاحوں سے بچ کر سادہ اور عام فہم زبان میں ادا کر دیں۔

میر انیس کا خاندانی مذہب شیعہ تھا۔ اُنکی والدہ ایک تعلیم یافتہ اور پابند مذہب خاتون تھیں اور شرعی مسائل سے بخوبی واقف تھیں۔ میر انیس کے والد بھی ایک مذہبی آدمی تھے۔ جس بچے کی تعلیم و تربیت ایسی ماں کی آغوش شفقت اور ایسے باپ کے ظلِّ عاطفت میں ہوئی ہو اُس کو فطرتاً پابند مذہب ہونا ہی چاہیے۔ میر انیس کا کلام بخوبی سمجھنے کے لئے اُن کے مذہب کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس لئے اُن کے بعض مذہبی عقیدوں کا بیان کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

اللہ کی خدائی اور محمدؐ کی پیغمبری کے تو سب مسلمان قائل ہیں لیکن پیغمبر کی وفات کے بعد اُن کی جانشینی کے مسئلے میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا جس نے مسلمانوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا جو شیعہ اور سُنّی کے ناموں سے مشہور ہیں۔ شیعوں کے خیال میں رسولؐ کے پہلے خلیفہ یا جانشین اُن کے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؑ تھے۔ اُن کے بعد خلافت اُنھیں کی اولاد میں نسل بہ نسل منتقل ہوتی رہی۔ رسولؐ کے یہ جانشین جن کی تعداد شیعوں کے نزدیک بارہ ہے امام کہلاتے ہیں۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ حضرت محمدؐ۔ اُنکی بیٹی جناب فاطمہ اور بارہ امام یہ چودہ آدمی معصوم ہیں یعنی اُن سے غلطی اور گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ بہترین اخلاق کا بہترین نمونہ ہیں۔ اُن کی محبت اور اطاعت خدا کی خوشنودی کا باعث اور ابدی نجات کا ذریعہ ہے۔ اور ان سے عداوت اور انحراف اللہ کی ناراضی کا سبب اور دائمی عقوبت کا باعث ہے۔ خوش عقیدہ شیعوں کے نزدیک تمام کائنات پر اُنکی حکومت تھی۔ معجزہ یعنی خرق عادت ہر وقت اُن کے امکان میں تھا۔ زمان و مکان کا فاصلہ اُنکے لئے کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ اُن کی دعا سے مریض تندرست اور مُردے زندہ ہو سکتے تھے۔ قدرت کے تمام قانون اور فطرت کی تمام قوتیں اُن کے ارادے کی تابع تھیں۔ مگر ان اختیارات پر وہ اللہ کی مرضی کے خلاف ایک سانس بھی نہ لیتے تھے۔ اصولاً سب اماموں کا مرتبہ برابر ہے۔ سب یکساں احترام اور اطاعت کے قابل ہیں۔ لیکن عملاً شیعوں کے دل میں پہلے امام حضرت علیؑ کی جس قدر عظمت ہے اور تیسرے امام حضرت حسینؑ ابن علی کی جتنی محبت ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہے۔ انھیں امام حسین کو بادشاہِ وقت یزید کی

فوج نے انتہائی شقاوت اور بے رحمی سے تین دن کی بھوک اور پیاس میں تمام عزیزوں اور رفیقوں سمیت کربلا کے میدان میں شہید کر دیا۔

یوں تو کون انسانی دل ہے جو کربلا کے خونیں واقعے سے متاثر نہ ہوا اور حق کی حمایت میں دنیا کی اس سب سے بڑی قربانی کا حال سُن کر انسانیت کی درگاہ میں دو آنسو نہ چڑھائے۔ لیکن شیعہ تاریخ عالم کے اس بے حد عظیم اور بے انتہا غمناک واقعے کی یادگار قائم کرنا، مجالس عزا منعقد کر کے شہدائے کربلا کے کارناموں کا ذکر اور اُن کی اشاعت کرنا جزو مذہب خیال کرتے ہیں۔ اپنی مصیبتوں سے مضطرب ہونا اور اپنے عزیزوں کی موت پر رونا دھونا اچھا نہیں سمجھتے لیکن اپنے مظلوم امام (حسینؑ) کی مصیبتوں پر ماتم کرنا دینی اور انسانی فرض سمجھتے ہیں۔ ان فرائض کو یوں تو وہ انفرادی حیثیت سے سال بھر برابر وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہتے ہیں لیکن محرم کا مہینہ بالخصوص اُسکا پہلا عشرہ اس کام کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ ان دس دنوں میں وہ تمام کاموں کو ملتوی کر کے اجتماعی حیثیت سے واقعۂ کربلا کی یاد تازہ کرتے اور مجالس عزا قائم کر کے امام حسینؑ کی مصیبتوں پر روتے اور ماتم کرتے ہیں۔ غریب سے غریب شیعہ بھی اپنا یہ مقدس فرض ادا کرنے کے لئے اپنی سخت سے سخت ضرورتوں کو رد کر کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی خلقت کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ وہ کربلا کے شہیدوں کی صف ماتم بچھائیں اور اس غم کو قیامت تک قائم رکھیں۔ مرثیوں کی تصنیف کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ انھیں مقدس مجالس عزا میں پڑھے جائیں۔ اس لئے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کو ایک مذہبی عظمت بھی حاصل ہے۔

میر انیس کا کلام بتاتا ہے کہ وہ بھی یہ سب عقیدے رکھتے تھے (اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے مرثیوں میں جو زور، شان، اخلاقی بلندی، عظمت، شیفتگی، تقدس اور اثر ہے وہ انھیں عقائد کی بدولت ہے۔ کوئی دوسرا شاعر جو اس طرح کے عقیدے نہ رکھتا ہو وہ شاعری کے انتہائی کمال کے باوجود ایسے مرثیے کہنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔)

(انسان کی سیرت جن چیزوں سے بنتی ہے ان میں اسکی تعلیم و تربیت اور اسکے مذہبی خیالات کا اثر سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ انیس نے جس فضا میں تربیت پائی تھی اسکا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ ایک نہایت متین، خوددار اور مہذب آدمی ہوں۔ ان کے کمال نے ان طبعی خصوصیات سے مل کر اُن کو نازک مزاج بھی بنا دیا تھا۔ اُنکی نازک مزاجی اُس وقت اور بڑھ جاتی تھی جب وہ مجلس عزا میں منبر پر بیٹھے ہوئے اپنا کلام اہل مجلس کو سنا رہے ہوں۔ اُس وقت اُن پر ایک محویت کا عالم طاری ہوتا تھا اور وہ اپنے کمال کے نشے میں سرشار ہو کر اُس بلندی پر پہنچ جاتے تھے جہاں سے بے کمالی کا درجہ خواہ وہ ریاست و امارت کا لباس ہی کیوں پہنے ہو بہت پست معلوم ہونے لگتا ہے)

خودداری اور عزت نفس میر انیس کی سیرت کے بہت نمایاں خصوصیات تھے لیکن یہ باتیں حدِ اعتدال سے گزر کر خود بینی اور بدمزاجی تک نہیں پہنچ گئی تھیں۔ بلکہ ان کی طبیعت کا فطری میلان انکسار کی طرف تھا اور وہ خاکساری کو انسان کی ایک اعلیٰ صفت سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے انکسار کی تعریف اور غرور کی مذمت نہایت مؤثر پیرائے میں کی ہے۔ وہ قانع اور متوکل آدمی تھے۔ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے تھے اور خدا کے علاوہ کسی پر بھروسا نہ کرتے تھے۔ خدا نے انھیں جو جو نعمتیں عطا کی تھیں ان پر اُسکا شکر بجا لاتے تھے۔ حق کہنے میں ذی اختیار اور صاحبِ دولت لوگوں سے ذرا بھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔ قناعت اور استغنا کے متعلق اُنھوں نے ایسے ایسے پر زور شعر کہے ہیں کہ جن کی نظیر اُردو شاعری میں ملنا مشکل ہے۔ انیس کے زمانے کے امرا نہایت خوشامد پسند تھے اور انیس کا گزارا اُنھیں کی دادودہش پر تھا۔ مگر وہ بھری مجلسوں میں اُنکے منہ پر اپنی قناعت اپنی خودداری وغیرہ کا ذکر کنایے کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس شان سے کر دیتے تھے کہ اُنکا بیان خود اُن کے دعوؤں کی دلیل ہو جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ میر انیس کی سیرت میں وہ تمام باتیں جمع تھیں جنھوں نے اُن کو ایک کامیاب رزمی شاعر بنا دیا۔ جب تک کسی شاعر کے دل میں ولولہ اور جوش نہ ہو۔ وہ فاقے کرنے کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بہتر نہ سمجھتا ہو۔ ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح نہ دیتا ہو اُس وقت

تک وہ رزم گوئی میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔

میر انیس اپنی وضع اور اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ ورزش کا شوق تھا شہسواری، شمشیر زنی، بنوٹ وغیرہ میں نہایت مشاق تھے۔ ان کا قد میانہ مائل بدرازی تھا۔ ورزش کی وجہ سے جسم ٹھوس اور اعضا چست و متناسب تھے۔ چھریرا بدن۔ چوڑا سینہ صراحی دار گردن۔ خوبصورت کتابی چہرہ۔ بڑی بڑی آنکھیں اور گیہواں رنگ تھا۔ مونچھیں ذرا بڑی رکھتے تھے اور داڑھی اتنی باریک کترواتے تھے کہ دور سے منڈی ہوئی سی معلوم ہوتی تھی۔

میر صاحب نہایت وضع دار آدمی تھے۔ جناب کی شکل کی چوگوشیا ٹوپی۔ نیچا گھیر دار کرتہ۔ ڈھیلی مہری کا سفید پائجامہ گھیتلا جوتا بالعموم پہنتے تھے۔ اُن کے زمانے کے معزز اور تعلیم یافتہ شرفا کا یہی لباس تھا۔ ہاتھ میں چھڑی اور رومال بھی ضرور ہوتا تھا۔ وہ اپنی وضع کے اس قدر پابند تھے کہ بڑے سے بڑے نفع کے عوض میں بھی اسکو تبدیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب میر انیس حیدرآباد گئے اور انکی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کی شہرت ہوئی تو وہاں کے بہت بڑے رئیس سر آسمان جاہ بہادر نے بھی ان کو اپنے یہاں ایک مجلس میں پڑھوا کر سننا چاہا مگر شرط یہ لگا دی کہ وہ اپنی معمولی ٹوپی کی جگہ حیدرآباد کی منصب داری پگڑی سر پر رکھ کر مرثیہ پڑھیں۔ اس ایک مجلس کے پڑھنے کے لئے پانچ ہزار یا بقول بعض دس ہزار روپیہ دینا تجویز کیا تھا۔ لیکن انیس نے اتنی بڑی رقم کے لئے بھی اپنی وضع میں ذرا سی تبدیلی پسند نہ کی۔

میر انیس نہایت خوش آواز آدمی تھے۔ اور جتنے خوش آواز تھے اس سے کہیں زیادہ خوش بیان تھے۔ ان کا دفتر دفتر کلام انکی خوش بیانی کے لئے شہادت کے بے شمار مخضر پیش کر رہا ہے۔ اور موافق اور مخالف کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میر صاحب کی خوش بیانی کا قائل نہ ہو۔ خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اُتار چڑھاؤ۔ چہرے کا تغیر۔ آنکھوں کی گردش۔ اعضا کی حرکت۔ یہ سب چیزیں موقع و محل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے ذہن نشین ہو جاتا ہے اور بہت کچھ جو

میر انیس کا مدفن

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لئے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے (انیس)

میر انیس کی ایک مجلس

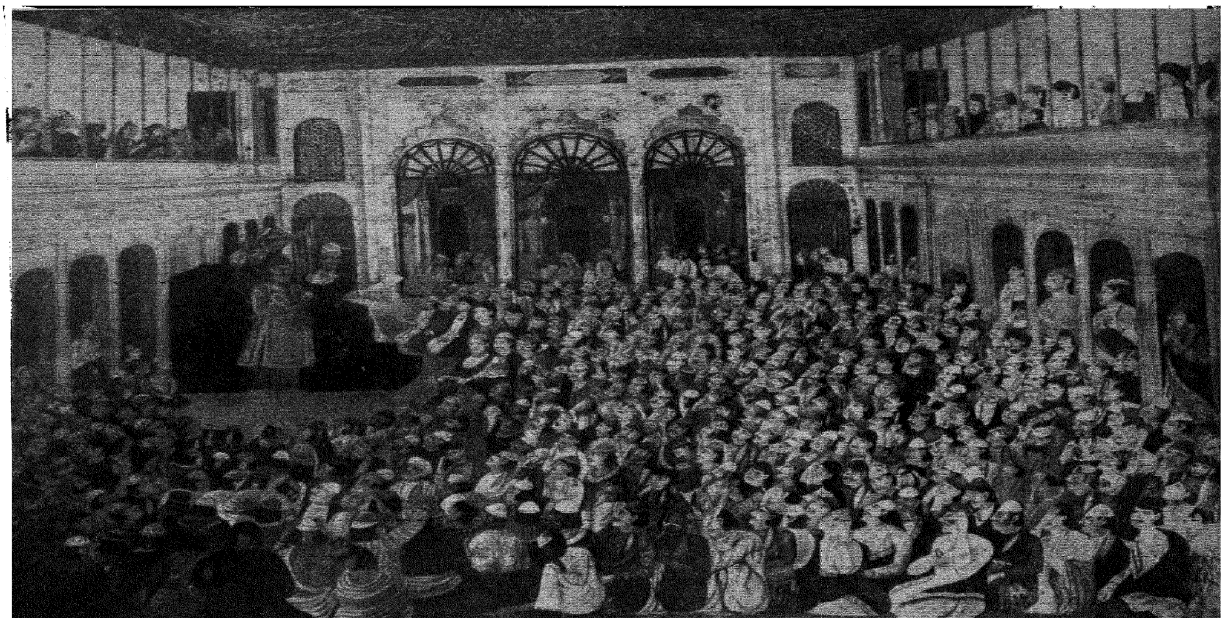

لہجہ سنو زبان فصاحت نواز کا – تار نفس میں سوز ہے مطرب کے ساز کا (انیس)

مرثیے

(۱) مرثیہ

۱

(۱) فارس میدان تہور تھا حُر — ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
نار دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر — گوہر تاج سر عرش ہو وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہ کام بھی کیا نیک ہوا — پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

(۲) واہ رے طالع بیدار زہے عزت و جاہ — حُر پہ کیا فضل خدا ہو گیا اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ شہ عرش پناہ — خضر قسمت نے بتا دی اُسے فردوس کی راہ
مدتوں دُور رہے جو وہ قریب ایسا ہو — بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

(۳) نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر — ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا خورشید منیر
شافع حشر نے خوش ہو کے بجل کی تقصیر — تکیہ زانوئے شبیر ملا وقت اخیر
اوج و اقبال و حشم فوج میں پایا — جب ہوا خاک تو گھر خاک شفا میں پایا

(۴) اللہ اللہ حر صفدر و غازی کا نصیب — جان محبوب الٰہی جسے فرمائے "حبیب"
ہجر میں لطف ملاقات کا دوری میں قریب — وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشق ولی کہتے ہیں — علی
اس کو دنیا میں سعید ازلی کہتے ہیں

آیا کس شان سے کعبہ کی طرف چھوڑ کے دیر (۵) کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر
حق نے لکھدی تھی جو تقدیر مین فردوس کی سیر فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجام بخیر
ذکر خیر اُس کے مرنے پر بھی ہوے جاتے ہین
عمل نیک ہر اک وقت مین کام آتے ہین

کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق (۶) کس بشاشت سے ہوا رہبر ایمان کا رفیق
تھے تو لاکھون پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق خلق طینت مین ہے جنکی وہی ہوتے ہین خلیق
اوج دیندار کو بے دین کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

کیون نہ بالیدہ ہوا سکا چمن جاہ و جلال (۷) جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہو گیا فاطمہ کے باغ مین آتے ہی نہال وہ ثمر پائے کہ پہونچے نہ جہان دست خیال
کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے
صورت برگ خزان دیدہ گنہ دور ہوئے

حر کہان اور کہان احمد مرسل کا خلف (۸) بخت نے دیر سے پہونچا دیا کعبہ کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے مین تو پائے یہ شرف جب کہ آنکھین ہوئین حق بین تو ملا در نجف
اللہ نیک جو امر ہین دل پر وہی ٹھن جاتے ہین
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوے بن جاتے ہین

وصف حر مین ہے زبان معترف عجز و قصور (۹) آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہ مقہور مہر افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

کیا کہون شانِ جوانانِ جنودِ اللہ (۱۰) کوئی ہم طلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیرون نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ چمنِ خلد سے کرنے لگین حورین بھی نگاہ

وان لعینون نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؓ نے یان بہر علم کھول دیا

ہو گئے سرخ شجاعت سے رخِ آلِ نبیؐ (۱۱) آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
ران مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی یکّہ تازون نے کیا شور مبارز طلبی

اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارون کی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے خونخوار بڑھے (۱۲) نیزے ہاتھون مین سنبھالے ہوے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوے چلّون مین کماندار بڑھے بولے شہیان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے

اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین
مین نبیؐ زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوے اعدا سے امامؑ (۱۳) اے سپاہِ عرب و روم و ری و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام پسرِ مصحفِ ناطق ہون سنو میرا کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قزنا کا خروش (۱۴) تھم گیا طبل و غا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش کیا بجاتے، کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرودون کا بھی ناساز ہوا
رعب فرزند علیؑ سرمہ آواز ہوا

کم ہوا غلغلۂ فوج ستم جب اک بار (۱۵) یون گہربار ہوے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہی یہ اے سپہ ناہنجار! قتل سادات کی لشکر مین یہ کیسی ہے پکار
وطن آوارون پہ یہ قرق ہے کیون پانی کا
کیا زمانے مین یہی طور ہے مہمانی کا

مجھ کو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو (۱۶) تیر جو ڑے ہین جو مجھ پر تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادے پہ غربت مین جفا کرتے ہو دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمع ایمان ہون اگر سرمر اکٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائے گا

مین ہون سردار شباب چمن خلد برین (۱۷) مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین
مین ہون انگشتر پنجمین خلائم کا نگین مجھ سے روشن ہی فلک مجھ سے منور ہی زمین
ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفل عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

قلزم عزو شرف کا دُر شہوار ہون مین (۱۸) سب جہان زیر نگین ہی وہ جہاندار ہون مین
آج گو مصلحتاً بیکس و نا چار ہون مین ورثۂ احمد مختار کا مختار ہون مین
اللہ (نحمدہ) دولت ایمان اسی دربار مین ہے
سب بزرگون کا تبرک مری سرکار مین ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار (۱۹) یہ زرہ کس کی ہی پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کس کا ہے یہ چار آئینۂ جوہر دار کس کا رہوار ہے یہ آج مین جس پر ہون سوار
کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کس کی ہے

تنگ آئیگا تو رُکنے کا نہین پھر شبیر (۲۰) ایک حملہ مین فنا ہونگے یہ دو لاکھ شریر
چل سکین گے نہ تبر مجھپہ نہ تلوار نہ تیر کاٹ جائیگی گلے سب کے یہ بُراں شمشیر
شیر ہون لخت دلِ غالب ہر غالب ہون
مین جگر بند علیؑ ابن ابی طالب ہون

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ اُمّت کا خیال (۲۱) روک لیتا مجھے رستے مین یہ تھی حُر کی مجال
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال پوچھ لو دیکھا ہے اُس نے میرے شیرون کا جلال
گفتگو مین سپر اُس کی جو نہ ہم ہو جائے
ہاتھ اک وار مین پہونچون سے قلم ہو جائے

غیظ سے ہونٹھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار (۲۲) نیمچے تولتے تھے عون و محمد ہر بار
اُگلی پڑتی تھی جگر بند حسنؑ کی تلوار مین نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرّار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حر خلق مین ہوتا نہ رسالا ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عبّاس مرا شیر جوان (۲۳) سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سنان
مین یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ اے بھائی جان! رحم لازم ہے ہمین ہم ہین امامِ دو جہان
کچھ تردد نہین سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہین اہلِ سخا کے شایان (۲۴) کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیان
پوچھ لو حُر تو ہے موجود عیان راچہ بیان اُسی جنگل مین مع فوج تھا یہ تشنہ دہان
شور تھا آج چلین جسم سے جانین سب کی
مُنھ کے باہر نکل آئی تھین زبانین سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر (۲۵) مجھ سے دیکھا نہ گیا مین تو سخی کا ہون پسر
مین نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر مشکون والے ہین کہان اونٹ ہین پانی کے کدھر

کرمِ ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسون کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب (۲۶) چھاگلین جلد منگاؤ مرا دل ہے بیتاب
سقے مشکیزون کے مُنھ کھول کے آپہونچے شتاب متوجہ ہوا مین خود کہ وہ تھا کارِ ثواب

چین آیا نہ مجھے بے اُنھین آرام دیئے
تھا جو اک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیئے

تھی یہی فصل یہی دُھوپ یہی گرم ہَوا (۲۷) ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا سقے بھر بھر کے کٹورون کو یہ دیتے تھے صدا

بھائیو آؤ جو پانی کی طلبگاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاری ہے

آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل مین رواں (۲۸) فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہان
شکر کرنے لگی تر ہو کے ہر اک خشک زبان پانی پی پی کے دعائین مجھے دیتے تھے جوان

شور تھا ابنِ یداللہ نے جان بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جان بخشی کی

ایک دن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ (۲۹) کہ اُسی طرح ہمین پیاس مین پانی کی ہے چاہ
چشمِ امید ہو کیا سب نے پھرائی ہے نگاہ کوئی اک جام بھی بھر کر ہمین دیتا نہین آہ

ہر مسلمان پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہین تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

مرثیہ

کئی معصوم ہین کم سن کہ ملے جاتے ہین (۳۰) دم اکھڑتا ہے مراجب اُنھین غش آتے ہین
پانی پانی جو وہ کہتے ہین تو شرماتے ہین پاس دریا ہو پہ اک بوند نہین پاتے ہین
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہو
تیسرا دن ہے کہ فاقون مین بسر ہوتی ہو "

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ (۳۱) عمر سعد نے کی مڑکے رخ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہین شاہ محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخن حق مین جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک مین کیا ہون زمانے پہ ہے احسان اُنکا (۳۲) ابر رحمت ہین خطا پوش ہے دامان اُنکا
خشک و تر پر ہے کرم خلق مین یکسان اُنکا اے خوشا حال جو غربت مین ہو مہمان اُنکا
جنّتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
اللہ
جو ادھر ہوگا تو اُسکی طرف ہوئے گا

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہین (۳۳) ہین سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہین
پیٹ سائل کا یہ فاقون مین بھی بھر دیتے ہین یان تو زر دیتے ہین فردوس مین گھر دیتے ہین
آس مجرم کی گنہگار کی اُمید ہین یہ
ذرّہ پرور جنھین کہتے ہین وہ خورشید ہین یہ

یہ ابھی ہاتھ اُٹھا کر جو دعا فرمائین (۳۴) جتنے عالم کے گنہگار ہین بخشے جائین
حق سے جس شے کے طلبگار ہون فوراً پائین جام کوثر ہین فردوس سے حوریں لائین
مثل خورشید ہو روشن وہ شرف انکا ہے
یہ وہ بندے ہین کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عُمرِ سعد شریر (۳۵) "یہ تو ہے صاف طرفداری شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شبیرؑ
سُن چکا ہون مین کہ مضطر ہو کئی راتون سے
الفت شاہ ٹپکتی ہے تری باتون سے
نہ وہ آنکھین نہ وہ چتون نہ وہ تیور نہ مزاج (۳۶) سیدھی باتون مین بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہی محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج جن کو سمجھا ہے غنی دل مین وہ خود ہین محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے
کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال (۳۷) مل گیا سایۂ طوبے کہ جو ایسا ہے نہال
قصر یاقوت مین پہونچا جو ترا رنگ ہے لال کون سے میوۂ شیرین پہ ٹپکتی ہے رال
دفعتاً حق نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بیہوش کیا
مین جہان دیدہ ہون سب مجھکو خبر ہے تیری (۳۸) قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹھ بھی خشک ہین اور چشم بھی تر ہے تیری جسم خالی ہے ادھر جان اُدھر ہے تیری
راہ مین کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے خاکی
تو نے فرزند یداللہ سے سازش کی ہے
خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور (۳۹) لکھین گے عہدۂ اخبار پہ جو ہین مامور
حاکمِ شام ہے جابر وہ ستمگار و غدور گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اُس سے نہین دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہونگے
زن و فرزند گرفتار بلا ہوئین گے

نفع اُس امر مین کیا جسمین ہو مردم کا ضرر (۴۰) آنکھین نکلین گی محبت سے جو دیکھے گا اُدھر
شجرِ قامتِ سرور پر جو ڈالے گا نظر سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر
الفتِ زلف سے بھی پیچ مین تو آئے گا
خال رخ دیکھا تو گھر خالصے لگ جائیگا

بدر پیشانیِ سرور کا جو ہے سر مین خیال (۴۱) تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہو دیگا کمال
سب مین ہو جائے گا انگشت نما شکل ہلال تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل
عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائے گا
منھ پہ کہتا ہون کہ چہرہ ابھی کٹ جائے گا

خوف کس بات کا پیاسون سے یہ تھرانا کیا (۴۲) لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
ننگ کی بات ہو دشمن کی طرف جانا کیا ہو نبی یا کہ وصی جنگ مین شرمانا کیا
ابھی لے جائین جو شبیر کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اس کو سمجھتے ہین کہ زر ہاتھ لگے

حُر پکارا کہ زبان بند کر او ناہموار (۴۳) قابلِ لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
ہے بن زہرا ہے جگر بند رسولِ مختار میرا کیا منھ جو کرون مدح امامِ ابرار
اک زمانہ صفتِ آل عبا کرتا ہے
اللہ آپ قرآن میں ﷺ اُن کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسون کا زبان پر کوئی کیونکر لائے (۴۴) تین سو آئے ہون تعریف مین جن کی آئے
کسی انسان نے یہ دنیا مین ہین رتبے پائے اپنا محبوب و ولی جس کو خدا فرمائے
الفتِ آل مین مرئیے تو خوش اقبالی ہے
سنگ ہو اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے

اسفلون سے ہی محبت تجھے اوسفلہ مزاج (۴۵) خاک پا اُس کی ہون مین ہی جو سرِ عرش کا تاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج میرے آقا سا سخی کون ہے کونین مین آج

کیون ترے سامنے مکرون کہ نہین بخشا ہی
ہان مجھے شاہ نے فردوس برین بخشا ہی

باغ جو مجھکو دکھایا اُسے کیا جانے تو (۴۶) راحتِ روح ہی جس باغ کے ہر پھول کی بو
مجھ کو اللہ نے بخشی ہین وہ حورین خوشرو کہ جنھین تیرے فرشتون نے نہ دیکھا ہو کبھو

نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
اُنھیں چھینٹون سے تو بیہوش کو ہوش آتا ہے

عزّتِ دین شرفِ کون و مکان ہے شبیرؑ (۴۷) جان زہراؑ ہے محمدؐ کی زبان ہے شبیرؑ
سنگ پانی ہو وہ اعجاز بیان ہے شبیرؑ جان کیون ہو نہ اُدھر جان جہان ہے شبیرؑ

مہربان ہون تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
وہ نہ بخشین تو مجھے اتک نہ رسائی ہووے

کیا مین اور کیا وہ ریاست مری کیا میری عیال (۴۸) جب کہ آفت مین پھنسے احمدؐ مختار کی آل
وان کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجھکو خیال یان ہوئی جاتی ہو سادات کی کھیتی پامال

گھر کا اب دھیان نہ بچون کا الم ہے مجھکو
خانہ بربادی شبیرؑ کا غم ہے مجھکو

دولتِ حاکمِ دون پر ہے ترا دار و مدار (۴۹) دار دنیا سے تعلق نہین رکھتے دیندار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار خواب غفلت مین ہے اُسے اور مرے طالع بیدار

کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
دار طوبے کا مرے فرق پہ سایا ہوگا

ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانی شاہ (۵۰) سجدے کیجیے کہ ہے بیت ابرووں کی بیت اللہ
عشق آنکھوں کا ہی مردم کے لئے نوز نگاہ ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ

عاشقِ لب کو نہ لعلِ و گہر دیتا ہے
یہ وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

خال رخسار نہین گوے سعادت ہے یہ (۵۱) مجھ سے مجرم کے لئے مُہر شفاعت ہے یہ
ہون جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ ﷲ الحمد سلسلہ بخشش اُمت ہے یہ

شبِ معراج رسولِ دو جہان سمجھا ہون
اُسکے ہر تار کو مین رشتۂ جان سمجھا ہون

وصف دندان مین زبان جسکی رہے گوہر بار (۵۲) موتیون سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
شوق مین سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار حورین غرفون سے دکھائین اسے رنگِ رخسار

دمبدم چاہنے والون کے لہو گھٹتے ہین
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لئے کٹتے ہین

صدقے اُس سینے پہ ہین عاشق صافی سینہ (۵۳) خاک اُس دل پہ جو اُس سینے سے رکھے کینہ
حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ اِس کا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین مینہ

فیض پاتا ہے وہ جس دل مین دلا ہوتی ہے
چشم کو اُس کی زیارت سے جِلا ہوتی ہے

پانون یہ وہ ہین کہ ان پاؤن کو جو ہاتھ لگائے (۵۴) تو سرِ دست سرافرازی کونین وہ پائے
گردِ نعلین مبارک جو اثر اپنا دکھائے تو تیا ہوئے نجل کحل جواہر شرمائے

صدقے کر دینگے سران پاؤن پہ ہم ایسے ہین
دوشِ احمد پہ رہے جو، یہ قدم ایسے ہین

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے او ابلیس (۵۵) یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس
کیا ہے مجھے دیگا ترا حاکم ملعون وحسیس کچھ تردد نہین کہ دے کہ لکھین پرچہ نویس
ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہون

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار (۵۶) سُرخ آنکھین ہوئین ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوج امامِ ابرار پاؤن رکھنے لگا بن بن کے زمین پر رہوار
غل ہوا سیدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسینؑ ابن علیؑ جاتا ہے

حُر نے نعرہ کیا یا حیدرِ صفدر مدد (۵۷) وقت امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد
زوجِ زہرا مدد اے نفسِ پیمبر مدد بندۂ آل ہون یا خواجۂ قنبر مدد
تن تنہا ہے غلام اور بہت اظلم ہین
آئی آواز کہ اے حر ترے حامی ہم ہین

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال ترا (۵۸) پاک عصیان سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جرم ماضی ہوے سب عفو خوشا حال ترا جلد جا جلد کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہوئے
ہان بہادر تری توفیق زیادہ ہوئے

منتظر ہین ترے سب فوجِ حسینی کے جوان (۵۹) درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضوان
راہ تکتی ہین تری دیر سے حورانِ جنان شور کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہمان ہے کہان
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق مین دعا کرتی ہے

تو بہشتی ہے یہ کافر ہین کُنشتی اے حرؑ (۶۰) مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حرؑ
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حرؑ کس تلاطم مین بچی ہے تری کشتی اے حرؑ

غضب اللہ کا شبیر کی ناراضی ہے
پنجتن تجھ سے ہین راضی تو الٰہ راضی ہے

اور بالیدہ ہوا سُن کے یہ مژدہ وہ ہزبر (۶۱) دلِ بیتاب پکارا کہ نہین طاقتِ صبر
اب تو اس فوج مین اک دم کی بھی تعویق ہے جبر قعرِ دوزخ ہے مسلمان کے لئے صحبتِ گبر

ہان اُٹھا باگ جو شیدائے شہ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبیؐ مین تری جا خالی ہے

سُن کے یہ باگ جو لی اسپ سبک تاز اُڑا (۶۲) ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اُڑا
کیا اُڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اُڑا دی پرندون نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا

باغ زہراؑ مین نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیمانؑ مین پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالون نے تعاقب ہر چند (۶۳) حر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
کہتے تھے شرم سے وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند یہ چھلاوا تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند

کیا سبک سوے چمن بادِ بہاری پہونچی
ہم یہین رہ گئے وان حُر کی سواری پہونچی

یان ہوے علم امامت سے شہ دین آگاہ (۶۴) ہنس کے عباسؑ سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
مرے لشکر کی طرف ہے رخِ حرِ ذی جاہ سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اُس شخص کی راہ

جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دُور سے آئی اک بار (۶۵) "الغیاث اے جگر و جان رسولِ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیان کا نہیں جسکے شمار عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
ڈگر نجی بھی ترے صدقے میں ہاتھی ہو جائے

کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ (۶۶) مدد اے نوحِ غریبانِ مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ شور کرتا ہوں کہ تبلائے کوئی جائے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

ترے دامن کے نثار اے مرے اچھے جلیل (۶۷) رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درمان تری درگاہ میں ہے

خلق میں آپکے والد کا کرم ہے مشہور (۶۸) بات میں بخش دیے سیکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باک پکڑ لینے پہ آزردہ حضور بخش دیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہوں میں لائقِ تعزیر نہیں
مگر اسود سے زیادہ مری تقصیر نہیں

اے مددگار و معینِ الضعفا اَدرِکنی (۶۹) اے خبر گیرِ گروہِ غربا اَدرِکنی
پانوں لغزش میں ہیں اے دستِ خدا اَدرِکنی ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا اَدرِکنی
دیجیے جر کو سندِ نار سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجیے فریادی کی

میرے اعمال مین ہرچند سراسر ہے بدی (۷۰) ہون گنہگار خدا کا ازلی و ابدی
آپ ہین مالکِ سرکار جنابِ احدی اے خداوند جہان خذ بیدی خذ بیدی

جو تہی دست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے مین ہے اللہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور درپئے جان لاکھ حریف (۷۱) اے سلیمان کہین پامال نہو مور ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہان جائے نحیف کیجیے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہون خفیف

ہون سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلامون مین رقم ہو جائے ''

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم (۷۲) آگیا جوش مین اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھون کو پھیلا کے شہنشاہِ امم حر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہین

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہین پیدل شبیرؑ (۷۳) دوڑ کر چوم لیے پائے شہ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر ! مین نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

مین رضامند ہون کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیون باندھا ہے ہاتھون کو مرے بہر ہون خجل (۷۴) سہل کر دین اُسے گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ مجھ سے بغلگیر تو ہو کھول کے دل غافر و راحم و توّاب ہے ربِّ عادل

جرم سب محو کئے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

حرکپارا بابی انت و امی یا شاہ (۷۵) قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ سب ہے صدقہ انھین قدمون کا ملا ہے آگاہ
نہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہو جائے

کون مقداد تھے سلمان و ابا ذر تھے کون (۷۶) آپ فرمائین کہ عمار دلاور تھے کون
شور عالم مین جو ہے مالکِ اشتر تھے کون اے خداوندِ جہان حضرتِ قنبر تھے کون
انھین قدمون کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوے

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب (۷۷) دے کسی شخص کو بندے مین یہ مقدور ہے کب
اس مسبب کی عنایت کے یہ سارے ہین سبب وہی منعم وہی محسن وہی رازق وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام اور نہ درم دیتے ہین
جب وہ خالق ہمین دیتا ہے تو ہم دیتے ہین

لاکھ ہاتھ اسکے ہین دینے کے وہ ایسا ہی جواد (۷۸) ہم اسے بھولین تو بھولین وہ ہمین رکھتا ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد شکر کرتے نہین معبود کا اس پر بھی عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اس کا
کبھی خالی نہین ہوتا ہے خزانہ اس کا

جس قدر اس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ (۷۹) صاحبِ جود ہے وہاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہین معبود ہے وہ
پرورش جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یان سے ہوتی ہے خطا وان سے عطا ہوتی ہے

کہہ کے یہ ساتھ لیے حر کو چلے شاہِ اُمم (۸۰) ہاتھ مین ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راس و چپ قاسم و اکبر تھے زہے شان و حشم سر پہ کھولے ہوے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دُور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سایہ مین ڈھالون کے لئے آتے تھے

لائے اِس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امام (۸۱) بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دَم آرام عرض کی حُر نے کمر خلد مین کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اُس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شرم و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ (۸۲) ایک ہی وار مین دونون کو کرونگا چور نگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہین خدنگ شاہزادون کی سپر ہون کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہین ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری (۸۳) مجھ کو مر کر بھی نہ بھولیگی محبت تیری
داد درکار ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری خیر فردوس مین ہو جائیگی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا مین ہو گا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا مین ہو گا

تجھ سے مخفی نہین مفتم سے جو کچھ ہے مرا حال (۸۴) راہین ہر سمت کی رُوکے ہوے ہین اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت مین گندم کا ہے کال نان جَو کا بھی ہے ملنا کسی قریہ مین محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

حُر نے رو کر سر تسلیم جھکایا بہ اَدَب (۸۵) | شہ نے رومال رکھا آنکھون پہ رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب | شاہ بولے کہ عجب دست چھٹا ہائے غضب
دمبدم یا الٰہی سے جو آواز لگا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

حُر چلا فوج مخالف پہ اُڑا کر توسن (۸۶) چوکڑی بھول گئے جسکے تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون | ہاتھ مین تیغ کمان دوش پہ برمین جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ نکلے جاتے تھے

زور بازو کا نمایان تھا بھرے شانون سے (۸۷) دست فولاد دبا جاتا تھا دستانون سے
برچھیون اُڑتا تھا دب دب کے فرس انون سے | آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانون سے
خود رومی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید مین بجلی سی چمک جاتی تھی

نیزہ حر کی سنان پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ (۸۸) تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زبان مار سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز پناہ | آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر اندازون کو جانون کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش مین نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

مطلع دوم

رن مین جب شہ کی طرف سے حُر دیندار آیا (۸۹) کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا سیّدِ مظلوم کا غمخوار آیا | جان نثارِ خلفِ حیدرِ کرار آیا
ہر طرف تیغ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور (۹۰) پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوشا رتبۂ فیض قدمِ پاک حضور غل تھا آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور

صحبتِ اہل ولا دل کو جلا کرتی ہے
مِس کو اک آن میں اکسیر طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں (۹۱) ذرۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا نہ بنی آدم میں یہ وہی حُر جری ہے جو ابھی تھا ہم میں

تن ہے خوشبو رخِ گلرنگ تر و تازہ ہے
خاک نعلین مبارک کی عجب غازہ ہے

مہر ذرہ ہے جہاں چہرۂ روشن ایسا (۹۲) چاند بھی جس سے کرے کسب ضیا تن ایسا
حرز ہو بازوے داؤد کا جوشن ایسا ہوش پریون کے اُڑے جاتے ہیں تو سن ایسا

گلشنِ دہر میں لو باد بہاری آئی
قاف میں غل ہے سلیمانؑ کی سواری آئی

حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو بے شک لاریب (۹۳) دامنِ حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دین سے نہ دامن مرا خالی ہو نہ جیب بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب

فیض پا کر پے شمشیر زنی آیا ہوں
اللہ یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

مجھ کو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے (۹۴) نور بخشا قمرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلام نو نے گنج وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خسرو نے

دَور دَور آج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

رخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے (۹۵) مَل کے آیا ہون مُنھ اپنا قدم حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھین نظرِ رغبت سے وائے وہ لوگ جو محروم ہین اس دولت سے
مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہین ہوتے ہو ہین
بے خبر ہے غضب آنکھین تو کھولے ہو مگر سوتے ہو ہین

جانِ سلطان رسالت کو غنیمت جانو (۹۶) پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
قمرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اُٹھ جائیگی
پھر جو ڈھونڈھوگے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئیگی

ایک سیّد کے مٹانے مین ہو کون سا نام (۹۷) اِس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک یہ کام خوشنما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جسمین امام
شکر احسان جنابِ احدی کرتے ہین
پیشوا سے کہین پیرو بھی بدی کرتے ہین

یہ سخن سُن کے پکارا پسرِ سعد شریر (۹۸) ہان طرفدار شہ دین پہ چلین نیزہ و تیر
لیے حربون کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر فاتحہ پڑھ کے جوان مردنے کھینچی شمشیر
حُر کا مُنھ سُرخ ہوا فوج ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے (۹۹) استخوان کانپ گئے زیرِ زمین رستم کے
تہ و بالا ہوئین لشکر کی صفین جم جم کے برق شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چم کے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقین گر گئین ہاتھون سے نشان چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ فرس کو جو ذرا گرمایا (۱۰۰) غیظ مین آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
شیر سا فوج مخالف پہ جھپٹ کر آیا رونڈ ڈالا اُسے دم مین جسے سرکش پایا
اُس کا قاتل تھا جو دشمن شہ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل مین شمشیر ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغ حُر ذی جاہ چلی (۱۰۱) آگ برسانے کو بجلی سوے جنگاہ چلی
کس کر شمے سے وہ لیلیٰ ظفر راہ چلی گہہ تھمی گاہ بڑھی گاہ رُکی گاہ چلی
زخم سینون کے گریبان کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزارون کے گلے کٹتے تھے

کین صفین صاف مگر مُنہ کی صفائی نہ گئی (۱۰۲) کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ دکھائی نہ گئی سیکڑون خون کیے اور کہین آئی نہ گئی
شور تھا برق پے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے (۱۰۳) پل نہ گذرے کہ صفین زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہر چند کہ پتلی کو سپر کرتی ہے ہر وہ طرار کہ آنکھون مین یہ گھر کرتی ہے
اُس کے افسون سے جو ساحر ہو تو جل جاتا ہے
سحر یون کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھونکے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پرکالا (۱۰۴) کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیان چل گئین اُس پر جسے دیکھا بھالا آگیا دام مین جس شخص پہ ڈورا ڈالا
اُس کے پانی مین کفِ مار سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے مُنہ کھولا ہے

آئی جس غول پہ لاشون سے زمین پاٹ گئی (۱۰۵) دست و پا صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفین چاٹ گئی دیکھی تیغون کی جدھر باڑھ اسی گھاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی نہ بیجان لئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

گل نے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اسکا (۱۰۶) زور دکھلاتا تھا ہر ضرب مین کس بل اسکا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اسکا جو بڑھا جنگ کو قصہ ہوا فیصل اسکا

شور تھا دیکھیے کیونکر یہ بلا ٹلتی ہے
اِس قدر جلد تو سیفی بھی نہین چلتی ہے

جنگ مین تیغ کو دعوی تھا کہ کیتا مین ہون (۱۰۷) سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ غنقا مین ہون
چرخ کہتا تھا کہ یا رب تہ و بالا مین ہون برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ یا مین ہون

کس مین ہے یہ جو تڑپ زیر فلک میری ہے،
تیغ کرتی تھی اشارا یہ چمک میری ہے،

نہ تھی سنگ سے وہ اور نہ رکی آہن سے (۱۰۸) ہاتھ اُڑا لے گئی پہونچون سے تو سر گردن سے
نہ اُٹھی اُسکی کڑی ضرب کسی جوشن سے چل گئی باد مخالف جدھر آئی سن سے

جوش طوفان کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خون کے دریا مین ہر اک کشتی تن ڈوب گئی

کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال مین تھی (۱۰۹) پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال مین تھی
تھی چمک جانے مین بجلی تو پری چال مین تھی کبھی مغفر مین کبھی سر مین کبھی ڈھال مین تھی

کہین دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لیئے
تھی جگر کے لئے برچھی تو چھری دل کے لیئے

صید کرنے کو جسے صورتِ شہباز آئی (۱۱۰) لاکھ تڑپا پہ نہ بے جان لئے باز آئی
غل ہوا شہپرِ شاہین کے تلے قاز آئی اُڑ گیا طائرِ جان اور نہ آواز آئی

گرچہ قبضے مین لئے تھی اُسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صید زبون کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتشِ سوزان کا اثر دکھلایا (۱۱۱) تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر دکھلایا

تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہون مین
قول قبضہ کا یہ تھا قابضِ ارواح ہون مین

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہ عید (۱۱۲) خُم کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید جامۂ کفر کے پرزے تھے زرہ قطع و برید

نہ بچا تارِ نفس خلق مین جینے کے لئے
چاکِ زخمون کے فقط رہ گئے سینے کے لئے

کٹی حملے کئے سہیم جو کمانداروں پر (۱۱۳) چل گئے تیرِ ملامت کے خطا کاروں پر
چٹکیان سب کی دھری رہ گئین سوفاروں پر رخ پھرا تھا کہ گری برقِ ستمگاروں پر

جل کے خرمن ہوا یون خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش مین کہین چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

نیزۂ فوجِ ستمگار تھے دیکھے بھالے (۱۱۴) دم مین اُس شیرِ نیستان نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے

جب سوارون کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھل جاتے تھے

الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب مین دال (۱۱۵) تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کہین برچھی کی انی تھی تو کہین تیر کی پھال کہین تلوار کہین خنجر براں کہین ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دمبدم فوج ستمگر بھی ثنا کرتی تھی

شور تھا آگ ہے تلوار مین یا پانی ہے (۱۱۶) جل بجھے کشتی تن خون مین طوفانی ہے
ضرب مین فر دہے یہ زور مین لاثانی ہے کہتا تھا حر یہ فقط قوت ایمانی ہے
زور تھا مجھ مین نہ ایسا نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبط پیمبر کی دعا کی طاقت

کہہ کے یہ فوج مین پھر تشنہ جگر ڈوب گیا (۱۱۷) ورطۂ قلزم آفت مین گہر ڈوب گیا
لشکر شام کے بادل مین قمر ڈوب گیا کشمکش تھی کہ عرق مین گل تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا پھرا ہوا شمشیرون مین
کبھی نیزون کے نیستان مین کبھی تیرون مین

گہ چھپا اور کبھی نکلا وہ مہ برج شرف (۱۱۸) کبھی اس صف مین در آیا کبھی وہ صف
کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف کبھی نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہ نجف
جتنے مجروح تھے دم ان کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نام علی سن کے دہل جاتے تھے

نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل (۱۱۹) سر کی جا تھی زمین ان کی غضب تھی ہلچل
کوند جاتی تھی سرون پر جو وہ شمشیر اجل منھ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بھل
حشر برپا تھا سوارون پہ فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس لوٹتے تھے

(۳) بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ زہے ہمت وجاہ (۱۲۰) بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ واہ حُرِ غازی واہ شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاءاللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مُسکراتا ہوا تسلیم کو جُھک جاتا تھا

(۴) حیف جھکنے مین لعینون نے جو فرصت پائی (۱۲۱) سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خونریز اُدھر اور ادھر تنہائی باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجے مین نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

(۵) سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے (۱۲۲) رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلّا کے گر ہو ارشاد تو مہمان کو سنبھالون جا کے
خانہ زین سے عدم کا سفری گرتا ہے
خاک پر گھوڑے سے اب حُرِ جری گرتا ہے

(۶) شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہمان کی خبر (۱۲۳) ہوگئی آنسوؤن سے ریش مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر حُر کی امداد کو ہم جائین گے اے نور نظر
کس سے اِس وقت کہون مین جو قلق مجھ پر ہے
لاش مہمان کی اُٹھاؤنگا کہ حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا ہے غلام (۱۲۴) جوش رقت مین کہا شہ نے نہین اے گلفام
میری الفت مین ہوا قتل حُرِ نیک انجام دوست کیسے جو بُرے وقت مین ہم آئین نہ کام
اُس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آئینگے
لاش کیا قبر مین مہمان کی ہم جائین گے

اُسکے لاشے پہ نہ جائین یہ مروّت سے ہے دُور (۱۲۵) اُس سے ہم شاد ہوے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
قصرِ خلد اُس کو دکھائین کہ ہوے عفو قصور سرخرو جاتا ہے دُنیا سے وہ خالق کے حضور

ایسا ذی رتبہ کوئی خلق مین کم نکلے گا
میرے مہمان کا مری گود مین دم نکلے گا

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبیرؑ (۱۲۶) وان گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ باتوقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوے بھاگے بے پیر پہونچے لاشے پہ امامِ دو جہان وقتِ اخیر

چین ہستی مہمان کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیان خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

(۲) ساتھ کو سینہ مجروح مین اڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور (۱۲۷) ہاے اے میرے مددگار و معین و یاور
گر زکیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی مُجھکو خبر

دوست کے ہجر مین کس دوست کو چین آیا ہے
واہ تجھین کی نہ خبر

کھول دے آنکھون کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

واہ اے حُر جری مین تری ہمت کے فدا (۱۲۸) اِس کو کہتے ہین محبت اسے کہتے ہین وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احسان (فدا) بس یہی بھائی بھی کرتے ہین جو کچھ تو نے کیا

حق تعالیٰ تجھے جنت مین گھر دے بھائی
اِس ریاضت کا (فدا) تجھ کو ثمر دے بھائی

حُر کو چونکا کے حبیب ابن مظاہر نے کہا (۱۲۹) آپ بیتاب ہین اے حر جری ہوش مین آ
دیکھ دیدار جگر بند جنابِ زہراؑ کوچ درپیش ہے یہ وقت نہین غفلت کا

دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کرلے
نزع مین نورِ الٰہی کی زیارت کرلے

مولد

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیر غلام (۱۳۰) دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہین امام
بھائی فرماتے ہین شفقت سے شہ عرش مقام اے خوشا حال (خدا) کب کا کرے نیک انجام

حشر تک خلق مین یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلامون سے بھی کچھ تیز رہا

دیدۂ پُرنم و چشم سے تر نے رخ مولا دیکھا (۱۳۱) زیر سر زانوے شبیر کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرف عالم بالا دیکھا شہ نے فرمایا کہ اے مُحرجری کیا دیکھا

عرش کی حُسن رُخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

باغ فردوس دکھاتا ہے تجھے اپنی بہار (۱۳۲) صاف نہرین ہین روان جھوم رہے ہین اشجار
شاخون سے میری طرف بڑھتے ہین میوے ہر بار حورین لاتی ہین جواہر کے طبق بہر نثار

ہے یہ رضوان کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے
ملائک دیکھ اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہین فرشتے یا شاہ! (۱۳۳) ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیر (خدا) نکلے ہین اللہ اللہ لو برآمد ہوے شبیر بھی پدر کے ہمراہ

ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے نانا کی سواری آئی

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین! (۱۳۴) پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین! لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین

بات بھی اب تو زبان سے نہین کی جاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیرؑ کی لی انگڑائی (۱۳۵) آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی چل بسے خُرجری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پُتلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

لاش اُٹھا کر شہ دین خیمہ کے در پر آئے (۱۳۶) پانوٗن مہمان کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے
غل ہوا خیمۂ اقدس مین کہ سرور آئے پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے

دخترِ فاطمہؑ ساماں عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے اُدھر آکے بکا کرنے لگی

شاہ چلائے کہ اے زینبؑ و اُمِ کلثومؑ (۱۳۷) مین بھی مظلوم ہون مہمان بھی مرا ہے مظلوم
مان ہے یان اسکی نہ خواہر یہ تمھین ہے معلوم کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم

اجر ہوگا تمھین اشکون سے جو مُنھ دھوؤ گی
اُس کو یون رووٗ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

کہہ دو اکبرؑ سے کہ ماتم کے لئے کھول دے سر (۱۳۸) رونے نادان سکینہؑ اسے عمو کہہ کر
جان گزا بین کرے بانوے تفتیدہ جگر ہم اِدھر لاش پہ ماتم کرین تم رووٗ اُدھر

غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے
سُن لو اماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

میری جانب سے کہو لاش پہ آمین سجادؑ (۱۳۹) بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد
یہ وصیت مری شیعون پہ ہو رکھین اسے یاد ذکرِ حرؑ سُن کے کرین آہ و فغان و فریاد

جس عزا خانے مین وہ تعزیہ میرا رکھین
اُس کا ماتم بھی اُسی بزم مین برپا رکھین

دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہین (۱۴۰) حق محبت کا وفادار ادا کرتے ہین
فاتحہ دیتے ہین ساماں عزا کرتے ہین غیر مرجاتا ہے گھر مین تو بکا کرتے ہین
تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ خدا ہوتی ہے
(دوسرے اکبر نے کہا) فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

سُن کے یہ شور ہوا حُر دلاور ہے ہے (۱۴۱) اے مدد گار جگر بند پیمبر ہے ہے
خون مین سب تر ہے ترا روے منور ہے ہے (۱۴۲) تشنہ رو بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے
ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی!
گھر مین سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

بس انیس اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِّ عباد! (۱۴۳) لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہ والا کے رہین خلق مین شاد اُن کے سائے مین برومند ہوں اُن کی اولاد
عشرۂ ماہ عزا نالہ کشی مین گزرے
سال بھر شہ کے غلامون کو خوشی مین گزرے

مرثیہ

۲

جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں مہ لقا کی فوج (۱) کمریں وغا پہ باندھے ہے شمشیر کشا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے سب پیشوا کی فوج جنت کا رخ کئے ہے شہ کربلا کی فوج

ڈیوڑھی پہ جن و انس و ملک کا ہجوم ہے
خیمے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے

حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار (۲) اک سوٹھل رہے ہیں رفیقانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار

شوقِ زیارتِ علمِ فوجِ شاہ ہے
اک اک کی جانب درِ دولت نگاہ ہے

رُخ ہے کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ (۳) کوئی سنوارتا ہے بدن پر سلاح جنگ
جھک جھک کے چست کرتا ہے کوئی فرس کا تنگ چلّے سے جوڑتا ہے کوئی فاقہ کش خدنگ

بھالا سنبھالتا ہے کوئی جھوم جھوم کے
تنتا ہے کوئی تیغ کے قبضے کو چوم کے

ملتا ہے ہنس کے ایک جواں ایک کے گلے (۴) ساری یہی خوشی ہے کہ بس اب خلد میں چلے
چہرے وہ سرخ سرخ وہ جرات کے ولولے حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے

مر کر بھی دل میں الفتِ حیدر کی بو رہے
پانی ہمیں ملے نہ ملے آبرو رہے

حاضر ہے ذوالجناح شہنشاہ بحر و بر — کلغی ہے یا کہ خوشۂ پروین قریب سر
(۵)
خادم چنور لیے ہیں مگس راں ادھر اُدھر — پیچھے ہیں با دپائے عزیزان نامور
گھوڑے سمند سرورِ ذی شاں کے ساتھ ہیں
پریوں کے غول تخت سلیماں کے ساتھ ہیں

ڈیوڑھی پہ خادماتِ محل کی یہ ہے پکار — آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
(۶)
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار — نذریں خوشی کے دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

یہ سُن کے شاد ہو گئی فوجِ حسینؑ سب — آئے رفیق سب درِ دولت پہ باادب
(۷)
بولے حبیب ابن مظاہر کہ شکر رب — ہاں سرفروشو جنگ و جدل کا مزا ہے اب
سر دے کے لے بہشت کی جسکو تلاش ہو
دیکھیں علم کے سائے میں کس کس کی لاش ہو

کون اور کائنات میں ہے دوسرا جواں — قابل اسی کے دوش مبارک کے تھا نشاں
(۸)
بازوے شاہ دیں جسدِ مرتضےٰ کی جاں — پیروں کا سرپرست جوانوں کا قدرداں
باتیں پیمبروں کی ہیں اکے دلی میں تھیں
سب اس میں جمع ہیں صفتیں جو علیؑ میں تھیں

الفت وہی حیا وہی مہر و وفا وہی — طاعت وہی وقار وہی اتقا وہی
(۹)
بخشش وہی کرم وہی جود و سخا وہی — جرات وہی جدال وہی دبدبا وہی
گیتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے
خود تھا علیؑ کا قول کہ عباسؑ شیر ہے

(۵) غازی در حضور آئے بصد طرب

بے مثل سب ہیں قبلۂ عالم کے رشتہ دار　　لیکن بھائی نے اس کو دیا ہے عجب وقار
(۱۰)
جیسے نبیؐ کی فوج میں تھے شیرِ کردگار　　ویسا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جاں نثار
سب فوج سے بڑھا ہوا رتبہ اسی کا تھا
شیرِ خدا کے بعد یہ حصّہ اسی کا تھا

باہر تو اشتیاق علم میں ہے سب سپاہ　　خیمے میں باندھتے ہیں کمر شاہ دیں پناہ
(۱۱)
سب خویش و اقربا ہیں مسلح قریبِ شاہ　　ہیں سامنے علم لئے عباسِ عرش جاہ
رتبے کو اوجِ نخلِ ترقی مراد پر
گویا علیؑ کھڑے ہیں مہیّا جہاد پر

شیرِ خدا کا خود مبارک ہے زیبِ سر　　کلغی ہمائے اوجِ سعادت کے جس میں پر
(۱۲)
ماتھا ہے یا کہ ابر سے نکلا ہوا قمر　　ابرو ہیں ذوالفقار یداللہ نامور
ڈورے جو سُرخ سُرخ ہیں چشمِ سیاہ میں
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسولؐ　　رخسار تھے کھلے ہوئے دوارغواں کے پھول
(۱۳)
قدسرو باغِ حسن نہ پستی فزوں نہ طول　　وہ لب کہ جس سے روح کو ہوتی ہے تازگی حصول
یہ شور تھا نمک کا جہاں کے رواق میں
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

دیتے تھے تہنیت جو عزیزانِ جگر　　عباسؑ مسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر
(۱۴)
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر　　رخ کی ضیا اِدھر تھی علم کی چمک اُدھر
وہ آسماں حشم ہے یہ کیواں جناب ہیں
غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار　　منصب مبارک لے شہ مرداں کے یادگار
(۱۵)
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباس ذی وقار　　مجھ کو سمجھیے عون و محمد کا جاں نثار

ان کی طرف سے مہتمم بندوبست ہوں
مالک یہ شاہزادے ہیں میں پیشدست ہوں

فرماتی تھیں یہ دختر خاتون کائنات　　دونوں کے تم بزرگ ہو یہ کون سی ہے بات
(۱۶)
اُس وقت ہے خوشی جو اس آفت سے ہو نجات　　سمجھوں کہ بیکسوں کو دوبارہ ملی حیات

گھیرا ہے بے گناہ شہ مشرقین کو
تم سب شریک ہو کے بچا لو حسین کو

سب خوش تھے خیمۂ شہ ذی جاہ میں مگر　　چیں بر جبیں تھے زینب ناشاد کے پسر
(۱۷)
نہ جانب علم تھی نہ ماں کی طرف نظر　　آنکھوں میں ڈبڈبائے تھے آنسو جھکے تھے سر

اِس طرح تھا عرق رخ پُرآب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

پھر کر اُدھر سے ماں نے جو بیٹوں پہ کی نظر　　سمجھیں علم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
(۱۸)
ہٹ کر کیا اشارا کہ آؤ ذرا اِدھر　　آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر

بولیں کہ اب نہ ہوش نہ مجھ میں حواس ہیں
قربان جاؤں کیا ہے جو چہرے اُداس ہیں

ہتھیار سج چکے ہیں شہنشاہ حق شناس　　تم نے نہ زیب جسم کیا فاخرہ لباس
(۱۹)
مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں ہراس　　دولھا سے بن کے جاؤ امام امم کے پاس

کچھ ملگجے ہین آؤ میں کپڑے اُتار دوں
سرمہ لگا دوں گیسوئے مشکیں سنوار دوں

شب سے تو صبح تک یہ دعا تھی ہر ایک پل — تینوں میں پہلے ہم کو کرے سرخرو اجل
(۲۰)
اب کیا ہوا یہ کون سا غصے کا ہے محل — آنکھوں میں اشک رخ پہ عرق ابروؤں پہ بل

وہ خوش مزاجیاں نہ وہ باتوں کے طور ہیں
اس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں

ماں پر یہ آفتیں ہیں یہ ماموں پہ ظلم و جور — پیارو ہمارے حال پہ لازم ہے تم کو غور
(۲۱)
نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور — اب مشورے ہیں اور تصور ہیں اور اور

وہ دل نہیں وہ آنکھ نہیں وہ نظر نہیں
اوروں کا ذکر کیا تمہیں میری خبر نہیں

اِس کا نہیں خیال کہ کیونکر جیے گی ماں — ہوتا ہے آفتوں میں محبّت کا امتحاں
(۲۲)
تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جاں — مجھ سے سوا ہے کون تمہارا مزاج داں

جس پر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
غصّے کی آنکھ کا ہے کو پہچانتی ہوں میں

پردا ہے تو سنا دُو الگ چل کے دل کا حال — دونوں نے عرض کی کہ نہیں کچھ نہیں ملال
(۲۳)
ہاں آج ہم کو بھول گئے شاہ خوش خصال — اوروں کی پرورش ہے ہمارا نہیں خیال

کیا ورثہ دار جعفر طیار ہم نہ تھے
اس عہدۂ جلیل کے حقدار ہم نہ تھے

انگشت رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہا — اب اُس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا
(۲۴)
دیکھو سنیں نہ زوجۂ عباس باوفا — اچھا یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلے کی جا

غبطہ نہ اُس میں چاہیے جو امر خیر ہو
واری وہ کون غیر ہے تم کون غیر ہو

اک دوپہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال — تا عصر تم نہ ہوگے نہ عباس خوش خصال
(۲۵)
اِس دن کی دے گئے ہیں خبر شیرِ ذوالجلال — مجھ کو نہیں یقیں کہ بچے فاطمہ کا لال

پیدا ہوئی ہوں اشک بہانے کے واسطے
رہ جاؤں گی میں قید میں جانے کے واسطے

لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم — اب کچھ کہو گے مُنھ سے تو ہوگا مجھے بھی غم
(۲۶)
سنتے تھے تم جو کہتے تھے عباس ذی حشم — دو جا کے اُن کو تہنیتِ عہدۂ علَم

صدقے گئی خلاف اَدَب کچھ سخن نہ ہو
میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو

کہنے میں ایک نے بھی اگر سُن لیا یہ حال — کہتی ہوں صاف میں مجھے ہوگا بہت ملال
(۲۷)
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال — ہم باوفا غلام ہیں کیا تاب کیا مجال

دیجیے سزا ہمیں جو بل ابرو پہ پھر پڑیں
کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار — دونو ہو تم سعید و رشید و وفا شعار
(۲۸)
دے ایسے لال سب کو زمانے میں کردگار — ذی قدر و ذی شعور و سخن فہم و ذی وقار

لازم خوشی ہے جو جسے عہدہ سپرد ہو
چھوٹوں کے تم بزرگ بزرگوں کے خورد ہو

پہنائے پیار سے اُنھیں پھر فاخرہ لباس — ہتھیار جب لگائے تو روئیں بہ دُرد و یاس
(۲۹)
جب اُن کو لے کے آئیں امامِ اُمم کے پاس — بولے گلے لگا کے اُنھیں شاہ حق شناس

دو چاند ہیں یہ خانۂ شیر آلہ میں
زینب انھیں بھی بھیجو گی کیا قتلگاہ میں

محمد حسین شاہ

نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گلبدن تلوار اگر چلی تو پڑے گا غضب کا رن
(۳۰)
فوجوں سے گونجتا ہے یہ سب کربلا کا بن طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن
لشکر سے تیر کیں مرے جاتے ہی آئیں گے مری جانب جو
میں کس طرح جیوں گا جو یہ زخم کھائیں گے

بنتِ علیؑ نے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کر رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہ بحر و بر
(۳۱)
اک جان ہے بس اور یہ دو پارہ جگر مایہ مرا یہی یہی دولت یہی ہے زر
پالا ہو جس نے اُس کا نہ کچھ حق ادا کروں
اِن کو بچاؤں گر تو کسے پھر فدا کروں

اس کا نہ کیجیے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر دونوں نے بنت شیر خدا کا پیا ہے شیر
(۳۲)
ہمت میں بے عدیل ہیں جرأت میں بے نظیر سینہ سپر کریں گے یہ جس دم چلیں گے تیر
تلواریں چمکیں خون کے دریا چڑھے رہیں
اُمید ہے کہ سب سے یہ آگے بڑھے رہیں

حضرت کے آگے بات کی ان کو نہیں مجال مخفی حضور پر ہے ارادوں کا اِن کے حال
(۳۳)
دادا کا رعب و دبدبہ و شوکت و جلال تیغ و سپر میں ہے شہ مرداں کی چال ڈھال
کیجیے نظر سنوں پہ تو بیشک صغیر ہیں
ہمت میں نوجواں ہیں متانت میں پیر ہیں تو

روتی تھی میں جو آج کی شب کو بہ درد و یاس دونوں دلاسا دینے کو آ بیٹھے میرے پاس
(۳۴)
رو کر کہا کہ آپ کو اتنا ہے کیوں ہراس آسان کچھ ہے قتل شہنشاہ حق شناس
بچے ہیں شیر کے جنھیں بچہ سمجھتی ہیں
کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں

حضرت کے ساتھ فضل خدا سے ہیں وہ دلیر　　تھرا کے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جن کے شیر
تا کوفہ کیا عجب ہے جو ہوں خیموں کے ڈھیر　　(۳۵)　کر دیں گے رستموں کو زبردستیوں سے زیر
کل شیر سب ہیں اور یہ دشتِ مصاف ہے
سُن لیجیے گا آپ کہ میدان صاف ہے

بیکا ہو دشمنوں کا شہ دیں کے بال اگر　　پھر کاٹ ڈالیے گا تنوں سے ہمارے سر
حضرت تک آسکے کوئی کیا تاب کیا جگر　　(۳۶)　آنکھیں نکال لیں جو کرے غیظ سے نظر
پوتے شجاع کے ہیں نواسے دلیر کے
ساعد یہ ہیں علیؑ کے یہ پنجے ہیں شیر کے

لاکھوں میں دس جوان ہیں اس آن بان کے　　حافظ ہیں سب یہ آپ کے بھائی کی جان کے
حملے کریں گے رن میں جو سینوں کو تان کے　　(۳۷)　مل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
سو سو کی جان لے کے ہر ایک جان کھوئے گا
ہم سب کے بعد ہو گا جو قسمت میں ہوئے گا

خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے　　رکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
ہم بھی ہیں بنت فاطمہ کے شیر سے پلے　　(۳۸)　مرتے ہیں شوق میں کہیں تلوار تو چلے
چمکا کے نیچوں کو جو کھیلیں گے جان پر
لاشے زمیں پہ ہوں گے لہو آسمان پر

دونوں نے اِس طرح بفصاحت کیا بیاں　　مجھ کو یقین فتح ہوا یا شہ زماں
گویا دوبارہ آگئی میرے بدن میں جاں　　(۳۹)　خوش ہو کے بولی میں کہ تصدق ہو تم پہ ماں
محسن ہے آج جو مرے بھائی کی بچ کرے
اِس مُنھ کے میں نثار خدا اس کو سچ کرے

ناصحف ناطق

ہر بار دیکھتی ہوں میں ان کی طرف بغور دو تین دن سے اور ہیں کچھ تیوروں کے طور
کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور (۴۰) تب چین ہو مٹے جو یزیدیوں کا دور
سکہ پڑے حسین علیہ السلام کا
خطبہ ہو ممبروں پہ شہ دیں کے نام کا

نو دس برس کے ہیں ابھی دونوں کا کیا ہے سن راتیں یہ غفلتوں کی ہیں یہ کھیلنے کے دن
یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب رُسُن (۴۱) لیکن کنیزان کی طرف سے ہے مطمئن
گھوڑے اُڑا اُڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے
اتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے

پھر دل ہنسیں جو چھوٹے کی باتیں سنیں حضور کہتا ہے نیچے کو بلا کر وہ ذی شعور
نامرد ہے جو آج کرے جنگ میں قصور (۴۲) اس کو نہ قصر خلد ملے پھر نہ وصل حور
بس چند روز رہ چکے دنیائے زشت میں
کل پہلے داخلہ ہے ہمارا بہشت میں

ہر دم اُلٹ کے کرتے کی ننھی سی آستیں کہتا ہے کیا لڑیں گے دلیروں سے اہل کیں
ہیں مرتضےٰ علیؑ کے پسر شیر خشمگیں (۴۳) جانیں ہزار ہوں تو نثار امام دیں
کل نیچے ہیں اور عدو کی سپاہ ہے
روتی ہیں والدہ ہمیں دنیا سیاہ ہے

ہنس ہنس کے مجھ سے کرتے تھے دونوں ابھی یہاں ہم کو حضور نے نہ دیا فوج کا نشاں
میں نے کہا قوی ہوئے کچھ دست ناتواں (۴۴) بولے کہ خیر آئے تو ہنگام امتحاں
اب تو غلام قبلۂ عالم کے ساتھ ہیں
کوفے کا در ہے اور یہ کمزور ہاتھ ہیں

فرمایا شہ نے ان کی شجاعت میں فرق کیا ہیں ورثہ دار شیر الٰہی یہ با وفا
(۴۵)
اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک دلربا زینب تمہارے پاس رہے ایک مہ لقا
تم کس طرح جیو گی جو دونوں سے یاس ہو
گھر لٹتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو

زینبؑ نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آرزو دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے روبرو
(۴۶)
بچ جائے جان آپ کی یا شاہِ نیک خو میں طالبِ ثواب یہ خواہانِ آبرو
بہتر ہے دونوں بیٹوں کی گر سوگوار ہوں
میں بھی جناب فاطمہؑ کی ورثہ دار ہوں

طفلی سے آج تک نہ ہوئے یہ کبھی جدا کھیلے تو ایک گھر میں پلے یہ تو ایک جا
(۴۷)
چرچا ہے سارے کنبے میں دونوں کے پیار کا بیشک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے
وہ کس طرح جیے گا جدا ہو کے بھائی سے

دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں روتے ہیں اس طرح کہ مجھے بھی رلاتے ہیں
(۴۸)
دونوں جب ایک جا ہوں تو کھانے کو کھاتے ہیں مکتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں
بھائی جو زخم نیزہ و شمشیر کھائے گا
انصاف آپ کیجیے یہ مر نہ جائے گا

چھوٹا تنک مزاج ہے یا شاہِ بحر و بر سن لے تو جان دیدے گلا اپنا کاٹ کر
(۴۹)
نو دس برس جہاں میں ہوئے جس طرح بسر باہم یونہی جہاں سے کریں آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ میں چھوٹے کا ہاتھ ہو
میں چاہتی ہوں دونوں کا مرنا بھی ساتھ ہو

باپ اُن کا آج ہوتا جو یا شاہِ نامدار　　کرتا قدم پہ سر کو تصدق بافتخار
ایک اُن کے بدلے آپ کے قدموں پہ ہو نثار (۵۰)　　میرے عوض فدا کرے ایک اپنی جانِ زار
ان پر ہمارا حق ہے تو ہم پر حق آپ کا　　حسینؑ کا
یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باپ کا　　والدینؑ کا

کرتے تھے مجھ سے وقتِ سفر وہ یہ بیاں　　محروم اس شرف سے ہوں میں زنِ ناتواں
بچوں کا ساتھ اور سفرِ خوف الاماں (۵۱)　　مجبور دشمنوں میں چلے ہیں شہِ زماں
وقت آ پڑے تو پاس ہمارا نہ کیجیو
بیٹوں کو تم حسینؑ سے پیارا نہ کیجیو

گردن جھکا کے کہنے لگے شاہِ خاص و عام　　تم کو جہاں میں پھر نہ ملیں گے یہ لالہ فام
مٹتی ہے نسلِ جعفرِ طیار نیک نام (۵۲)　　چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام
لِلّٰہ ان کے باب میں اب کد نہ کیجیے
ہدیہ فقیر کا ہے اسے رد نہ کیجیے

چپ رہ گئے بہن سے بہت خوب کہہ کے شاہ　　قاسم نے کی یہ عرض کہ یا شاہ دیں پناہ
بڑھ آئی ہے اُدھر سے بہت شام کی سپاہ (۵۳)　　فرمایا آپ نے کہ نگہبان ہے آلہ
حملوں سے فوجِ شام کے جی چھوٹ جائینگے
جب ہم بڑھے تو مورچے سب ٹوٹ جائینگے

زینب کے نورِ عین بڑھے جب بصد حشم　　کھولا سروں پہ حضرتِ عباسؑ نے علم
ماں کا اشارہ تھا کہ زہے شفقت و کرم (۵۴)　　ہاتھوں کو جوڑ مجھ کو چوم لو قدم
کچھ حد ہے اِس بزرگی و جاہ و جلال کی
دیکھیں نوازشیں شہِ مرداں کے لال کی

لے کربلائیں بھائی کی بولی وہ سوگوار — اپنے غلام سمجھو انھیں تم یہ ہیں نثار
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گلعذار (۵۵) — ان کی مدد ضرور ہے ہنگام کارزار
صدمے سے جان اب نہیں رہراکی جائی میں
دھڑکا یہ ہے کہ دیکھیے کیا ہو لڑائی میں

سیر اب اُدھر ہیں سب انھیں سولہ پہر کی ہائیں — کیا ہو جو نہر دیکھ کے ہو جائیں بیحواس
پشتی پہ جب ہو شیر تو بیجا ہے پھر ہراس (۵۶) — رہیو نہ دوران سے اگر ہے بہن کا پاس
بچے کہاں یہ اور وہ دل فوج شام کا
بھیا مجھے ہے دھیان بزرگوں کے نام کا

زندوں میں آؤں میں جو یہ قتیل سے مر کے آئیں — کنبے میں سرخرو ہوں اگر خوں میں بھر کے آئیں
اُلٹیں بہادروں کی صفیں نام کر کے آئیں (۵۷) — خیمے میں آئیں اب تو جہاں سے گزر کے آئیں
بھیا قسم ہے مجھ کو جناب امیرؑ کی — مجھے قسم ہے
پانی پیا تو بوند نہ بخشوں کی شیر کی

عباسؑ نے کہا یہ نہ فرمائیے حضور — ایسے یہ شیر ہیں کہ وغا میں کریں قصور
بچے کسی نے دیکھے ہیں اس طرح کے غیور (۵۸) — کوفے کو شام پر جو اُلٹ دیں تو کیا ہے دُور
بچپن میں کافروں سے خدا کے ولی لڑے
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُحد میں علیؑ لڑے

ہے سب عرب میں لیث نبی غالب انکا جد — مثل علیؑ وغا میں کریں گے یہ جدّ و کد
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر ارشد و مد (۵۹) — غل ہوگا گونجتے ہیں ترائی میں دو اسد
یہ پارۂ جگر ہیں علیؑ سے دلیر کے
سب خصلتیں ہیں شیر کی بچوں میں شیر کے — بچے ہیں

کچھ فکر کی جگہ نہ تردد کا ہے مقام — سُن لیجیے گا آج یہ جیسے کریں گے نام
(۶۰)
ان سے کبھی جُدا نہیں رہنے کا یہ غلام — میں عبد سرفروش ہوں اے خواہرِ امام

بندوں کا حفظ خالقِ عالم کے ہاتھ ہے
روتی ہیں آپ کیوں مری جان انکے ساتھ ہے

یہ سُن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار — دیکھا بڑھے ہیں جانبِ در شاہ نامدار
(۶۱)
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ ذی وقار — زینب گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار

جو حال دل ہے کہہ نہیں سکتا زباں سے میں
چھٹتی نہیں تم آج بچھڑتا ہوں ماں سے میں

بھائی بہن کے درد کی باتیں لکھوں اگر — بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
(۶۲)
چھاتی سے سر لگائے ہوئے تھی وہ نوحہ گر — رکھے ہوئے تھے دوش پہ منہ شاہ بحر و بر

غم سے جگر لہو تھا شہ مشرقین کا
سیدانیوں میں شور تھا ہے ہے حسینؑ کا

بنتِ علیؑ کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف — غل تھا مدد کو آیئے اب یا شہ نجف
(۶۳)
لڑیاں تھیں چار ایک سی اشکوں کی ہر طرف — شہ کہتے تھے بہن نہ کرو جان کو تلف

غربت میں اور کوئی نہ یاور نہ عون ہے
تم مر گئیں تو پھر مرے بچوں کا کون ہے

فرما کے یہ بڑھا پسرِ ختم مرسلیں — مشکل تھا ضبط اشک ہوئی وہ بکس و خزیں
(۶۴)
ماتم کی صف پہ بیبیاں زینب کو لے گئیں — خیمے سے نکلے روتے ہوئے بادشاہِ دیں

دامن علم کا کھول کے عباس رک گئے
صف باندھ کر سلام کو مجرائی جھک گئے

دیکھا جو نورِ چہرۂ سردارِ خاص و عام — پڑھنے لگے درود جوانانِ تشنہ کام
(۶۵)
سر کو جھکا جھکا کے اُٹھے جب وہ نیک نام — جو سر تھا سر جھکانے میں وہ پا گئے امام

یعنی غلام منکسر و خاکسار ہیں
اِس پائے عرش قدر پہ یہ سرنثار ہیں

سب فوج کو سلام کا جب دے چکے جواب — پس جانبِ فرس متوجہ ہوئے جناب
(۶۶)
روحُ الامیں نے دی یہ صدا تھام کر رکاب — بسم اللہ اے خدیوِ زماں مالک الرقاب

نورِ محمدی رُخِ انور کی ضو میں ہے
شوکت تری رکاب میں نصرت جلو میں ہے

اس شان سے فرس پہ شہِ انس و جن چڑھے — جس طرح نکلے ابر سے خورشید دن چڑھے
(۶۷)
بہرِ جہادِ راہِ خدا مطمئن چڑھے — گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے سُن چڑھے

سب جاں فشاں سوار تھے راہِ ثواب میں
پیدل مگر تھے ابنِ مظاہر رکاب میں

بڑھتا تھا خونِ جوشِ شجاعت سے دمبدم — گردن میں وہ کجی تھی نہ مطلق کمر میں خم
(۶۸)
ہر نوجوان سے تھا یہ اشارہ بصد حشم — یعنی جہاں سے جائینگے سیدھے جناں میں ہم

بر میں زرہ کمان کیانی تھی دوش پر
قبضے پہ ایک ہاتھ تھا ایک زین پوش پر

ابرو جھکے جو پڑتے تھے پلکوں پہ بار بار — رومال پھاڑ کر انھیں باندھا تھا استوار
(۶۹)
آنکھوں سے شیر نر کے جلالت تھی آشکار — گویا کہ تھی غلاف میں حیدر کی ذوالفقار

جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے
رعشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

اِک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے　　یا کی دعا حبیب کے حق میں جناب نے
ریشِ سفید رُخ پہ سیہ کی خضاب نے　　(۷۰)　　پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے
لبریز نورِ سینۂ بے کینہ ہو گیا
یوں جھُرّیاں مٹیں کہ تن آئینہ ہو گیا

کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نامدار　　یہ کس لیے پیادہ روی اے نحیف و زار
مَیں بھی اُتر پڑونگا نہ ہوگے جو تم سوار　　(۷۱)　　کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار
ہر چند پیر خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ نظر بروے تو کردم جواں شدم

فرمایا تم کو دیتا ہوں اُس سر کی میں قسم　　جو بعد عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے پُر قدم　　(۷۲)　　اچھا تمہارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم
اب　　پہونچو جناں میں بعد مصیبت کو جھیل کے
ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے

وہ لوٹنا بھی خاک کا اب تک ہے یادگار　　تم پر بھی گرد تھی مری زلفوں پہ بھی غبار
اُس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا نبی کا پیار　　(۷۳)　　فرماتے تھے یہ ہے مرے پیارے کا دوستدار
شبیرؑ کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں
لوٹے گا یہ لہو میں یوہیں جانتا ہوں میں　　دور

رو کر کہا حبیب نے آخر ہوا وہ دَور　　اب اُن کا عہد ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جَور
یہ وقت اور کچھ ہے وہ ہنگام تھا کچھ اَور　　(۷۴)　　مولا کبھی رہا نہیں دُنیا کا ایک طور
گردش نئے فلک کی نئے انقلاب ہیں
کوثر ہے جن کا آج وہ محتاج آب ہیں

یہ عرض کرکے روئے حبیبِ وفا شعار — جھک کر کہا یہ پیر غلام آپ کے نثار
(۷۵) جب تک سمند پر وہ دلاور ہوا سوار — روکے رہے لجامِ فرس شاہِ نامدار

ہر دوست پر پدر سے زیادہ شفیق تھے
کیا قدر داں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے

بس چھیڑ کر فرس کو امامِ زماں بڑھے — آگے جو تھے رُکے ہوئے وہ سب جواں بڑھے
(۷۶) کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیر یاں بڑھے — مشتاق تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑھے

یوں طے کیا دلیروں نے اُس راہِ خیر کو
جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن کی سیر کو

بشاش قتلگاہ میں پہونچے جو وہ دلیر — نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثالِ شیر
(۷۷) دعویٰ یہ تھا کہ کیجیو ان سرکشوں کو زیر — عرصہ نہ جنگ میں ہو نہ فتح و ظفر میں دیر

تیغوں سے رزم و شام کی بستی اُجاڑ دو
کوفے کے در پہ جا کے نشانوں کو گاڑ دو

حد سے فزوں تھی کثرتِ فوجِ ستم شعار — لکھی ہے راویوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار
(۷۸) پیدل تھے بے حساب تو تھے لاتعد سوار — فوجوں کا دست و چپ سے بھی ممکن نہ تھا شمار

پیکِ خیال جا کے پھر آتا تھا راہ سے
پنہاں تھی کربلا کی زمیں سب نگاہ سے

اکناف بر و بحر میں لشکر کا تھا مقام — سہل و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام
(۷۹) ناکوں پہ چوکیاں تھیں جزیروں میں اہتمام — مسدود ہو گئی تھی سبیلِ خط و پیام

آیا کبوتر اُڑ کے جدھر صید ہو گیا
قاصد جہاں ملا وہ وہیں قید ہو گیا

نائب حسین فرس پڑھے کے امام زماں بڑھے
گلشن سے طوبیٰ حسنی جواں بڑھے

ظاہر ہوئی سیاہیٔ لشکر سے دن کو رات — وہ کشمکش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات
دُنیا پرست دشمنِ سادات نیک ذات (۸۰) — مقتل سے کوفے تک تھے قشونِ بول صفات

دریا کے صرفِ آب سے لب خشک ہو گئے
جتنے کنویں تھے راہ میں سب خشک ہو گئے

دنیا میں نیک کم ہیں بہت اور بد ہزار — لکھا ہے فوجِ شہ کا کتابوں میں یہ شمار
چالیس کل پیادے تھے بتیس سب سوار (۸۱) — طفل اُن میں تھے کئی سن اندام و گلعذار

بوڑھے سے قد تھے ایک بھی اُن میں جوان تھا
بسرہ بھی جن کے گورے رخوں پر عیان تھا

بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح — شیریں سخن لبوں میں نمک رنگتیں ملیح
چاٹیں لبوں کو اُن کے جو باتیں سنیں فصیح (۸۲) — مُردوں کو دم میں زندہ کریں صورتِ مسیح

جدّ و پدر کی طرح جری ہیں دلیر ہیں
بچّے ہیں یوں پہ غیظ جب آئے تو شیر ہیں

وہ نیچے ہلال کے دمِ خم خم پہ جن کو فوق — جرأت کا جوش تیغ زنی کا دلوں میں شوق
ہنس ہنس کے زخم کھائیں زبانوں کو اس کا ذوق (۸۳) — گیسو خوں پہ کانوں میں بندے گلوں میں طوق

آنکھیں جو نرگسی ہیں تو رُخ پھولے بھالے ہیں
نازوں کے منّتوں کے مُرادوں کے پالے ہیں

ایک ایک خوش بیاں تو ہزار اک نکتہ سنج ہے — کچھ پیاس کا نہ غم ہے نہ فاقوں کا رنج ہے
لشکر ہے وہ کہ حسن کی دولت کا گنج ہے (۸۴) — چہرہ ہر اک کا ماہ چہارو دو پنج ہے

انگڑائیاں جو لیتے ہیں سینوں کو تان کے
کہتا ہے حُسن خود کہ نثار ان کی شان کے

کم گو کوئی متیں کوئی شیریں سخن کوئی　　بچپن میں سرو قد کوئی رشکِ چمن کوئی
نازک مزاج کوئی تو گل پیرہن کوئی　　(۸۵)　تصویرِ جد کوئی تو شبیہہ حسنؑ کوئی

دولت یہی حسینؑ کے حصے میں آئی تھی
مایہ تھا فاطمہؑ کا علیؑ کی کمائی تھی

شیرانِ دشت کو جگر ایسے نہیں ملے　　غوّاص کو کبھی گہر ایسے نہیں ملے
حمزہؓ کو جنگ کے ہنر ایسے نہیں ملے　　(۸۶)　جعفرؑ نے پائے بال پر ایسے نہیں ملے

جو تھا نبیؐ کے بعد خدا کے ولی کا تھا
حضرت کو وہ ملا کہ جو حصہ علیؑ کا تھا

پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے وہ گلعذار　　تیغیں چمکتی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار
فرماتے تھے یہ روک کے عباسِ نامدار　　(۸۷)　شیرو ابھی نہیں ہے تمہیں حکم کارزار

حجّت تمام کی نہیں شاہِ غیور نے
سبقت نہ کیجو منع کیا ہے حضور نے

عجلت کو جانتے ہیں سبک جو ہیں بردبار　　بے وقت دوڑتے نہیں ذی قدر و ذی وقار
دیکھو تماشہ فوج کی کثرت ہے بے شمار　　(۸۸)　باجے بجا کے کھولیں گے رایت ستم شعار

جلدی نہ کیجو گو کہ لڑائی میں دیر ہو
تم تو خدا کے شیر کے شیروں کے شیر ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ نیکنام　　کر دیجیے ہمیں علی اکبرؑ کے پائے نام
بیٹے سے مسکرا کے یہ کہنے لگے امام　　(۸۹)　عاشق تمہارے نام کے ہیں یہ فلک مقام

بیٹا یہ سن میں چھوٹے ہیں سب میں بڑے ہو تم
اچھا صف ان کی باندھ کے آگے کھڑے ہو تم

بپھرے ہوئے ہیں شیر خبردار ہو شیار — کوئی بڑھانے پائے نہ اِس صف سے راہوار
(۹۰)
عجلت ہر ایک امر میں بچوں کا ہے شعار — بہلا کے روکے رہیو انھیں تم یہ ہیں نشار

جان اپنی سب دیئے ہیں بزرگوں کے نام پر
گھوڑے اُڑا کے جا نہ پڑیں فوج شام پر

تسلیم کر کے شہ کو مرتب جو کی وہ صف — سب جس لڑی میں تھے گہرِ قلزمِ شرف
(۹۱)
فرقت میں جن کی چاک رہا سینۂ صدف — زہرا کے رشتہ دار ید اللہ کے خلف

اُن سے کسے جہان میں عشق دلی نہیں
اب تک وہ آبرو تو کسی کو ملی نہیں

شرمندہ جس سے چاند ہو چہرے وہ تابناک — دل بلبلوں کے خوں تو گریباں گلوں کے چاک
(۹۲)
خود وادیِ السلام جو چھانے نجف کی خاک — ایسے کبھی ملیں نہ گہرہائے صاف و پاک

تسبیح ہاتھ آئی یہ کس نیک نام کو
دُر نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو

شیر خدا کے سات جگر بند نامدار — دونو نواسے حضرتِ زینب کے گلعذار
(۹۳)
پوتے چھوؤں وحید زماں فخر روزگار — یکتائے دہر پانچ بھتیجے فلک وقار

خود جس کی فرع و اصل علیؑ و رسولؐ تھے
یہ سب اُسی درخت کی شاخوں کے پھول تھے

یوسف تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار — کیف و کمِ سخن ہے کتابوں سے آشکار
(۹۴)
یوسف سے کربلا میں تھے اٹھارہ گلعذار — عالم کی جان فخرِ حسینانِ روزگار

یاں منزلت بھی قدر بھی قیمت بھی فوت تھی
زہرا کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

تیغ و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب　　سر کاؤں چہرۂ علی اکبر سے پھر نقاب
حوریں گلوں کے کاٹ کے پڑھیں رہے نہ تاب　　(۹۵)　　گر دیکھتیں وہ حُسن ملیح اور وہ شباب
پریاں تو اُن کے سائے کا پیچھا نہ چھوڑتیں
دامن کبھی جناب زلیخا نہ چھوڑتیں

لاریب فیہ حُسن میں یوسف تھے بمثال　　لیکن نہ تھی ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
مثلِ نبی ملیح تھے یہ سب نکو خصال　　(۹۶)　　گستاخیاں معاف ادب کا بھی ہے خیال
شور آج تک ہے خوبیِ یوسف میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حُسن کہ جس میں نمک نہیں

ناگہ نشاں بڑھائے اُدھر کی سپاہ نے　　کھولا ادھر علم کو علمدارِ شاہ نے
چو مانشاں کو بڑھ کے ہر ایک خیر خواہ نے　　(۹۷)　　طوبیٰ لکم کہا شہ عالم پناہ نے
رفعت بڑھی زمینِ سعادت سرشت کی
ٹھنڈی ہوا پھر یرے سے آئی بہشت کی

رایت وہ سبز لشکرِ سادات کا نشاں　　دامانِ پاک کشتیِ اُمت کا بادباں
پنجہ مثالِ پنجۂ خورشید زر فشاں　　(۹۸)　　پرچم تھا بال کھولے تھی یا حورِ جناں
مشک و عبیر و عود کا بازار سرد تھا
مٹی کا عطر خاک کی خوشبو سے گرد تھا

نقارہ و غا پہ لگی چوب ناگہاں　　گردونِ دوں سے پار ہوئی طبل کی فغاں
شبیر کے غریو سے ہلتا تھا آسماں　　(۹۹)　　وہ بوق کی مہیب صدا تھی کہ الاماں
نیزوں کو ہر سوار اُدھر تولنے لگا
گونجے ادھر بھی شیر کہ رن بولنے لگا

شہنا کا شور سُن کے لرزتا تھا بند بند — برچھی ہلی رسالوں میں نیزے ہوئے بلند
صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند (۱۰۰) — ڈر کر کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند

سُن کر دُہل کا شور کلیجے دہل گئے
صحرا سے دَب کے شیر نیستاں نکل گئے

پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیر بیشمار — مولا نے غازیوں کو دیا حکم کارزار
نکلے وغا کو قبلۂ عالم کے جاں نثار (۱۰۱) — جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار

ہونگے نہ ہیں نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے
سب جان دے کے حق نمک سے ادا ہوئے

حر و بریر و وہب و عمیر فلک مقام — وہ مسلم ابن عوسجہ عرش احتشام
سعد و ظہیر قین و حبیب خجستہ کام (۱۰۲) — وہ شیر جس کا بوعمر نہشلی تھا نام

جس غول پر جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
ایک ایک مرتے مرتے پروں کو اُلٹ گیا

نکلے وغا کو ایلچی شاہ کے پسر — ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غمِ پدر
فوجوں پہ حملہ ور ہوئے جس دم وہ شیر نر (۱۰۳) — دم میں تنوں سے کٹ کے گرے کوفیوں کے سر

ران پر چڑھے جو سوگ کے کپڑے اُتار کے
مارے گئے وہ شیر ہزاروں کو مار کے

لاشوں کو قتلگاہ سے لے آئے جب حسینؑ — نکلے پرے سے حضرتِ زینب کے نورعین
کی عرض یا امامِ زماں شاہِ مشرقین (۱۰۴) — رانڈوں میں ہے یتیموں کے ماتم کا شور و شین

پھر وقت کون سا ہے جواب ہم فدا نہ ہوں
دل تھرتھرا رہے ہیں کہ اماں خفا نہ ہوں

فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں کے پاس
دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب کی یہ التماس
اکبر سے آپ پوچھ لیں یا شاہِ حق شناس (۱۰۵)
فرما چکی ہیں والدۂ آسماں اساس
اب گھر میں آئیو تو دغا کر کے آئیو
سر لے کے ابن سعد کا یا مر کے آئیو

فرمایا خیر فوج سے جنگ و جدل کرو
جو ماں نے کہہ دیا ہے اُسی پر عمل کرو
ہاں خواہشِ وصال عروسِ اجل کرو (۱۰۶)
بچپن میں اس بقا کو فنا سے بدل کرو
راحت نے اِس طرف نہ کیا رخ نہ چین نے
دیکھے نہ ماں نے بیاہ نہ سہرے حسینؑ نے

تسلیم کر کے گھوڑوں پہ وہ نازنیں چڑھے
غل پڑ گیا جہاد پہ دو مہ جبیں چڑھے
یوں اشہبوں پہ دلبرِ ضرغام دیں چڑھے (۱۰۷)
نظروں سے سب اُتر گئے گھوڑے زمیں چڑھے
پریاں نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں
دو بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

پہونچے جو رن میں بُرجِ شرف کے وہ آفتاب
نیزے زمیں پہ گاڑ دیئے مثلِ بوتراب
نعرہ کیا کہ اوپسرِ سعدِ بے حجاب (۱۰۸)
ہمراہ لے کے شمر کو آ سامنے شتاب
گو سیکڑوں سوار ہزاروں پیادے ہیں
تلوار پہلے تجھ سے چلے یہ ارادے ہیں

ہم نے سنا یہ ہے کہ قریشی نسب ہے تو
نیکوں میں بد مزے ہیں بدوں میں نجستہ خو
ہم ٹوکتے ہیں او سگِ ناپاک کینہ جو (۱۰۹)
شیروں سے آ دغا کو جو ہے پاس آبرو
فاقوں میں زور دیکھ جدال و قتال دیکھ
دعویٰ ہے کچھ تو ہاشمیوں کا جلال دیکھ

ماں بنت فاطمہؑ ہیں بنی فاطمہؑ ہیں ہم (۱۱۰) دادا ہیں ابن عم رسول فلک حشم
ہیں اس طرح نسب میں نبیؐ و علیؑ بہم دو نام گو ہیں ایک ہے پر کعبہ و حرم
بھائی جدا ہے خویش جدا ہے وصی جدا ہیں
اُن سے علیؑ جدا نہ خدا سے نبیؐ جدا

بے فصل ہے وصی نبیؐ مالک الرقاب (۱۱۱) ضرغام دیں ہیں شیر علم نبیؐ کا باب
دریائے فیض رحمت معبود کا سحاب نور خدا سپہر جلالت کا آفتاب
جو اُن سے منحرف ہوا وہ دوزخی ہوا
ایسا شجاع کوئی نہ ایسا سخی ہوا

کہف الورٰے سراج ہدٰے حجت خدا جس سے فزوں کسی نے نہ کی طاعت خدا
خاکی نہاد و آئینۂ قدرت خدا (۱۱۲) ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربت خدا
حق ساتھ ہے حسینؑ کے ہم اُنکے ساتھ ہیں
پہونچا علیؑ کا زور جنھیں یہ وہ ہاتھ ہیں

چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑھیے بس اب حضور مخفی ہوا ہے خیمے میں ڈر کر وہ بے شعور
ہوتا ہے اور دھوپ سے اب پیاس کا فور (۱۱۳) مرتا ہے ہر طرح یہ تامل ہے کیا ضرور
دو ہاتھ میں بھگا کے سواروں کو گھاٹ کے
خیمہ گرا دو اُس پہ طنابوں کو کاٹ کے

کھینچے یہ کہہ کے نیمچے دونوں نے یک بہ یک پہونچی زمیں سے آئینۂ مہر تک چمک
گاؤ زمیں ادھر تھی ہراساں اُدھر سمک (۱۱۴) دب کر پروں پہ نادعلی پڑھتے تھے ملک
غل تھا چمک دمک وہی سب آشکار ہے
اک جا ہیں دو یہ نیمچے یا ذوالفقار ہے

دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں فرس بڑھے　　جس طرح قافلے سے صدائے جرس بڑھے
اب کون روکے شیر بڑھے جب تو بس بڑھے　　(۱۱۵)　　مقتل میں بیس ہو کے گرے وہ جو دس بڑھے

بچوں نے زورِ حق کے ولی کا دکھا دیا
سب رنگ ڈھنگ ضربِ علی کا دکھا دیا

وہ اُنکے اشہبوں کی رواروِ اِدھر اُدھر　　کاوے میں پس کے مر گئے سو سوار اِدھر اُدھر
تابندہ تھے جو آٹھ مہِ نو اِدھر اُدھر　　(۱۱۶)　　پھیلی ہوئی زمین پہ تھی ضو اِدھر اُدھر

کیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے
پریاں تھیں دو کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے

آئے جدھر خدا کا غضب آگیا اُدھر　　پلٹے جدھر یہ رعبِ علی چھا گیا اُدھر
چھپٹے جدھر شکستِ عدو پا گیا اُدھر　　(۱۱۷)　　ٹھہرے جہاں کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر

انساں تو کیا ہے شیروں کے رہبے بھی آب ہیں
آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب ہیں

کیا دونوں تازیوں کی سبک تازیاں لکھوں　　کیونکر رواروی میں خوش اندازیاں لکھوں
کس طرح نیچوں کی سرافرازیاں لکھوں　　(۱۱۸)　　کیا دونوں شاہزادوں کی جانبازیاں لکھوں

پوتے ہیں کس جری کے خلف کس ولی کے ہیں
اعلیٰ یہ مدح ہے کہ نواسے علیؑ کے ہیں

جو شیرِ حق میں تھی وہ شجاعت انھیں میں ہے　　جعفرؑ کی شان و شوکت و صولت انھیں میں ہے
شبیر سے کریم کی ہمت انھیں میں ہے　　(۱۱۹)　　کونین بخش دیں یہ سخاوت انھیں میں ہے

گو ان کے مدح خوانیوں کے لب بے سوال ہیں
منہ بھر دیں موتیوں سے یہ منبع کے لال ہیں

وہ چھوٹے چھوٹے خود وہ پیشانیوں کی شان — وہ دبدبہ وہ رعب وہ عمرانیوں کی شان
(۱۲۰)
دینداریوں کا نور خداوانیوں کی شان — وہ دونوں نیمچوں کی سرافشانیوں کی شان
پیہم چلے پہ زور گھٹا کچھ نہ کس گیا
جب چمکے مینہ سروں کا سراسر برس گیا

جس صف پہ دُور سے وہ جلالت قریں بڑھے — غل پڑ گیا کہ دلبرِ خرغام دیں بڑھے
(۱۲۱)
وہ کیا بڑھے کہ دو اسدِ خشمگیں بڑھے — شیروں کا وہ شکار ہوے جو لعیں بڑھے
زندے بھی کشتۂ خطر و بیم ہو گئے
دُو حصّہ ہو کے موت میں تقسیم ہو گئے

چلّے سے جس کا تیر ملا تن پہ سر نہ تھا — جز گوشۂ مزار کسی جا مفر نہ تھا
(۱۲۲)
زندہ جو بھاگنے میں اِدھر تھا اُدھر نہ تھا — کشتوں کے پشتے تھے کہ نظر کا گذر نہ تھا
دریا تھا یا سیاہ صفیں تھیں کہ موج تھی
دو بجلیوں کے بیچ میں اعدا کی فوج تھی

نیزوں میں جس طرف وہ گئے بید تھرک گئے — شیروں کی بو جو آ گئی گھوڑے بھڑک گئے
(۱۲۳)
زندوں کے خوفِ جاں سے کلیجے دھڑک گئے — زخموں میں کیا مزا تھا کہ بسمل پھڑک گئے
یکسر قدم سپاہ کے دریا سے اُٹھ گئے
ہونٹوں کو چاٹتے ہوے دنیا سے اُٹھ گئے

وہ گورے گورے ہاتھ وہ نازک کلائیاں — وہ بازوؤں کا زور وہ تیغ آزمائیاں
(۱۲۴)
وہ نیچوں میں سیف علی کی صفائیاں — وہ ولولے وہ پہلے پہل کی لڑائیاں
جس غول پر وہ صاحبِ شمشیر آ پڑے
ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آ پڑے

جس پہلواں پہ عون کی تلوار پڑ گئی — چہرہ تو کیا ہے زیست کی صورت بگڑ گئی
چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑ گئی — (۱۲۵) سرتیز اک سناں تھی کہ پتلی میں گڑ گئی
آنکھوں کو روکے صف سے وہ مردک نکل گیا
گویا قفا کو توڑ کے ناوک نکل گیا

اک شور تھا کہ چشم نمائی غضب کی ہے — آفت کا معرکہ ہے لڑائی غضب کی ہے
یہ گھاٹ قہرکا یہ ترائی غضب کی ہے — (۱۲۶) چھوٹے سے نیچوں کی صفائی غضب کی ہے
دونوں ہیں نورِ عین علیؑ سے غیور کے
آنکھیں نکال لیں کوئی دیکھے تو گھور کے

جس پر اڑا کے رخش وہ جانباز آ پڑا — ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز آ پڑا
دو ہو کے تیغ پر وہ فسوں ساز آ پڑا — (۱۲۷) خود منھ کے بل سمند سبکتاز آ پڑا
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لئے
لاتی تھی موت گھیر کے چور نگ کے لئے

اللہ کا غضب اُدھر آیا جدھر بڑھے — پہونچا سروں پہ تیغ کا سایہ جدھر بڑھے
جلوہ عروس فتح نے پایا جدھر بڑھے — (۱۲۸) گھونگھٹ سیاہ شام نے کھایا جدھر بڑھے
گرتی تھی برق لشکرِ ابن زیاد پر
گویا چڑھے تھے دونئے دولھا جہاد پر

ماتھے وہ اور وہ پیچ عماموں کے لٹ پٹے — گیسو وہ بنت فاطمہ کے ہاتھ کے بٹے
وہ ابروؤں کے خم کہ ہلالِ فلک کٹے — (۱۲۹) آنکھیں وہ نرگسی کہ نہ جن سے نظر ہٹے
چہرے کسی نے دیکھے ہیں اس آب و تاب کے
رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے

وہ برگ گل سے لب و دہن اُن کے تنگ تنگ — نہ بھینی بھینی بو کسی غنچے میں وہ نہ رنگ
لعل و گہر ہیں اُن لب و دنداں کے آگے دنگ (۱۳۰) — اک منجمد یہ قطرۂ نیساں ہے اور وہ سنگ

تشبیہ بھی جو اُن سے نہ دی نا امید ہیں
اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

گورے گلے کہ جن سے نمایاں ہے نور حق — سُرخی نہیں یہ مہر منور پہ ہے شفق
وہ نیچے وہ ہاتھ دلِ کفر جس سے شق (۱۳۱) — سینے ہیں ایک مصحفِ ناطق کے دو ورق

خالی ہیں گو شکم پہ یہ جرار سیر ہیں
فاقہ توارث ہے کہ یہ شیروں کے شیر ہیں

اُن دونوں اشہبوں کی وہ چھلپل وہ تنگ جلے — جو اُن کی چال دیکھنے آئے وہ دنگ جلے
صورت کا بنا بنا وٗ نہ سرعت کا ڈھنگ جلے (۱۳۲) — اُڑتے تھے یوں کہ جیسے ہوا پر خدنگ جلے

پریاں تھیں دو وہ اسپ سعادت اثر نہ تھے
سب تھی ہما کی تیز پری اور پر نہ تھے

اسوار آفتاب تو گھوڑے بھی ماہ رو — سُرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں لہو
جاندار و خوش رکاب و سعید و خجستہ خو (۱۳۳) — صاف آتی تھی پسینے سے جن کے وفا کی بو

ڈھالا تھا جوڑ بند کو سانچے میں نور کے
نازک کلائیاں تھیں کہ پہنچے تھے حور کے

دونوں کنوتیاں کہ دو پیکان تیر ہیں — چاروں سُم اُن کے غیرت بدرِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجیے جو نظر بے نظیر ہیں (۱۳۴) — بال ایسے جن کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں

سرعت میں اُن سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

آئے اُدھر سے گر تو اِدھر سے نکل گئے　　پہونچے کنارِ بحر تو بر سے نکل گئے (۱۳۵)
مانندِ برقِ لشکرِ شر سے نکل گئے　　دو تیر آگے تیر نظر سے نکل گئے

یوں پھر رہے تھے بیچ میں فوجِ غنیم کے
جیسے سحر کو چلتے ہیں جھونکے نسیم کے

غنچے تھے دو ملے ہوئے اک جا کہ اُن کے گوش　　برگستواں میں جسم کہ رستم تھا درعہ پوش
سُرعت کو دیکھ لیں تو اُڑیں طائروں کے ہوش (۱۳۶)　　گرتا تھا منہ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش

پریاں اُڑا سکیں نہ روش اُن کی چال کی
بالکل مزاج شیر کا آنکھیں غزال کی

وہ سُم وہ نعل اور وہ سینے وہ ترک و تاز　　بدر و ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز
زیور تھا ایک شب کی دُلھن کا کہ اُنکے ساز (۱۳۷)　　وہ کلغیاں کہ طرۂ لیلےٰ سے سرفراز

بن کر گہر پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے
ہیکل کی تختیاں کہ ستارے چمکتے تھے

گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نہ جاتے تھے تا رکاب　　پر پٹریاں جمی ہوئی تھیں مثلِ بوتراب
یوں مرکبوں کے باندھے تھے سر وہ فلک جناب (۱۳۸)　　بیجا قدم رکھیں یہ سمندوں کو تھی نہ تاب

غل تھا ہٹے رہو کہ مزاج ان کا آگ ہے
حیدر سے شہسوار کی یہ ران باگ ہے

گھوڑوں نے کس پہ میں قیامت بپا نہ کی　　فاقہ تھا پر کمی تک و دَو میں ذرا نہ کی
وہ کون سی گرہ تھی کہ تیغوں نے وا نہ کی (۱۳۹)　　کن سرکشوں کے جسم سے گردن جُدا نہ کی

نیزوں کے بند قطع کمانوں کے ساتھ تھے
حلّال مشکلات کے بچّوں کے ہاتھ تھے

نہ تختیوں کے

پیاسوں کے نیچے بھی غضب آبدار تھے　　سیلِ فنا تھے صاعقۂ شعلہ بار تھے
دونو بہم جو ہو کے اُٹھے ذوالفقار تھے　　(۱۴۰)　　سائے کو بھی شریک جو کیجیے تو چار تھے
دو کرتے تھے یہ راکب و مرکب کو زین کو
دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

قبضے وہ تکیہ گاہ ظفر جن کا نام ہے　　پھل وہ کہ جن کو کھاتے ہی قصہ تمام ہے
پانی وہ جس کو کہیے کہ زہر الیتام ہے　　(۱۴۱)　　کاٹ ایسا سنگ سخت جہاں موم خام ہے
جوہر وہ دم نکلتے ہیں جن کی مثال پر
افشان چینی ہوئی ہے جبینِ ہلال پر

فولاد پوش پھینک کے ہتھیار چھپ گئے　　گوشوں میں سر جھکا کے کماندار چھپ گئے
چار آٹھ میں جو قتل ہوئے چار چھپ گئے　　(۱۴۲)　　زخموں کے گل بہت جو کھلے خار چھپ گئے
مشکل وہاں تمیز بد و نیک ہو گئی
غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہو گئی

جن کے جمے تھے رنگ وہ بے رنگ ہو گئے　　لڑنے کا حوصلہ نہ رہا تنگ ہو گئے
چار آئینے جو پہنے تھے چو رنگ ہو گئے　　(۱۴۳)　　بچوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہو گئے
مہلت نہ سر اُٹھانے کی تھی فوج شام کو
دو نا بلند کر گئے جعفرؑ کے نام کو

کوفی بچے نہ رومی و رازی جدھر پھرے　　جھک جھک گئیں صفیں وہ نمازی جدھر پھرے
غازہ لگایا فتح نے غازی جدھر پھرے　　(۱۴۴)　　پس پا تھے یکہ تازوہ تازی جدھر پھرے
دھومیں دغا کی قاف سے تا قاف ہو گئیں
اللہ رے مصاف صفیں صاف ہو گئیں

نیزہ چلانے سے کام ہے

جا پہونچے تھے خیام بن سعد کے قریں　　کتنی طنابیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبیں
(۱۴۵)
ہاں ہاں کا شور کرکے گڑھے سب عدو دیں　　بھاگا عقب سے چیر کے خیمے کو وہ لعیں
بھاگا اُدھر تو جوش میں وہ اضطراب کے
یہ دونوں بھائی رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

چھوٹے نے عرض کی یہ سراپا ہیں مکر و کید　　دیکھا حضور چھُٹ گیا پنجے میں آکے صید
(۱۴۶)
چھپنے کی شرم ہے نہ اُنھیں بھاگنے کی قید　　فرمایا عون نے یہ ہیں اُستاد زرق و شید
بھاگا طناب کٹتے ہی کیا حیلہ ساز ہے
سچ ہے حرام زادے کی رسّی دراز ہے

بڑھ کر پکارے حضرت عباسِ عرش جاہ　　کس سمت ابن سعد ہے او شمر روسیاہ
(۱۴۷)
ذلّت اُٹھا کے بھاگ گیا افسرِ سپاہ　　روکے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ
سرسبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتے ہیں
یوں لشکروں سے شیر کے فرزند لڑتے ہیں

ہاں مرد گر ہے سامنے بچّوں کے آ تو جائے　　بھاگے گا پھر تو خیر کوئی زخم کھا تو جائے
(۱۴۸)
مخفی کدھر ہے شیروں کو صورت دکھا تو جائے　　بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے
بپھرے ہیں شیر ہاتھ میں تیغ و سپر تولے
گرتا ہے وہ جُھکا ہوا خیمہ خبر تو لے

بھاگا رئیس خود یہ خبر چار سُو گئی　　عزّت سبھوں کی آج گئی آبرو گئی
(۱۴۹)
آخر شغال تھا نہ دبکنے کی خو گئی　　خلعت پہن کے بھی نہ رذالت کی بو گئی
جب کچھ کڑی پڑی تو جفا جو نکل گیا
ضیغم جلال میں ہیں کہ آہو نکل گیا

مرتا ہے بے حیا زر و جاگیر و مال پر — اِک نیمچے کا وار بھی روکا نہ ڈھال پر
آنکھیں چُرائیں شیر جب آئے جلال پر (۱۵۰) — سَر دار ہو کے چھپ گیا تُف اس مجال پر
پائے نہ گر شکار تو جا ناز کیا کرے
کنجشک جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

باتوں میں اتنا تھم جو گئے وہ فلک پناہ — خیمے کو لے کے پشت پہ سب جم گئی سپاہ
دریا کی فوج اُدھر سے ہوئی بڑھ کے سد راہ (۱۵۱) — چاروں طرف سے گھر گئے زینب کے رشک ماہ
پتھر بھی تیر ظلم بھی نیزے بھی چل گئے
سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

یوں تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر — غصّے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر
لشکر کو کر دیا تھا زبر دستیوں سے زیر (۱۵۲) — انبار اُدھر سروں کے اُدھر زخمیوں کے ڈھیر
دیکھا غضب سے جس کی طرف زرد ہو گیا
تلوار جس پہ سَن سے چلی سرد ہو گیا

تیغیں قریب سے جو لگاتے تھے اہل شر — اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی کی سپر
عباسؑ پھر کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر (۱۵۳) — کیا لڑ رہے ہیں آپ کی ہمشیر کے پسر
نامی جوان بھاگ گئے شام و روم کے
خیمے پہ جا پڑے پسر سعد شوم کے

پر اب خدا بچائے کہ فوجیں کثیر ہیں — تیغیں ہیں برچھیاں ہیں سناں ہیں تیر ہیں
رو کر امام دیں نے کہا اب اخیر ہیں (۱۵۴) — کب تک لڑیں کہ تشنہ دہن ہیں صغیر ہیں
نو دس برس میں ماں سے بچھڑنے کے دن تھے
یہ کھیلنے کی فصل تھی لڑنے کے دن نہ تھے

زینب کھڑی تھیں پردے کے پیچھے جو بیقرار　　فضہ خبر یہ دیتی تھی جا جا کے بار بار
(۱۵۵)
کیا لڑ رہے ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے یادگار　　حضرت سے مدح کرتے ہیں عباس نامدار
جس وقت ذکر معرکہ آرائی ہوتے ہیں
رو مال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں

رو کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام　　میں اک کنیز اُن کی وہ دونوں پسر غلام
(۱۵۶)
مجھ کو دکھا تو دے کہ کدھر ہیں وہ لاانام　　اُس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوج شام
لاکھوں سے معرکہ ہے مگر باحواس ہیں
بی بی وہ ابن سعد کے خیمہ کے پاس ہیں

تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ　　ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ شاہِ ماہ
(۱۵۷)
کثرت ہے اس قدر کہ پہونچتی نہیں نگاہ　　وہ بھاگتی ہے اور پلٹتی ہے سب سپاہ
آواز دار و گیر کی گردوں پہ جاتی ہے
دونوں کے نیچوں کی چمک یاں تک آتی ہے

طبلِ ظفر پہ چوب لگی یک بہ یک اُدھر　　ڈیوڑھی سے آئیں خیمے میں زینب جھکائے سر
(۱۵۸)
عباسؑ نے کہا شہ والا سے دوڑ کر　　چلیے حضور لُٹ گیا بنتِ علی کا گھر
گھبرا کے کشمکش میں دم اُن کے نکل نہ جائیں
لاکھوں سوار ہیں کہیں بچے کچل نہ جائیں

تلوار لے کے قاسمِ شیریں سخن بڑھے　　عباس کیا بڑھے شہ خیبر شکن بڑھے
(۱۵۹)
مانند شیرِ اکبرِ گل پیرہن بڑھے　　فرزند سے یہ کہہ کے امامِ زمن بڑھے
پردے میں اہلبیت نبی کے خلل نہ آئے
ڈیوڑھی پہ تم رہو کہیں زینب نکل نہ آئے

ماں صدقے جائے لو مرے زانو پر سر رکھو　　اِس سکیسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو　　(۱۷۰)　آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو
دیکھو نہ آنچ آئے شہ خوشخصال پر
فوجوں کی پھر چڑھائی ہے زہرا کے لال پر

کیسی یہ نیند آج ہے پیارو اُٹھو اُٹھو　　ماموں کے ساتھ رن میں سدھارو اُٹھو اُٹھو
کپڑے لہو بھرے یہ اُتارو اُٹھو اُٹھو　　(۱۷۱)　گیسو اُلجھ گئے ہیں سنوارو اُٹھو اُٹھو
اِن پیاری پیاری آنکھوں پہ اماں نثار ہو
انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

سینوں سے توزمیں پہ رکھو ہاتھ اُتار کے　　باندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے
اماں نثار گیسوؤں کے تار تار کے　　(۱۷۲)　چونکو اُٹھو کلام کرو ماں سے پیار کے
نخلِ مراد میں نہ ثمر ہے نہ برگ ہے
اب سمجھی میں یہ نیند نہیں خواب مرگ ہے

لاکھوں سے معرکے میں وغا کر کے آئے ہو　　بچپن کی غفلتیں یہ نہیں مر کے آئے ہو
دولھا بنے ہو خون میں سب بھر کے آئے ہو　　(۱۷۳)　صدقے گئی رولانے کو مادر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اسی منزل میں رہ گئے
ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

کیونکر ملے گا ماں کو تمہارا سُراغ ہائے　　لوٹا اجل نے حیدر و جعفر کا باغ ہائے
یوں بجھ گئے ہمارے لحد کے چراغ ہائے　　(۱۷۴)　میرا بڑھاپا اور یہ بچوں کے داغ ہائے
ہے ہے یہ گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
اماں کی قبر بننے نہ پائی کہ مر گئے

نخلِ خوشی میں کوئی ثمر

کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اٹے ہوئے — اُلجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے
سینے فگار چاند سے بازو کٹے ہوئے (۱۷۵) — ہے ہے کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوئے
نہ کچھ تزک نہ غسل شہیدوں کو چاہیے
مرنا یہیں جہاں میں سعیدوں کو چاہیے

تابوت اُٹھاتی دھوم سے مرتے وطن میں گر — ہوتا پدر بھی ساتھ جنازے کے ننگے سر
قبریں بناتی ماں کی لحد کے اِدھر اُدھر (۱۷۶) — کیا حشر ہوگا پھوپھیوں شب میں جب خبر
اُم البنیں پٹیتی روضے پہ جائیں گی
صغرا کے پاس بیبیاں پُرسے کو آئیں گی

بچو تمہیں بتاؤں میں غربت میں کیا کروں — نے گھر ہے نے وطن ہے مصیبت میں کیا کروں
بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں (۱۷۷) — فاقوں میں تشنگی میں صعوبت میں کیا کروں
راحت نہ روح کو نہ کسی دل کو صبر ہے
پانی نہ غسل کو نہ کفن ہے نہ قبر ہے

مجبور تم ہو واں بھی ہے ناچار میں نثار — تنہائی میں خدا ہے مددگار میں نثار
رستا بُرا ہے باندھ لو ہتھیار میں نثار (۱۷۸) — چھوٹے مرے پسر سے خبردار میں نثار
اللہ اس سفر کی بلاؤں کو رد کرے
کھٹکا جہاں ہو بھائی کی بھائی مدد کرے

سُنتی ہوں اس سفر میں خطر بیشمار ہیں — جانیں وہی اسے جو میان مزار ہیں
پرسش ہے روک ٹوک ہے جنگل ہے خار ہیں (۱۷۹) — وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گذار ہیں
منزل کا شب کی ماں کو پتہ دے کے جائیو
قربان جاؤں ساتھ مجھے لے کے جائیو

دِن ڈھل گیا قریب ہے شام اے مسافرو　　کس بن میں شب کو ہوگا مقام اے مسافرو
کچھ تو کرو زباں سے کلام اے مسافرو　　(۱۸۰)　　بھیجو گے کب پیام و سلام اے مسافرو
پٹیوں گی پہلوؤں میں جو تم کو نہ پاؤنگی
میں شب کو ڈھونڈھتی ہوئی جنگل میں آؤنگی　　نقل

کہتا تھا باپ شب کو نہ بچے نکلنے پائیں　　بھولے ہیں راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں
دربار میں بھی ہوں تو سویرے سے گھر میں آئیں　　(۱۸۱)　　ہے ہے یہ دشتِ ظلم جو کرتا ہے سائیں سائیں
پہونچوں گی کس طرح میں جو ڈر ڈر کے روؤں گے
واری اندھیری رات میں کس طرح سوؤں گے

شب کو خوشامدیں مری کرتے تھے بار بار　　تا دودھ ہم کو بخش دے مادر جگر فگار
اُن بھولی بھولی باتوں کے ماں ہوگئی نثار　　(۱۸۲)　　باتیں نہ رات کی مجھے بھولینگی وہ نہ پیار
واری سفید رو رہو تم رب کے سامنے
لو میں نے دودھ بخش دیا سب کے سامنے

یہ بین کر کے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر　　غش آیا سانس اُلٹ گئی ٹکڑے ہوا جگر
اک حشر تھا کسی کو کسی کی نہ تھی خبر　　(۱۸۳)　　بانو پکاری سوے علمدار دیکھ کر
بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں سے گذر نہ جائے
لاشے اُٹھاؤ شاہ کی ہمشیر مر نہ جائے

بس اے **انیس** طول سے بہتر ہے اختصار　　ہاں ختم کر مرثیہ شاہِ نامدار
خالق سے ہاتھ اُٹھا کے دعا کر بانکسار　　(۱۸۴)　　قائم رہے جہاں میں یہ شاہِ فلک وقار
ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو
حامی جنابِ فاطمہ زہرا کا ماہ ہو

مرثیہ

۳

جب ان میں سربلند علیؑ کا علم ہوا — فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
(۱)
چرخِ زبرجدی پہ تسلیم خم ہوا — پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا کبھی جو علم اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

وہ شان اُس علم کی وہ عباس کا جلال — نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال
(۲)
پرچم پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال — غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبےٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے

تھا پنجتن کا نور جو پنجے میں جلوہ گر — اعدےٰ کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
(۳)
ذرّے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر — تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

قربان احتشام علمدارِ نامور — رُخ پر جلالتِ شہ مرداں تھی سر بسر
(۴)
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر کی نظر — قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا رُعب لشکرِ ابن زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم — وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
(۵) پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیِ علم — گرتی تھی برق فوج مخالف پہ دمبدم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبےٰ کی شان تھی

پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار — عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
(۶) یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہے برقرار — کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو اے قومِ نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں موئے کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر اک حور — صلِ علےٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
(۷) یارب رہے نگاہ بد اس کی ضیا سے دور — پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اِس جواں کے نثار اس نشان کے

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اِس حُسن کی سپاہ — دُنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
(۸) دیکھیں کسے کسے کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ — جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں دموں سے ہے رونق زمین کو
چُن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسین کو

شہرہ بہت تھا حُسن میں کنعاں کے ماہ کا — قصہ سُنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
(۹) یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا — یوسفؑ ہے ایک ایک جواں اس سیاہ کا
سُنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

ہمشکل مصطفےؐ کا ہو کیا حُسن کیا جمال　　صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہے بیمثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رُخ یہ خال　　(۱۰)　　یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال

اِک گُل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کیوں قدرتِ پروردگار ہے

لختِ دلِ حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسیں　　جس کے چراغ حُسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلف مشک بیز یہ آئینہ جبیں　　(۱۱)　　سرمایۂ خطا و ختن کا ئنات چیں

رُخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

نام خُدا ہیں عونؑ و محمدؐ بھی کیا شکیل　　اک مہر بے نظیر ہیں اک بدر بے بدیل
افروختہ ہیں رُخ یہ شجاعت کی ہے دلیل　　(۱۲)　　ہمّت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل

مثلِ علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تُلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

عباسؑ نامور بھی عجب سج کا ہے جوان　　نازاں ہے جسکے دوش منور پہ خود نشان
حمزہؓ کا رعب صولتِ جعفرؑ علیؑ کی شان　　(۱۳)　　ہاشم کا دل حسینؑ کا بازو حسنؑ کی جان

کیونکر نہ عشق ہو شہ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اِس آفتاب کو

اس مہر کو تو دیکھو یہ ذرّے ہیں جسکے سب　　سرتاج آسمان و زمیں نورِ عرش ربّ
ابرِ کرم خدیوِ عجم خسروِ عرب　　(۱۴)　　عالی ہمم امامِ امم شاہِ تشنہ لب

جنبان زبان خشک ہے ذکر آلہ میں
گویا کھڑے ہیں ختم رسلؐ رزمگاہ میں

کیا فوج تھی حسینؑ کی اُس فوج کے نثار ایک ایک آبروے عرب فخرِ روزگار
جرار و دیں پناہ و نمودار نامدار (۱۵) لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں

ایک ایک ملک جرأت و ہمت کا بادشاہ کیواں خدم سپہر حشم عرش بارگاہ
آنکھیں غزال رشک مگر شیر کی نگاہ (۱۶) وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی

وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے ولولے بیتاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے (۱۷) سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسولِ حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے یہ نیچے نہ لیویں گے دمِ بے لہو پیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے (۱۸) صدقے ہوں اس قدم پہ یہ میرے ہیں اسی لئے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھیے گا تماشہ لڑائی کا

بچپن پہ خادمانِ اُولوالعزم کے نہ جائیں جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں منہ پر کے زخم کھائیں (۱۹) بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیے
بڑھ کر ہٹیں جو پانوں تو سر کاٹ ڈالیے

کہتے تھے مُسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال — کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
ہر وقت چاہیے مدد شیر ذوالجلال (۲۰) — نعرہ ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اُتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چھپے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار — شبیرؑ دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباس نامدار (۲۱) — سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرات ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ نیزے رکیں گے بھلا فوج شام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان — یہ بھولے بھولے مُنہ یہ جواں مردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان (۲۲) — چلتی ہے ذوالفقار علی کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

زینب کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور — مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رخ پر جلالِ شیرِ خدا کا ہے سب ظہور (۲۳) — پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برق طور
دونوں میں صاف حیدرؑ و جعفرؑ کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف — مشکل کشا کی فوج نے باندھی اِدھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوے ابنِ شہ نجف (۲۴) — سینوں کو غازیوں نے اِدھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر اک رشک ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصّے سے آفتاب ہوئے موشگوں کے رنگ — فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
(۲۵)
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ — بے چین ہو گئے فرسِ ابلق و مسرنگ
پاسِ ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر ایک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے — بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
(۲۶)
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے — ٹکڑے اُڑائیں گے عمرو شمرِ شوم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چُراتے ہیں مَرد سے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

دولا کھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی — بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
(۲۷)
چیتان کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی — مُنھ سُرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو رانوں میں داب کے
غصّے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے — نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
(۲۸)
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے — تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نامور — لڑ کے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
(۲۹)
کہتے تھے نیچے لے وہ غیرتِ قمر — یارب شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
سر کے نہ پھر جو بڑھ کے وغا میں قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا عَلَم گڑے

عباسؑ شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر — تیر اُس طرف سے آتے ہیں اب کس لیے ہو دیر
(۳۰)
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر — مولا غلام سے نہیں رُکنے کے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار — مرنے پہ ایک دل ہیں بہتّر وفا شعار
(۳۱)
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذنِ کارزار — ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سواران شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

جب روکتا ہوں میں انھیں اے آسماں سریر — کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
(۳۲)
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر — ہنگامِ جنگ شیر کے بچے ہوں گو شہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے — عالم ہے بیخودی کا پہ مرنے کا ہوش ہے
(۳۳)
ہر صف میں یا علی ولی کا خروش ہے — کہتے ہیں بار بار کہ سربار دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

حسرت سے کی سوے رفقا شاہ نے نظر — بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
(۳۴)
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر — اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
یہ راہ حق ہے جو قدم آگے بڑھائیگا
دربار مصطفےٰ میں وہی پہلے جائے گا

مژدہ یہ سُن کے شاد ہوے غازیانِ دیں　　اک اک دلیر جانے لگا سوے فوج کیں
جب نعرہ زن ہوے صفتِ شیرِ خشمگیں　　(۳۵)　تھرّائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں

برپا تھا شور حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

اللہ رے جہاد حبیب و نُزہَیرِ قرشین　　گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین　　(۳۶)　مقتل میں پٹتے ہوے دوڑے گئے حسینؑ

یوں جا کے روے اُن کے تنِ پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا　　کانپا سپہرِ شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا　　(۳۷)　گہ روے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا

لڑ کے جو یک بہ یک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسنؑ کی طرح کلیجے کے ہو گئے

تھی قہر حق عقیل کے پوتوں کی کارزار　　شمشیر حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
عزت عرب کی رکھ گئے جعفر کے یادگار　　(۳۸)　تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوے شکار

فتح و ظفر تھی مثل علیؑ اختیار میں
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

نکلے برادرانِ علمدار صف شکن　　دکھلا دیے علی کی لڑائی کے سب چلن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن　　(۳۹)　لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا رن پہ رن

آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباسؑ داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضطرب جو دل گہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمھیں بجل (۴۰) شیر دو رکے نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل
یہ وقت آبرو ہے بڑی جرأت کو کر کرو
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

اُلٹو پروں کو بڑھ کے صفوں کو بچھا کے آؤ ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
جب باگ اُٹھاؤ فوج کے اُس پار جا کے آؤ (۴۱) یا مر کے آؤ یا اُنھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوج شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دمبدم دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
جینے نہ دیگا آہ ہمیں بھائیوں کا غم (۴۲) عباسؑ عرض کرتے تھے اے قبلۂ امم
اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

بیجاں ہوئے جو راہِ خدا میں وہ شیر نر حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر (۴۳) اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبیؐ و علیؑ پاس رہ گئے
ستر و دو تن میں اکبر و عباسؑ رہ گئے

آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خو اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو (۴۴) پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوش بکا میں زبان سے
قاسمؑ کے ساتھ جائینگے ہم بھی جہان سے

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جُدا　　سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا　　(۴۵)　　مرجائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو　　لطف کیا
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم　　خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم　　(۴۶)　　مر مر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
عباسؑ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات　　بیکس کے غمگسار تھے یہ یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر و مروّت سے کوئی بات　　(۴۷)　　سویا جو میں تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جُدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

ہے ان کے اتحاد کا سب سے جُدا مزا　　بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
ملتا ہے بات بات میں ہر دم نیا مزا　　(۴۸)　　او جھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور　　بچھڑا جو دو میں ایک تو پھریں کنار گور
ہوتا ہے زخم دل پہ نمک آنسوؤں کا شور　　(۴۹)　　جب پتلیاں نہ ہوں تو چشمِ بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا　　جُدا ہوں
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں گذرے بہار عمر کے دن آگئی خزاں
اُٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں (۵۰) پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے سُن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

ان سے نشاں علیؑ کا ہو تم سے ہمارا نام گھر مٹ گیا نبیؐ کا جو دونوں ہوئے تمام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہو اہتمام (۵۱) مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبر پہ بے چراغ ہو

کیجیو نہ ذکر ہجر یہ صدمہ ہے دلخراش بہر پدر کفن و گور کی تلاش
ہوگا یہ جسم مظلم کی تیغوں سے پاش پاش (۵۲) دو شخص چاہیے کہ اُٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
فرزند پائنتی ہو برادر سرہانے ہو

اکبرؑ نے سُن کے باپ سے یہ اشک خوں بہا عباسؑ بول اُٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے (۵۳) خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اُٹھائے
دیتے ہیں جان اہل وفا نام کے لئے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے

بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا کیا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہمشکل مصطفیٰؐ (۵۴) باتیں تو ان سے تھیں تمہیں کیوں غیظ آگیا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبرؑ اُٹھائیں گے

※ یہ بند بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

اُٹھیے قدم سے آپ کی اُلفت کے میں نثار　　غصّے میں بھول جاتے ہو بھیّا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مَل کے یہ بولا وہ نامدار　　(۵۵)　　بے اذن جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار

ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآبؐ سے
پہلے مروں گا اکبر عالی جناب سے

صدقہ علی کی روح کا اکبر کو روکیے　　دے کر قسم شبیہ پیمبر کو روکیے
نورِ نگاہ بانوئے بے پر کو روکیے　　(۵۶)　　اے آفتاب دیں مہ انور کو روکیے

پہلے رضا ملے تو بہت نیکنام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اُٹھائیے　　لیجیے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے　　(۵۷)　　اپنی سکینہ جان سے جاکر مل آئیے

زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
بچّوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار　　بھائی کو گھر میں لے کے چلے شاہ ذی وقار
بولا یہ پیک شاطر فوجِ ستم شعار　　(۵۸)　　لو اذن جنگ پا چکے عباس نامدار

خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموس شاہ سے

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کرامام　　نعرہ یہ دمبدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیکنام　　(۵۹)　　اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام

دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

دِل ہِل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر — کانپے مثالِ بید جوانانِ پُر جگر
ہَل چَل میں اِس طرف کے پڑے ہوگئے اُدھر (۶۰) — ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا وہ اُلٹا رواں ہوا

ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال — برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال (۶۱) — کانپی زمیں کھڑے ہوگئے رُوئیں تنوں کے بال
مُنھ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے زورِ انقلاب — اُلٹے گا اِس زمیں کا ورق ابنِ بوتراب
اِس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب (۶۲) — بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف — بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف (۶۳) — تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

تھی ابتری سپاہ ضلالت شعار میں — اِس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اُس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں (۶۴) — وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے
نامرد مُنھ چھپائے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

سر کردہائے فوج مخالف تھے بیحواس — کچھ شمر کے قریب گئے کچھ عمر کے پاس
(۶۵)
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس — ضربِ علیؑ ہے ضربِ علمدار حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

اُس فوج میں تو ہے یہ تزلزل یہ انتشار — ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباسؑ نامدار
(۶۶)
مضطر ہیں بی بیاں شہ والا ہیں بیقرار — بھائی کے مُنھ کو دیکھ کے روتے ہیں زار زار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے — بار بار
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لیے ہوئے

مُنھ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بہ چشمِ تر — کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
(۶۷)
لٹتا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر — جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

بھائی کے اضطراب سے زینب کا ہے یہ حال — ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھُلے ہیں بال
(۶۸)
عباسؑ سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال — چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے مُنھ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

دیکھو تو حال سبطِ رسولِ فلک اساس — بیٹے کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
(۶۹)
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس — قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہرا کے لال کے

وہ خوش خصال

عباسؑ کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں　　کیونکر نہ حق امامِ زماں کا ادا کروں
(۷۰)
اُلٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں　　یہ سر ہے اِس لئے کہ قدم پر فدا کروں
پہونچا ہے فیض سیّدِ خوشخو کے ہاتھ سے
دُنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام　　شہزادہ مَرتے جائے سلامت رہے غلام
(۷۱)
لِلّٰہ روکیے نہ اب اے خواہرِ امام　　وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں ساتھ ماں نہیں سر پر پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

باتیں یہ سُن کے روتی ہیں زینب جُھکا کے سر　　تھرّا رہی ہے زوجۂ عباسِ نامور
(۷۲)
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر　　مانع ہے شرم روتی ہے مُنھ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے نہ بول سکتی ہے
حضرت کے مُنھ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار　　ہم کو تباہ کرتے ہیں عباسؑ نامدار
(۷۳)
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار　　کچھ آپ بولتیں نہیں اس وقت میں نثار
کہیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے　　امداد بہرِ حضرتِ شبیر کیجیے
(۷۴)
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے　　پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار — ہوتا ہے تیرِ غم جگرِ ناتواں کے پار
(۷۵)
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار — شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار
آ داب سے دلبرِ زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا — پیٹو نہ سر کو روتا ہے فرزند مہ لقا
(۷۶)
خیر النساؑ کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا — شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحبِ ہمّت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمھارا بھی نام ہے

لو پوچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال — دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
(۷۷)
میری مفارقت کا نہ کیجیو کبھی خیال — قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہ کا لال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمھیں
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمھیں

صدقے ہیں ابنِ فاطمہؑ پر مجھ سے سو غلام — دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
(۷۸)
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام — ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار — آداب شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بیقرار
(۷۹)
رہ جاے بات کرتے ہیں وہ امر ہوشیار — دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
کیا کیا نہ تفرقے ہوے ایک ایک آن میں
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

قاسم کو دیکھو جانبِ کبرا کر و نگاہ　　گذری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ　　(۸۰)　　کیا صابرہ ہے دخترِ شبیر واہ واہ

سہتے ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سُنتا ہے رونے کی

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں　　ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اُٹھے آہ کا دُھواں　　(۸۱)　　اُف کیجیو نہ مُنھ سے جو پہونچے لبوں پہ جاں

چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی

شوہر نے یہ کلام کیے جب بہ چشمِ تر　　چپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمّت جُھکا کے سر
ہتھیار سج کے حضرتِ عباسؑ نامور　　(۸۲)　　آئے قریبِ لختِ دلِ سیدالبشر

صدمے سے رنگ سبط نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؑ نامور　　بیتاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر اِدھر اُدھر　　(۸۳)　　جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر

ہے زیست تلخ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زینب کہاں ہو آ کے سنبھالو حسینؑ کو

سب گھر کی بیبیوں سے کہو میرے پاس آئیں　　بانو کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں　　(۸۴)　　کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آ کے دیکھ جائیں

یہ نوجواں سنبھالیگا گھر جب مروں گا میں
عباس سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

یہ سُن کے ساری بیبیاں آئیں بحال زار — بولے قدم پہ جُھک کے یہ عباسِ نامدار
اے افتخارِ عالمیاں تو رکردگار — (۸۵) ہَل مِن مبارزٍ کا اُدھر غل ہے بار بار

ہیں ذرّہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لیے خادم کے باب میں

لڑکوں نے معرکے میں کیے اپنے اپنے نام — کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہ انام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام — (۸۶) کس کام کا جو آج نہ کام آئے یہ غلام

مشکل ہے ایسے وقت میں رُکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیر الٰہی سے شیر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادمِ جناب — خوش ہوتی خاکسار سے رُوحِ ابوتراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب — (۸۷) زہرا سے بھی حجاب ہے شبر سے بھی حجاب

اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے کسے پھر مُنھ دکھاؤں گا

ساتھ آپ کے سہونگا نہ گر قتل کی جفا — مجھ سے رسولِ پاک خوشی ہونگے یا خفا
بیزار کیا نہ ہوگا دلِ شاہِ قتل کفا — (۸۸) پھر فاطمہ کہینگی مجھے صاحبِ وفا

مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

پالا ہے مجھ کو یا شہ دلگیر آپ نے — کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے — (۸۹) بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے

وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیے

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں　　مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
جینے نہ دیگا یہ غمِ جانکاہ کیا کروں　　(۹۰)　　چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
دَم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہوگئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہوگئی

غازی نے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر　　بولے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر　　(۹۱)　　یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب ہے

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری　　سب روئے مشک دوش مبارک پہ جب دھری
اک آہِ سرد زوجۂ عباسؑ نے بھری　　(۹۲)　　صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ کے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر عَلَم لیے　　مجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لیے
جرات نے بڑھ کے بوسۂ تیغ و دَم لیے　　(۹۳)　　نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہُما بن کے پھر گیا

آیا سجا ہوا وہ سمندِ بُراق سیر　　تھا جو فلک پہ اُڑنے کو تیار مثلِ طیر
ہوتا تھا اُس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر　　(۹۴)　　الحق سپاہ شر اُسے روکے تو یہ بخیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈھیں بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

وہ زیب و زین زین کی وہ ساز کی پھبن　　زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دُلھن
(۹۵)
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن　　سُرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن

جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے　　نعلین پاک کو فخر سے چوما ہلال نے
(۹۶)
بخشی جو صدر زیں کو ضیا خوش جمال نے　　دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے

کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی　　گرد اُڑ کے غازۂ رخِ لیلیٰ وشاں بنی
(۹۷)
جلوے سے راہ دشت بلا کہکشاں بنی　　ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی

سُم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقشِ سُمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب　　تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
(۹۸)
وہ رعب حق کہ شیر کا زہرہ ہوا آب آب　　صولت میں فرد فرد جرأت میں انتخاب

صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں

پہونچے جو دشت کیں میں اُڑاتے ہوئے فرس　　گھوڑے کو ہاتھ اُٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
(۹۹)
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راس و پیش و پس　　نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس

روکیگا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

بولے یہ بڑھ کے فوج مخالف کے پہلواں — دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
یاں آئے جو چلائے یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں — (۱۰۰) — ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دینگے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لال — نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال — (۱۰۱) — اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہونگے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو — لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
گر مائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو — (۱۰۲) — آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علیؑ کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں — شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں — (۱۰۳) — پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منھ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر — داد اشجاع باپ اُلوالعزم ہم دلیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں نرخیموں کے ڈھیر — (۱۰۴) — لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیر العلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

جرات جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں — لیتے ہیں گھاٹ پیر کے تیغوں کی آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں (۱۰۵) فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بادشاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب — گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب (۱۰۶) کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوال آب — سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اِس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب (۱۰۷) اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوج پیمبر بھی مل گیا
طوبےٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے — نیزے اُٹھا کے شیر کے منہ پر شرر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثل شہ قلعہ گیر آئے (۱۰۸) گیتی ہلی غضب میں جنابِ امیر آئے
گھوڑا اُڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا — یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا (۱۰۹) شش در تھی موت چار طرف قتل عام تھا
اِس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ رہوار کی — وہ رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہ دلدل سوار کی (۱۱۰) حملوں میں شان سب اسد کردگار کی

چتون وہی غضب وہی بیباکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

توڑا یہ مورچہ صف اُلٹی ادھر پھرے — تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے (۱۱۱) جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھرے

تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

منھ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا — یاں آئے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار میں دس سو میں اک جیا (۱۱۲) اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا

اُس پر بھی تشنگی میں نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

بیشک تھا ان کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ — پہونچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل اُٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ (۱۱۳) شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ

بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
پہونچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

چلتا تھا مثل برق یمین و یسار ہاتھ — ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
ان کی نہ ایک ضرب نہ ان کے ہزار ہاتھ (۱۱۴) کافی تھے سب کو تیغ دو دستی کے چار ہاتھ

آواز شش جہت میں بگیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

نعرہ جدا صدائے بگیر و بدہ جدا　　گوشے کماں سے دور تو گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمیں پہ ٹکڑے زرہ جدا　　(۱۱۵)　　نیزوں کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی ہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

جس کی طرف نظر دم جنگ و جدل پھری　　کچھ ہٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
رہواریوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری　　(۱۱۶)　　تلوار بھی گلوں کی طرف بر محل پھری
ایسے جری سے کس کو مجال مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں　　ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں　　(۱۱۷)　　چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اُٹھ کے تو پنجوں کے بل چلو

نیزے ادھر قلم تو اُدھر برچھیاں قلم　　ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم　　(۱۱۸)　　مُنھ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب سَن سے آئی سر پہ کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا　　ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا　　(۱۱۹)　　ٹھنڈا وہی تھا جنگ میں سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سپاہ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

نوٹ: روحیں پکاریں

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار ✻ تھا اس کے ہاتھ سے دلِ چار آئینہ فگار
ہاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار (۱۲۰) خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

جاتی تھی ہر پرے کی طرف سَن سے بار بار چڑھ کر سوار گرتے تھے تو سن سے بار بار
اُٹھتی تھی الاماں کی صدا رَن سے بار بار (۱۲۱) ہر سر کا بار اُترتا تھا گردن سے بار بار
غارت ہوے تباہ ہوے بے تزک ہوے
ضربِ گراں جو اُٹھ نہ سکی کیا سبک ہوے

ثابت رہی نہ ڈھال نہ مغفر نہ سر بچا سینے میں دل کو کاٹ گئی گر جگر بچا
دو ٹکڑے ہو گیا وہ اِدھر جو اُدھر بچا (۱۲۲) بے زخم کھائے ایک نہ بیداد گر بچا
تلوار سے کوئی کوئی ڈر سے ہلاک تھا
سالم تھا جس کا جسم جگر اُس کا چاک تھا

سر سے کمر میں تھی تو کمر سے تہہ فرس آفت کا منہ تھا قہر کا دم خم ستم کا کس
کشتے تڑپ رہے تھے چپ و راس و پیش و پس (۱۲۳) دو تھے اگر تو چار ہوے پانچ تھے تو دس
غل تھا وہی لڑے جسے سر تن پہ بار ہو
آفت بپا ہے کون اجل سے دوچار ہو

غل تھا شرارتوں سے اُس آتش زبان کی پریاں پکارتی تھیں کہ ہو خیر جان کی
دنیا میں شعلہ بار ہے آگ اُس جہان کی (۱۲۴) بدلی ہوئی ہے آج ہوا آسمان کی
بجلی خجل ہے ناز یہ اُس شعلہ خو کے ہیں
بوچھار ہے سروں کی وہ ڈیڑے لہو کے ہیں

✻ تھا اس کی ضرب سے دلِ فولاد بھی فگار

جب بڑھ کے سن سے صورتِ تیغِ علیؑ چلی ثابت ہوا کہ ضربتِ دستِ ولی چلی
(۱۲۵)
دل پر خفی چلی تو گلوں پر جلی چلی تن سے نکل کے روح پکاری چلی چلی

وہی تیغ نے صدا کہ ارادہ کدھر کا ہے
چلّائی موت چل یہی رستہ سفر کا ہے

خشکی میں تھی جو آب تو آتش تری میں تھی ہمنام ذوالفقار علیؑ صفدری میں تھی
(۱۲۶)
تلوار تھی کہ برق لباسِ پری میں تھی بے باک اِس لئے تھی کہ دستِ جری میں تھی

خوں بھی اُسے حلال دیت بھی معاف تھی
کاٹا تھا سو گلوں کو مگر پاک صاف تھی

سارے رسالہ دار تباہی میں پڑ گئے اب منہ کسے دکھائیں کہ چہرے بگڑ گئے
(۱۲۷)
نامی جو تھے جواں قدم اُن کے اُکھڑ گئے بھاگے جو سب نشاں بھی خجالت سے گڑ گئے

علموں کے پاس ڈھیر پھریروں کے رن میں تھے
ریتی پہ بیرقیں تھیں کہ مردے کفن میں تھے

پہنے ہوئے تھے جسم میں زرہیں جو چست چست چوٹیں کڑی پڑیں تو ہوئے وہ بھی سخت سست
(۱۲۸)
خوفِ اجل سے بھول گئے وعدۂ نخست ٹوٹی صفوں میں ہوش کسی کے نہ تھے درست

اک شور تھا کہ جان گئی اس لڑائی میں
گھوڑے بھگاؤ آگ لگی ہے ترائی میں

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
(۱۲۹)
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس

بوٹی نہ تھی سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھے نہ چلّے کمان پر

نسخہ: بوٹی نہ تھی سناں پہ نہ پرچم نشان تھی

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ رو سیاہ تھے — تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے (۱۳۰) — سب چھاؤنی اُجاڑ محلّے تباہ تھے

دکھلا دیا تھا خالقِ اکبر نے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے — اِس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا پہ تیغ شعلہ فشاں سدِّ راہ ہے (۱۳۱) — اِس معرکے میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے

برق — جنات ڈر کے ہاتھوں سے منھ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیلؑ کے پر کانپتے ہیں آج

ڈر ڈر کے پچھلے پانوں سپاہِ لعیں ہٹی — یہ صف سوے یسار وہ سوے یمیں ہٹی
سر کے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی (۱۳۲) — دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی

بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پہ چڑھ گیا

اللہ ری جنگِ شیرِ نیستانِ کربلا — چیونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا (۱۳۳) — کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا

جو گھاٹ پر — اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بندوبست — کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست (۱۳۴) — کیوں سر بلند کون ہوا اس وقت کون پست

فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اُڑائے ہیں
کو — دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑکے آئے ہیں

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے　　فاقوں میں شیر بھی مقابل تو مُنھ کی کھائے

کس دبدبے سے جوہرِ تیغِ علیؑ دکھائے　　(۱۳۵)　　اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے

بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زبان سے کہا تھا وہ کر چکے

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس　　چاہیں اگر تو ہاتھ بڑھا کر بجھا لیں پیاس

پر زہر ہے بغیر شہ آسماں اساس　　(۱۳۶)　　مرتے ہیں آبرو پہ جوانانِ حق شناس

آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے　　غلامان
بے اُن کے آبِ خضر بھی گر ہو تو خاک ہے

فرماکے یہ سمند کو ڈالا فرات میں　　گویا خضرؑ اُتر گئے آبِ حیات میں

دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں　　(۱۳۷)　　تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں

سیراب جب تلک کہ شہ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

گرمی میں تشنگی سے کلیجہ تھا آب آب　　تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب

آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب　　(۱۳۸)　　کہتا تھا مُنھ کو پھیر کے وہ آسماں جناب

عباس آبرو میں تری فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام　　اڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ شام

یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام　　(۱۳۹)　　ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام

موجیں تھیں رودِ نیل کی فوجوں کا زور تھا
پروا ہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

نسخہ کام: گر آبِ سلسبیل بھی ہوتے تو خاک ہے

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم — کاندھے پہ مشک آب تھی پنجے میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دمبدم (۱۴۰) — کرتا تھا جا بجا تک و دو اسپ خوش قدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں پہ جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پانوں دراتے تھے ریت میں ٭

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر — کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
چلا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر (۱۴۱) — جانے نہ پائے لخت دل شاہ قلعہ گیر
رُخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو — بڑھنے
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

سُن کر زباں درازی شمر ستم شعار — عباس مثل شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار (۱۴۲) — توڑی اگر یہ صف تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یاد خاکرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر — پیاسے تھے ان کے خون کے ذوالکھ اہل شر
کھائے ادھر سے زخم جو کی اُس طرف نظر (۱۴۳) — کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینے پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھے ڈھال — لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال (۱۴۴) — فرزند کو سنبھالیے یا شیر ذوالجلال
جا پہونچوں مشک لے کے جو تھوڑی سی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

٭ بعض قلمی نسخوں میں اس بند کے بعد یہ بند ہے:- کھیرے تھے ایک جان کو دو لاکھ اہل شر — ٹھہرے کہاں تڑپ کے تڑپتے تھے جس طرف
بھالی نہ تھی کہاں پہ سنانِ تیز تیز — بجلی سے تیز چلتے تھے تلوار کے ہدف
ہر سو اِسی طرف تو کہیں اُدھر جھپٹ — گو شور سے تیر چلتے تھے پر وہ سنے

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر　　بس چور ہو گیا پسرِ شاہ قلعہ گیر
آکر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر　　(۱۴۵)　　تیورا گیا علیؑ ولی کا مہ منیر
چھوٹی جو باگ پانوں فرس کے بھی رُک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہ پہ جھک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اُس طرف کا حال　　ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی رخ زرد جی نڈھال　　(۱۴۶)　　یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقت انتقال
گر گر اُٹھے تڑپ کے اِدھر سے اُدھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی　　پکڑی طنابِ خیمہ کبھی اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی　　(۱۴۷)　　روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے بیٹے سے بار بار　　شانے دباؤ اے علی اکبر پدر نثار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار　　(۱۴۸)　　بازو کا زور لے گئے عباسِ نامدار
واحسرتا کہ بیکس و بے یار ہو گئے
سر پٹیں کس سے ہاتھ تو بیکار ہو گئے

چلاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ　　پہونچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ　　(۱۴۹)　　عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہے

حضرت تو پہنچتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال　　خیمے میں غش ہے زوجۂ عباس خوشخصال
ڈیوڑھی پہ اہلبیت ہیں سب کھولے سر کے بال　　(۱۵۰)　　پردے سے منہ نکالے ہیں اطفال خوردسال
میں　　لب اُن کے اوندے اوندے ہیں منہ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر　　اب پانی لے کے آتے ہیں عباس نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بہ چشم تر　　(۱۵۱)　　میرے چچا کب آئیں گے یا شاہ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئینگے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستمگار ہائے ہائے　　مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے میں پانی سے گذری نہ مشک آئے　　(۱۵۲)　　ہو ہو بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر　　تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحر و بر
چلّائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شر　　(۱۵۳)　　حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسؑ نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

افشاں ہے سر کے خون کے چھینٹوں سے سب نشان　　عباسؑ کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشان
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشان　　(۱۵۴)　　کیوں اے حسین کون اُٹھائے گا اب نشان
لاش ان کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار — آقا تمام ہوتا ہے یہ عبد جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکے ہے جانِ زار (۱۵۵) — اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار

بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان — گھر لٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان (۱۵۶) — اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان

دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیا ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

دیکھا جو در سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال — ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
چلائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال (۱۵۷) — مُڑ کر کہا حسینؑ نے عباسؑ خوش خصال

دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
زینبؑ اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

خورشید مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا — حیدرؑ کا نورِ عین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا (۱۵۸) — زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا

آتا نہیں قرار دلِ بیقرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گذار کو

اکبرؑ کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار — ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غمگسار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار (۱۵۹) — اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہو شیار

گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھ کو مضبوط تھام لو

طاعت

اکبرؑ پدر کو تھامے ہوئے نہر پر چلے — غلطاں لہو میں بازوئے سرورؑ کے ہاتھ پائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے (۱۶۰) — فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رولیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبرؑ تمھیں دکھاؤ برادر کی لاش کو

اکبرؑ نے شہ کے ہاتھ پکڑ کر بصد بکا — رکھے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
لیجے یہی ہے لاش علمدار باوفا (۱۶۱) — چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیا ذرا گلے سے لگا لو حسینؑ کو

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب — ریتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسولؐ کی اُمت نے بے سبب (۱۶۲) — بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے جلاؤ ہمیں مُنھ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر — آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر (۱۶۳) — ثابت ہوا کہ جلد ہے دُنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیل مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

غش میں سُنی جو گریۂ شبیر کی صدا — چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسؑ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفیٰؐ (۱۶۴) — اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسول آئے ہیں مشکلکشائی کو

یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور — جُھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور (۱۶۵) — لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشم اشک فشاں بند ہو گئی
تھرّائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہو گئی

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ تشنہ کام — گودی میں پانوں لے کے دبانے لگا امام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کام (۱۶۶) — تھرائی لاش مر گئے عباسؑ نیک نام
گردن پھری ہوئی سوئے سبط نبی رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی ⁂

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے — تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے (۱۶۷) — تاریخ آٹھویں ہے محرّم تمام ہے
موت آئی تو شریک عزا کون ہوئیگا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو روئیگا

ہاں مومنو یہ شاہ کی ہے مجلسِ عزا — زہرا بھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
آگے تمہارے مرتے جو عباسؑ باوفا (۱۶۸) — پُرسا نہ دیتے سبط رسولِ خدا کو کیا
سمجھو شریکِ بزمِ شہ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو

بس لے انیس روک لے اب خامہ کی عناں — یہ غم ہے جاں گزا نہ کبھی ہوئیگا بیاں
آنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں رواں (۱۶۹) — خالق سے کر یہ عرض کہ خلّاقِ انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں فرازِ بتول کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسول کو

چھٹوں دن

⁂ بعض نسخوں میں اس بند کے بعد یہ بند بھی ہے۔ اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے — جُھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کدھر گئے
تھرائی لاش مر گئے عباسؑ نیک نام — تم بھی ہمیں یتیم نہ چھوڑ دو اے عمِ بزرگوار
گردن پھری ہوئی سوئے سبط نبی رہی — اب کون دیگا گود میں بوسے کے واسطے
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی — منہ تو اٹھا کہ تیرے ہی ماموں ہیں سامنے
ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے — ناصر تمام حسینؑ کو بیٹا سمجھ گئے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے — ہم بھی یتیم ہو گئے تم نے چھوڑ دیا

مرثیہ

کیا غازیانِ فوجِ حسینؑ انام کر گئے (۱) لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
اُمّت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے فیض اپنا مثل ابر کرم عام کر گئے

پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر اُنکے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیندار و سر فروش و شجاع و خوش اعتقاد ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخل قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد (۲) مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد

تیغوں سے بند کون سا اُن کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پانوں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہیگا چرخ میں گر آسمان سپہر لیکن نظر نہ آئے گا اُن کا کہیں نظیر
گورے نہ اُن کے پانوں نہ روئے مہ منیر (۳) خورشید جن کے سامنے اک ذرۂ حقیر

پر خوں قبائیں جسم میں سینے تنے ہوئے
پہونچے ریاض خلد میں دولھا بنے ہوئے

رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنی قمر اُن کے سامنے (۴) اُڑتا تھا رنگ روئے سحر اُن کے سامنے

بخشا تھا نور حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود — دیکھیں جو اُن کا نورِ تو قدسی پڑھیں درود
رُخ سے عیاں جلال و جوانمردی و نمود (۵) شیدائے آلِ شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی اُنھیں صحبتِ امام — تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدرؑ سے دل کے جام (۶) ذبحِ قدر و ذبحِ شعور و دلاور خجستہ کام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسم پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب — تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور وہ جلال وہ رونق وہ آب و تاب (۷) زہرا کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

کل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ — جعفر کے لاڈلوں نے دیے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ (۸) پامال ہو گیا حسنِ مجتبیٰ کا باغ
لاشے اُٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گریں یہ کوہ مصیبت وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ ٹوٹنے لگی دولتِ پدر — نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیر نر (۹) رخصت ہوئے حسینؑ سے عباسؑ نامور
دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

پیری میں قہر ہے خبرِ مرگ نوجواں ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انسِ جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں (۱۰) تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر اُلٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلبیت دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلبیت
ہم لُٹ گئے گذر گیا سقائے اہلبیت (۱۱) فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلبیت
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کِسے بچّے دکھائیں گے

ہلتا تھا خیمہ روتے تھے یوں اہلبیتِ شاہ صدمے سے حال زوجۂ عباس تھا تباہ
چلّاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ (۱۲) ہے ہے میں لٹ گئی مرے بچّے ہوئے تباہ
خم تھے گرا تھا کوہِ مصیبت حسینؑ پر
ماتم تھا بی بیوں میں سکینہ کے بین پر

ماتم اِدھر تھا جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عُمر اُدھر (۱۳) روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرتؑ اِدھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسین بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آئیے حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائیے (۱۴) گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہائیے
آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اُپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

کاٹے ہیں جس نے بازوے لختِ دلِ امیر ہے خوب آبدار وہ شمشیر بے نظیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر (۱۵) یہ گرز وہ ہے ضرب سے جس کی ہوئے اخیر

تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوکر
برچھی یہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ انس و جاں اِک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
رونے سے جی اُٹھینگے نہ عباس نوجواں (۱۶) حضرت پکارتے ہیں کسے بھائی اب کہاں

ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

اکبرؑ نے کی غضب کی نظر سوے فوجِ شام کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام (۱۷) سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگامِ جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

اُن کے کلام سُننے کی کس کے جگر میں تاب خادم زبان تیغ سے دے گا اُنھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب (۱۸) نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب

آدابِ شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

عمو کو قتل کر کے بہت ہو گئے ہیں شیر ان ظالموں کے زعم میں اب ہم نہیں دلیر
معلوم ہو گا لاشوں کے جب ان میں ہونگے ڈھیر (۱۹) دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر

مجمع جو ہے اُدھر ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یوں ہی سہی ہم اُنھیں کیا سمجھتے ہیں

جوہر دکھائیں ہم کو بہادر جو ہیں بڑے　　تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
کیا لطف ہے جو ایک پہ تسوّل کے گر پڑے　　(۲۰)　　چاہیں جو ہم تو نہر کو لیں کھڑے کھڑے
دبتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر شیر ہیں

ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند　　کوفے میں لیں گے دم جو اُٹھائینگے پھر سمند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہی یہاں جان درد مند　　(۲۱)　　کاٹیں تبر سے تیغ سے خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغ زباں کے زخم اُٹھائے نہ جائیں گے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے مُنھ کو شاہ　　فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشکِ ماہ　　(۲۲)　　لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
غصّہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو

برہم نہ ہو تمھیں سرِ شبیر کی قسم　　لو گھر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم　　(۲۳)　　تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بددعا کروں
پر اُمّتِ نبی ہے بجز صبر کیا کروں

یہ سُن کے زرد ہو گئے ہمشکلِ مصطفےٰؐ　　رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا　　(۲۴)　　بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملے گر تو موت ہے

کیا پہلے سر کٹائیے گا یا شہ زماں　　کس اشتیاق سے شہ دیں نے کہا کہ ہاں
آگے جو کچھ رضائے خدائے پدر کی جاں　　(۲۵)　　جیتے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں

یہ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے سلطان بحر و بر　　پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبرؑ بہ چشم تر　　(۲۶)　　کی عرض رحم کیجیے مر جائے گا پسر
آگے مرے جو ہوگی شہادت امام کی
دُنیا میں آبرو نہ رہیگی غلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام　　یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
عمّو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام　　(۲۷)　　ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
عزّت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو بیچ میں کام آئے باپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب　　بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب　　(۲۸)　　کیسا لہو سفید ہے دُنیا کا ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسولؐ رن کی رضا دیجیے مجھے　　صدقہ علی کا اذن و غا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام جلا دیجیے مجھے　　(۲۹)　　یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبر نثار ہو

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر — پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کا عصا سے ضعیفی جواں پسر (۳۰) — جب تم نہ ہوگے پاس تو مر جائے گا پدر

ایسے ہنسنے نہ تھے کہ ہمیں تم رُلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

راتیں یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن — پورے جواں نہیں ابھی کیا ہے تمہارا سن
اکبر تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن (۳۱) — کیونکر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بن

کیسی ہوا چلی چمنِ روزگار میں
سیّد کا باغ لُٹتا ہے فصلِ بہار میں

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال — ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یوہیں کرتا وہ جب سوال (۳۲) — تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصت جلال

کیا جانے وہ مزا جسے اِس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کرکے بولے علی اکبرِ غیور — لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور (۳۳) — برچھی لگا کے دل پہ خوش آمدید کیا ضرور

تقریر میں پدر کو نہ آب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو رضامند کیجیے

ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار — تم سے جو شوہر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار (۳۴) — ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار

سینے میں دل ہلیگا بدن تھرتھرائیگا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اُس کو آئیگا

سب جانتے ہیں جو ہی پھوپھی کو تمھاری چاہ　　معلوم ہوگا جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
باہیں گلے میں ڈالیگی زینب باشک و آہ　　(۳۵)　　قدموں پہ گر کے آپ کے ماں ہوگی سد راہ

یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

حسرت یہ ایک کو ہی کہ دولھا بنے پسر　　آئے دلھن جو چاند سی آباد ہو یہ گھر
پوتے کی آرزو میں ہے ایک سوختہ جگر　　(۳۶)　　نخل مراد کا یہی دنیا میں ہے ثمر

ہر دم یہی ہے ذکر جو فضل آلہ ہو
انیسویں برس علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

ماں کہتی تھی بناؤں گی دولہ اسی برس　　مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا نہ انکا بس　　(۳۷)　　ہم بھی مریں گے خیر نہیں اتنا پیش و پس

شکوہ نہ چرخ کا نہ شکایت ہے آپ کی
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام　　کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیکنام　　(۳۸)　　دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام

دامن سے آکے بالی سکینہ چمٹ گئی
زینب بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلعذار　　تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار　　(۳۹)　　کھولو بس اب کمر کہ مرا دل ہے بیقرار

گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

ترے قبا پسینے میں سُکھا کوئی ہلاؤ　　سونا لگے ہو دھوپ میں واری ہوا میں آؤ
(۴۰)
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی بیٹھ جاؤ　　گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ

صدمہ جو دل پہ ہو اُسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر　　جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
(۴۱)
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر　　لٹتا ہے کوئی آن میں خیر النسا کا گھر

ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اِس وقت کس سے دردِ دل اپنا کہوں میں آہ　　تم بھی ہو ستدراہ پھوپھی بھی ہیں ستدراہ
(۴۲)
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ　　اماں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ

اب زندگی ہے تلخ بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

دیتے نہیں رضا جو امامِ فلک اساس　　خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
(۴۳)
اب غیر یاس کوئی نہیں اُن کے آس پاس　　ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس

کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری میں دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں

عباسؑ جب سے مر گئے روتے ہیں دمبدم　　رُخ زرد ہے کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
(۴۴)
چلّوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیِ ستم　　قرباں ہوں کس طرح پسر فاطمہ پہ ہم

سب روکتے ہیں اُن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو پھوپھی کو بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ　　راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑوا اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ (۴۵) یا فاطمہ تمھیں علی اکبر کے کام آؤ

چلنے لگیں نہ تیر شہ مشرقین پر
نرغہ ہے ظالموں کا تمہارے حسینؑ پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابی پسر　　وارث کی بیکسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر (۴۶) دولت پہ فاطمہ کی تصدق تمام گھر

پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیئے تمھیں کب روکتی ہوں میں

زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار　　عابد نثار اصغر تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھ سر نثار (۴۷) قربان گھر کنیز تصدق پسر نثار

کسر اُٹھائی گو کہ ہوں پہ بہو بیٹیں علی کی ہوں
مانگو گے جو وہ دونگی کہ لونڈی سخی کی ہوں

۱۰۱ مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال　　رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا کیا مری مجال
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال (۴۸) رخصت کا صدقے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال

ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمھارے سب　　لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو اُٹھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب (۴۹) لیجیے اُنھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب

مجھ سے نہ کچھ نہ سیدِ عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر پھوپھی کے پاس — دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
زانو پہ سر لئے ہوئے کبرا ہے بے حواس (۵۰) — اس حال میں بھی لب پہ یہی ہیں کلام ہیں
اب تاب و طاقت جسد و روح و دل گئی
کیوں صاحبو رضا علی اکبر کو مل گئی

اکبرؑ سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب — اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
اس گل نے ہائے میری یا خت بھلائی سب (۵۱) — نام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
ہیں محو رن کے شوق میں رخصت کے دھیان میں
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم — مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم (۵۲) — ہے ہے وہ میرا درد و مصیبت وہ رنج و غم
جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں

کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی — بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
بے اُن کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی (۵۳) — روئیں پسر پہ اُن کو رُلاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خرد سال — پر ان کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال (۵۴) — میں کہتی تھی ہٹو علی اکبرؑ ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پانوں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا — پر عون کیا عقیل تھا بخشے اُسے خدا
(۵۵)
دن رات تھی خوشا مدِ ہمشکلِ مصطفیٰ — سینے پہ جب یہ سوئے تو اُس نے یہی کہا

آقا کے نورِ عین ہیں عالی مقام ہیں
آقا ں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر — اُلفت میں اِن کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
(۵۶)
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر — صورت پہ تھی انھیں کی تلاوت میں بھی نظر

غافل نہ ان کے پیار سے مَیں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پر تھا حمائل میں جان تھی

مَیں نے انھیں صدقے کیے اپنے دونوں لال — تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
(۵۷)
مانگے تو آ کے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال — نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال

کیا خوب جیتے جی مرے جائینگے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار — اب کیا غرض گذر گئی وہ فصل وہ بہار
(۵۸)
بھیگیں مسیں نمود ہوا سبزۂ عذار — مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار

ثابت ہوا اِدھر سے اُدھر مرنے جائینگے
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئینگے

باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام — بھابھی نے کیوں لیا تھا ابھی روکے میرا نام
(۵۹)
سینے پہ مُنھ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام — آنکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام

خادم جُدا نہ تھا شہ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب — کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضی جناب
(۶۰)
روتا ہوں میں کہ صبر کی مجھکو نہیں ہے تاب — شکوہ یہ خاکسار کا لے بنتِ بو تراب

ہر دُکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
یا الٰہی مجھکو مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہُوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی — کرتی ہے روح شکر وہ راحت مجھے ملی
(۶۱)
یوسفؑ کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی — رکھا عزیز آپ نے عزت مجھے ملی

صدقہ ہے اس قدم کا جو ستر فلک گیا
کی مہر آفتاب نے ذرہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رَن کو بھی جائے نہ یہ غلام — بندے ہیں ہم اطاعتِ مالک سے ہم کو کام
(۶۲)
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام — مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام

روتی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائینگے
پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائینگے

یہ کہہ کے جُھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار — بس ہوگئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
(۶۳)
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اُٹھیں بحالِ زار — شکوے کے بدلے مُنہ سے یہ نکلا کہ میں نثار

اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کر بلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو — صدقے ہے تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو
(۶۴)
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو — روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو

آئے بلا حسین پہ جو اُس کو رد کرو
اچھا سدھارو دُکھ میں پدر کی مدد کرو

الفت کے جوش میں تو یہ مُنھ سے کہا مگر　　اُٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
(۶۵)
کبرا کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر　　کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وار اُنکا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئیگا گھر میں یہ نونہال　　ہے ہے مری کمائی پہ آجائے گا زوال
(۶۶)
جس وقت سے شہید ہوئے ہیں یہ نورِ لال　　بیہوش ہوں حواس میں ہی میرے اختلال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ میں نہ ہو سخن اُس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب　　میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
(۶۷)
لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب　　اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب
اصلا خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا مرنے کو جائے یہ گلبدن　　راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن
(۶۸)
بیخود ہوں جب سے رن میں سدھارے شہ زمن　　کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبرؑ کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل نہ زباں اختیار میں

زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں　　اس پیاس میں شہید ہوں فاقوں میں زخم کھائیں
(۶۹)
اٹھارھواں برس ہے دُلھن تو مجھے کھائیں　　پالا ہے منتوں سے مُرادیں مری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہو اب جگر ایسا نہ ہو کہ بانو سے بیکس کو ہو خبر
(۷۰)
گر سُن لیا تو دل میں کہیگی وہ نوحہ گر پیارا ہوا نہ بنت علیؑ کو مرا پسر
سمجھی تھیں کیا جو دی ہے رخصت جلال کی
زینب نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

سچ ہے کہ اُس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں ہوں لاکھ اُن کی چاہنے والی وہ پھر ہیں ماں
(۷۱)
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں آخ آتما کی ہے وہ قیامت کہ آلا ماں
کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خیر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے

ماں کی نہ کم توجہی اور نہ کسی کا پیار غصہ ہو یا کہ سخت کہے دل میں ہے نثار
(۷۲)
بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار دُنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال پھر اُسکی تو جان ہیں

جس دم سنے یہ دُور سے بانو نے سب کلام آئی قریب حضرت زینب وہ نیک نام
(۷۳)
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہر امام میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
کس کی مجال ہے جو کہیگا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

لونڈی ہے فاطمہؑ کی کنیزوں میں باوفا ہو قطع وہ زبان جو کرے آپ کا گلا
(۷۴)
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا
کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

غم کھائیے نہ خون جگر آپ پیجیے — عابد کو بھیج دیجیے اصغر کو بھیجیے
(۷۵)
ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجیے — قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجیے

شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں

گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں — شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
(۷۶)
کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطاں کی جائی ہوں — لونڈی ہوں آپ کی علی اکبر کی دائی ہوں

صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں
بھاوج نہ جانیے مجھے ادنیٰ کنیز ہوں

آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال — دخل اس معاملے میں کوئی دے یہ کیا مجال
(۷۷)
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال — قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال

آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قسمت بری ہے اس میں کسی کا قصور کیا — اچھا رہیں کہ جائیں ہمارا بھی ہے خدا
(۷۸)
پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا — تابع ہم آپ کے بھی ہیں ان پر بھی ہیں فدا

عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں

یہ سُن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار — آئی صدائے فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار
(۷۹)
اللہ یہ محبتِ فرزند اور یہ پیار — تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گلعذار

رخصت نہ دے گی تو اگر اس نورعین کو
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسین کو

آواز سُن کے کانپ گئی بنتِ مرتضا — بانو کے مُنھ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
(۸۰)
واری سدھارو خیر جو کچھ مرضیِ خدا — ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنتِ نبی تمھاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کرکے خیمے سے وہ سیمبر چلا — پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
(۸۱)
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا — چلاتی تھی پھوپھی مرا لختِ جگر چلا
لٹتے ہیں اہلبیت دوہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

بھائی کے غم سے عابدِ بیکس تھے بے قرار — اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
(۸۲)
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیّا ترے نثار — سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بحال زار
اک حشر تھا جدا علی اکبر جو ہوتے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے

ہلتا تھا خیمہ انڈوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی — آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
(۸۳)
کوئی اِدھر کو غش تھی کوئی تھی اُدھر پڑی — آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسین کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور — خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوے حضور
(۸۴)
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور — دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکم شہ نامدار ہو
رو کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو

نبیرہ کو جب حسینؑ کا نورِ نظر چلا
نبیرہ

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار — گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
(۸۵)
تھا ثانی براق فلک سیر راہوار — صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار

یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تھام کر جگر — جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
(۸۶)
آتا ہے اک جوان حسیں غیرتِ قمر — چہرے پہ جس کے نورِ محمد ہے جلوہ گر

شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

ہے دُھوم ذرے ذرے میں اِس آفتاب کی — خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک و گلاب کی
(۸۷)
سرتا قدم ہے شانِ رسالت مآب کی — تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی

گھوڑے کے گرد جن و ملک کا ہجوم ہے
صَلُّوا عَلَی النَّبِی کی بیاباں میں دُھوم ہے

روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو — رُخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
(۸۸)
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو — آغوش میں لئے ہے شبِ قدر ماہ کو

چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا — گویا رسولِ پاک کا رن میں گذر ہوا
(۸۹)
چلائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا — ہنگامِ ظہر تھا پہ گمانِ سحر ہوا

جلوہ دکھایا برقِ تجلی طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

غش ہو گیا کوئی کوئی گر کر سنبھل گیا — صلِ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
(۹۰)
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا — چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا

دریائے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا
سب پست تھے زمیں کے تو اک اوج تھا

صحرا کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا — جو مُردہ دل تھے دم میں انھیں زندہ کر دیا
(۹۱)
ذرّوں کو آفتابِ درخشندہ کر دیا — گردوں کو اس زمین نے شرمندہ کر دیا

پایہ زمیں کا عرش کے ہمدست ہو گیا
جلوے سے اوج کا ہمہ شاں پست ہو گیا

اللہ رے نبیرۂ مشکلکشا کی شان — تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
(۹۲)
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان — حمزہ کا رعب و حیدرِ مصطفیٰ کی شان

پاکیزگی نسب میں بزرگی صفات میں
شیرینیٔ کلام حسنؑ بات بات میں

کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب — وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
(۹۳)
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب — پُتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب

گرون کی ضو میں طورِ تجلیٔ طور کے
سب عضو تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

دل پاک روح پاک نظر پاک جسم پاک — طینت میں آب خلد تھا اور کربلا کی خاک
(۹۴)
غرفوں سے جسکے حسن کی حوروں کو جھانکا تاک — یوسفؑ جو دیکھ لے تو کہے روحنا فداک

نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
سو بار پڑھ کے سورۂ نور اس پہ دم کیا

کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ
رکھتی تھی رعب یہ نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
(۹۵)
لاکھوں تھے اُس طرف پہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ
غصہ ستم کا قہر کی چتون غضب کی آنکھ

پانی تھا خوف جاں سے جگر ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

گل تھا رسولِ پاک کے ثانی کو دیکھنا
حسن بہار باغ جوانی کو دیکھنا
(۹۶)
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا
یہ سب تو ہے پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا

نازک لب اس صفت کے دہن اس طرح کا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

کچھ عمر میں نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال
یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
(۹۷)
قامت ہے یہ کہ سرو گلستانِ اعتدال
ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہوں نہال

آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوگی
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوگی

زخمی جو ہوگی تیر سے یہ چاند سی جبیں
پٹکے گی سر کو خاک پہ بانوے داغ حزیں
(۹۸)
تیغوں سے جب کٹینگے یہ رخسار نازنیں
پیٹینگے دونوں ہاتھوں سے منھ اپنا شاہ دیں

سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایوب بھی جو ہو تو کلیجہ نکل پڑے

ناگاہ فوج کیں سے عمر نے کیا کلام
یہ وقت کارزار ہے اے ساکنانِ شام
(۹۹)
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہ خاص و عام
مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام

لوٹو جناب فاطمۂ زہرا کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسین کے گھر کے چراغ کو

تصویرِ مصطفےٰ کی مٹائے گا آج جو　　کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہوگا وہ
محبوبِ کبریا کے مشابہ ہے گر تو ہو　　(۱۰۰)　　اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اُسے نہ دو

ہے اِس سے کیا مراد حسیں ہے کہ نیک ہے
دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور وہ ایک ہے

دنیا نہ جائے دین کا گر ہو تو ہو ضرر　　ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
تم آبدیدہ ہو جو خشک اُس کے دیکھ کر　　(۱۰۱)　　قطرہ نہ دوں میں گھٹنیوں اصغر بھی آئے گر

غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو
اولادِ مرتضیٰ میں کسی کا نشاں نہ ہو

ہاں غازیو نہ اس کی جوانی کا غم کرو　　نیزے پہ نیزے مارو ستم پر ستم کرو
برچھی اُٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو　　(۱۰۲)　　نخلِ مرادِ سبطِ نبی کو قلم کرو

بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائینگے حسینؑ
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائینگے حسینؑ

چھد جائیگا سناں سے جو اس شیر کا جگر　　تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرا پسر　　(۱۰۳)　　نکلے گی خیمہ گاہ سے زینب برہنہ سر

حضرت تو پٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

یہ گلعذارِ دخترِ حیدر کی جان ہے　　بہنوں کی زندگی ہے برادر کی جان ہے
بابا کی روح ہے تنِ مادر کی جان ہے　　(۱۰۴)　　بے جاں کرو اسے کہ یہ سب گھر کی جان ہے

جوشن یہی ہے بازوئے برنا و پیر کا
بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

یہ سُن کے فوج کیں ہوئی آمادۂ نبرد　　درد دِل حسین کا تھا ایک کو نہ درد
غل سُن کے ہو گیا شہ والا کا رنگ زرد　　(۱۰۵)　　کانپے جو پانوں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد
ماں گر پڑی زمیں پہ پھوپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھا گئی

قرنا پھنکی سپاہ میں طبل و غا بجا　　باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جا بجا
پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا　　(۱۰۶)　　چلّائے اہلبیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
رانڈو دعا کرو علی اکبر اکیلے ہیں

لڑنے کو اس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے　　تنہا ادھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
چوٹے قدم نہیب سے جھک کر یہ جب بڑھے　　(۱۰۷)　　گویا پئے جہاد امیرِ عرب بڑھے
دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی دن جو بڑھا رات گھٹ گئی

ڈھالوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود　　گو تھے کئی ہزار پہ کیا اُن کی ہست و بود
تھرا گیا تمام جنودِ سقر و رود　　(۱۰۸)　　نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود
عبرت سپاہِ شام پہ وہ چند ہو گئی
باجوں کی فوج کیں کے صدا بند ہو گئی

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ　　صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغ شعلہ رنگ
چمکا اک آئینہ کہ ہوئی فوج شام دنگ　　(۱۰۹)　　دکھلائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آ گئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر — جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر (۱۱۰) — کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور و شور سے آئی گذر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اوّل کدھر گئی

جب یہ بڑھے لہو تن اعدا کا گھٹ گیا — باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا (۱۱۱) — بس دفعتہً سپاہ کا دفتر اُلٹ گیا
سر دادخیل خزانۂ سرکار ہو گئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی — جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سر پر بھوں کے تیغ ہلالی نظر پڑی (۱۱۲) — سوے جنوب فوج شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے
کیونکر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر — چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر
پیشِ نظر تھے خون کے تھالے اِدھر اُدھر (۱۱۳) — ابتر تھے دشت کیں میں رسالے اِدھر اُدھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا
شیرازہ کھُل گیا تھا ستم کی کتاب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی — چار آئینہ کٹا زرہ خیر سر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی (۱۱۴) — سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد منھ کو جو دیکھا تو صاف تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اُسکی چمک دمک — کانپی کبھی زمیں کبھی تھرا گئے فلک
شعلہ میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک — (۱۱۵) ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک

کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاہِ زمیں سٹکتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

سیدھی چلی وہ جب صف دشمن اُلٹ گئی — باقی تھی جتنی عمر تہ تیغ کٹ گئی
آکر زمیں پہ جب سوے گردوں پلٹ گئی — (۱۱۶) بجلی سے رعد رعد سے بجلی لپٹ گئی

گرتے تھے جن زمین پہ منھ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیل امیں کانپ کانپ کے

ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں — چلّے کہیں تھے شست کہیں اور کماں کہیں
نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں — (۱۱۷) جمدھر کہیں کمند کہیں برچھیاں کہیں

اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

چکّی گری اٹھی اِدھر آئی اُدھر گئی — خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی — (۱۱۸) ندّی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی

اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو روزِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سر خود سروں کے خنجرِ گردن سے اُڑ گئے — ہاتھ آستیں سے اُڑ گئے سر تن سے اُڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اُڑ گئے — (۱۱۹) پائی جو راہ طائرِ جاں سُن سے اُڑ گئے

تھے قتلِ عام پر علی اکبر تلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

اللہ رے دو آبۂ تیغ دو دَم کا کاٹ　　آفت تھی جسکی باڑھ قیامت تھا جسکا گھاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ　　ہر دَم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغزِ فلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی　　تن سے اُڑا دیا وہیں سر جس کو پا گئی
ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی　　فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئنہ کا کاٹ اسی کے حوالہ تھا
ذکر اُس کا کیا ہے خود تو منھ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا نہ صورت فرار کی　　پَیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
روئیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی　　ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو مُنھ وہیں کٹ جائے گیو کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچہ تھا دیو کا

اُتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی　　دم بھر میں آب تیغ کی ندی غضب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کہ کب اُتری یہ کب چڑھی　　سب کو بخار تیغ سے لرزے کی تپ چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تُل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی　　پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی　　بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

قعرِ سقر میں کشتۂ ضربِ نخست تھے — بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چُست تھے
قبضے میں تھا نہ زور نہ بازو درست تھے (۱۲۵) کھینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی سُست تھے
ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم یہ نیا شاخسانہ تھا

تینوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے — مغفر سروں سے مثلِ سبو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لبِ جو پھینکنے لگے (۱۲۶) تنکا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتح جنگ کو جو ایک آن میں — رعشہ تھا اُن کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
اُلجھاتے تھے کمند کمینے کمان میں (۱۲۷) ترکش میں تیغیں رکھتے تھے نیزوں کو میان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے مُنھ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے — پہلے انھیں کو مار لیا رول رول کے
حملہ کیا جو تیغِ دو دم تول تول کے (۱۲۸) ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے
اِس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبرؑ غضب لڑے

وحشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے — اِس گھاٹ پر جو آئے سو اُن کے اُتر گئے
رستہ تھا ایک اِدھر وہ گئے یا اُدھر گئے (۱۲۹) ہر پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
نارِ اُن کے اشتیاق میں آبِ اُن کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے پانی میں پانی نے آگ میں

وہ حرب وہ شکوہ وہ شانِ ہمیبری　　نعرے وہ زور و شور کے وہ ضربِ حیدری
وہ تیغ خونچکاں وہ جلالِ غضنفری　　(۱۳۰)　راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری

چالاک آہو ان ختن اِس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہُما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں　　گُنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہوئے سرنگوں
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں　　(۱۳۱)　غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کہوں

قرباں ہزار جاں فرسِ بے نظیر پر
سو فارد و چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کوتاہ و گرد و صاف کنوتی کمر کفل　　کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل　　(۱۳۲)　پھرتا تھا اِس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل

راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تازِ نفس بھی اُس کے لئے تازیانہ تھا

وہ جست و خیز و سُرعت و چالاکی سمند　　سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سُم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند　　(۱۳۳)　نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

گرہل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال　　کبک دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال　　(۱۳۴)　اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال

جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا　　آیا عرق تو ابر گہربار بن گیا
گہہ قطب گاہ گنبدِ دوار بن گیا　　(۱۳۵)　نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا

حیراں تھے اُسکی گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اِس جری نے قتل کئے پانچ سو جواں　　ہر صف سے ہر پرے سے اُٹھا شور اَلاماں
چلّا یا ابن سعد سیہ قلب و سخت جاں　　(۱۳۶)　نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں

برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیے
اِس نوجواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

فاقہ ہے تین روز کا سولہ پہر کی پیاس　　دیکھے نہ بیرہٗ اسد اللہ کے حواس
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس　　(۱۳۷)　برساؤ تیر دُور سے جاؤ نہ اُس کے پاس

بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اُٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

یہ سُن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر　　پتھر عقب سے پڑنے لگے روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر　　(۱۳۸)　سب سرخ تھے شبیہ نبیؐ کے لہو سے تیر

مقتل میں کیا ہجوم تھا اُس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

سینے پہ تیر کھا کے اُٹھایا جو راہوار　　بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغ آبدار　　(۱۳۹)　تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار

حملہ کیا تھا جن پہ رُخ اُن کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سنانوں میں وہ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوط شعاعی میں آفتاب

(۱۴۰)

سوکھی زباں پہ پڑ گئے کانٹے بغیر آب
طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب

آمد ہوئی جو غش کی سرِ پاک جھک گیا
واحسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رُک گیا

(۱۴۱)

اِس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم

زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دمبدم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھراتے تھے قدم

کھینچا جو اُس نے سینے سے نیزہ تکان کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

(۱۴۲)

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
قربان جراتِ پسرِ شاہ نامدار

زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغ آبدار

پہونچوں سے اُسکے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

(۱۴۳)

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز ہے ستم
یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم

رکھ دی گلے پہ شیث نے شمشیرِ تیز دم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم

غل تھا کرو نہ رحم تنِ پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبرِ مہرو کی لاش پر

(۱۴۴)

حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب
سُن کر یہ غل رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب

ناگاہ آئی رن سے صدا اے فلک جناب
بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آئیے شتاب

لاشے پہ ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہل کیں ہیں پامال کرتے ہیں

سُن کر یہ استغاثہ، فرزند خوش خصال — سیّد نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال (۱۴۵) — بانو پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر — کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر (۱۴۶) — آبؑ گھر سے میں نکلتی ہوں ہو ہو مرا پسر
پردا نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہوں میں

بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہ نامدار — وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا اُلٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بے قرار (۱۴۷) — اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلّاتے تھے شبیہ ہمپیر ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے — اے نورِ عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے (۱۴۸) — زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

آؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو — چلّا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبر برائے خالقِ اکبر جواب دو (۱۴۹) — بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہیں میں کدھر جاؤں کیا کروں　　اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطر ہے جانِ دل کسے سمجھاؤں کیا کروں　　(۱۵۰)　کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے میں لاؤں کیا کروں

پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل　　اے جسمِ زارِ زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں تنِ مجروح سے نکل　　(۱۵۱)　ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل

چھوٹے نہ اُسکا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبر کے پاس ہو

جنگل سے بے حواس پھرے نہر پر گئے　　واں بھی جو وہ گہر نہ ملا سوے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے　　(۱۵۲)　تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے

ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسرِ ماہرو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے باشک و آہ　　ہے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ　　(۱۵۳)　کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ

بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسم زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

لاشِ پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہِ بحر و بر　　سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شر
کہتا تھا شمر اے پسرِ سیّد البشر　　(۱۵۴)　کس کو حضور ڈھونڈھتے ہیں مر گیا پسر

خود ڈھونڈھ لیجیے جسدِ پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سُن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار — چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
(۱۵۵)
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار — چلّائے ہائے عقاب کدھر ہے ترا سوار

دکھلائے مجھ کو لاش مرے نورِ عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے اِن کابوں کے حلقوں سے چشمِ نم — ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
(۱۵۶)
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیرِ غم — اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم

ہے ہے وہ ہاتھ پانوں مرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر — یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے اُدھر
(۱۵۷)
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بہ چشمِ تر — گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ بحر و بر

جنگل میں لاشۂ پسرِ نوجواں ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں — پیکاں گلے میں ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
(۱۵۸)
تن پر جراحت تبر و خنجر و سناں — گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں

ٹاپوں سے مرکبوں کی جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں واکر کے چشمِ تر — اے جانِ جسمِ زار میں اور ایک دم ٹھہر
(۱۵۹)
اے موتِ بے وطن کی جوانی پہ رحم کر — اے دردِ تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سیّدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے　　حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر جواں یوں جہاں سے جائے　　(۱۶۰)　اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمہاری چھاتی پہ بانثار ہو

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گلعذار　　کیوں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بیقرار　　(۱۶۱)　بیٹا تمہاری ماں کو تمہارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبر تمہاری ماں نہ جیے گی فراق میں

غش میں سُنا جو ہیں علی اکبرؑ نے ماں کا نام　　کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام　　(۱۶۲)　شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شہ نے لے علی اکبر میں کیا کروں　　پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں　　(۱۶۳)　کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا تمہاری ساقی کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر　　اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر　　(۱۶۴)　انگڑائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے۔

لکھتا ہے ایک اودی غمگین و پُرملال　　یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زنِ فاطمہ جمال　　(۱۶۵)　گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رُخ پہ ضیا اُس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف　　اے آسماں وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابرِ شام چاند ہمارا ہے کس طرف　　(۱۶۶)　اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
میّت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو　　ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو　　(۱۶۷)　کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جواں　　خوش رو جواں غریب جواں مہ جبیں جواں
صفدر جواں شکیل جواں نازنیں جواں　　(۱۶۸)　کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جواں
آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے سُن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر　　سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر　　(۱۶۹)　آئے اُدھر سے لاش لیئے شاہ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبر کی لاش سے

ہاں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو بکا کرو ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینہ پر مارو بکا کرو (۱۷۰) اکبر جہاں سے اُٹھ گئے یارو بکا کرو

سمجھو مشرکیک بزم شہ مشرقین کو
دے لو جوان بیٹے کا پُرسا حسینؑ کو

اولاد والو درد کرو شہ کے دل کا یاد نہ آج کی خبر ہے نہ ہے کل کا اعتماد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیر خوش نہاد (۱۷۱) بیٹا جہاں سے اُٹھ گیا ناشاد و نامراد

خوش رو تھے خوش مزاج تھے شیریں بیان تھے
پیٹو جوانو اکبرِ مہرو جوان تھے

ہے ہے حسینؑ آپ کا دلبر بچھڑ گیا فریاد ہے شبیہ پیمبر بچھڑ گیا
واحیف وا دریغ دلاور بچھڑ گیا (۱۷۲) دردا و حسرتا علی اکبر بچھڑ گیا

مظلومیت پہ تشنہ دہانی پہ روئینگے
جب تک جیئنگے اُس کی جوانی پہ روئینگے

آقا انیسؔ ہند میں کب تک پھرے تباہ گھٹتی ہے عمر بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
ضعف اس برس بہت ہے اجل آ نہ جائے آہ (۱۷۳) بُلوائیے غلام کو اے میرے بادشاہ

قربِ مزار شاہ دو عالم نصیب ہو
بس کربلا میں اپکی محرّم نصیب ہو

مرثیہ

(۵)

جب نوجواں پسر شہ دیں سے جُدا ہوا — رَوشن قمر سپہر بریں سے جُدا ہوا
نورِ نظر امامِ مبیں سے جُدا ہوا (۱) — لختِ جگر حسینؑ محسیں سے جُدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتول کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسولؐ کا

برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لختِ جگر کا دل — خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
ہوتا ہے آبگینے سے نازک بشر کا دل (۲) — پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل
ایوبؑ بھی اگر ہوں تو دم بھر نہ کل پڑے
آنسو تھمیں تو مُنھ سے کلیجہ نکل پڑے

پیری میں آفتِ غمِ اَولاد اَلاماں — دل اور زخم خنجرِ بیداد اَلاماں
وہ اضطراب خاطرِ ناشاد اَلاماں (۳) — وہ اشک شور اور وہ فریاد اَلاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
جب گھر اُجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا

بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر — غربت میں کون لُٹ گیا منزل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر (۴) — کس پر چُھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
خاروں سے پوچھیے نہ کسی گُل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے

بچھڑا وہ لال جس کا گوارا نہ تھا فراق — فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق (۵) خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق

برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
کیا زندگی کا لطف جب ایسا پسر نہ ہو

بچھڑے پدر سے اکبر مہرو ہزار حیف — اب روبرو سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
کیا خوشنما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف (۶) وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف

وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کدھر گئیں

سب چاہیں جس کی زیست وہ شیریں ادا مرے — افسوس نیمجاں جیے جانِ جہاں مرے
پیدا تو کس جگہ ہوئے اکبر کہاں مرے (۷) قدرت خدا کی پیر جیے نوجواں مرے

اس عمر میں جہاں سے گذرنے کے دن تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن تھے

پھولے پھلے نہ وہ چمنِ روزگار میں — جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
دیکھا کبھی نہ ایک گل ایسا ہزار میں (۸) کیا زور ہے امانتِ پروردگار میں

بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے
جس دم طلب ہوئی تو اکیلے چلے گئے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام — تر تھی لہو سے لخت جگر کے قبا تمام
رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام (۹) طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام

یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے　　لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہ تشنہ کام کے　　(۱۰)　　سر دوش پر تھا زینبِ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جاں تھے کہ اب تک مر گئے

پُرسا تمھیں شہیدوں کا دینے کو آئے ہیں　　کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہیں
پیٹے ہیں خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہیں　　(۱۱)　　یہ ہم تمھارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

سر بار دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن　　اب عنقریب خیمۂ عصمت میں تیغ زن
مردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن　　(۱۲)　　پامال ہو نہ لاشۂ فرزند ضعف شکن
محجوب ہم ہیں قاسمِ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سُن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی　　زینب زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علی
سترِ خفی جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی　　(۱۳)　　جاتا ہے ظالموں میں یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو　　فرزند فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
دریا کو چھین لو حقِ زہرا سند کرو　　(۱۴)　　یا شیرِ حق مقام مدد ہے مدد کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر میں
حصّہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں

یا مصطفےٰ بلا میں پھنسا ہے تمھارا لال　　یا شیرِ ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال
یا فاطمہؑ میں لُٹتی ہوں بکھراؤ سر کے بال　　(۱۵)　　یارب اُلٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال

پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جُدا رہوں
بھائی کو اپنے لے کے میں جنگل میں جا رہوں

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمھیں　　خالق کی یاد سے دلِ غافل چاہیے تمھیں
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھیں　　(۱۶)　　جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھیں

ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلوئے درد کا

دردِ شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال　　ٹوٹیں ہیں پسلیاں یہ ہمیں بھی تھا خیال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکرِ ذوالجلال　　(۱۷)　　بازو کے نیل کا تو کھُلا وقتِ غسل حال

رونے میں دن تڑپنے میں راتیں گذر گئیں
بستر تھا جس جگہ اُسی حجرے میں مر گئیں

ظاہر ہیں جو علیؑ پہ کیے ظالموں نے جبر　　اِس غم سے تھا نہ چین نبیؐ کو میانِ قبر
حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثلِ ابر　　(۱۸)　　لیکن کبھی سُنا کوئی کلمہ سوائے صبر

ہم کیا ہیں چیز ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
جب ریسماں سے گردنِ مشکلکشا بندھے

عزلت گزیں تھے بعد علیؑ قبلۂ دوم　　اُس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ باپ نہ اُم
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے حواس گم　　(۱۹)　　ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں رو رہی تھیں تم

بعد از فنا بھی درپئے ایذا شریر تھے
فرزند فاطمہ کے جنازے پہ تیر تھے

ہیں موردِ بلا و مصیبت ازل سے ہم — اِس غمکدے میں چین سے گذرا نہ ایک دم
غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم — (۲۰) — سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے
بعد اُن بزرگواروں کے باری ہماری ہے

سچ ہے کہ ہم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن — کیا کیجے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمھارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن — (۲۱) — دُنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حال غیر ہو
اُس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

کیا کرتیں تم بہن اجل آتی وطن میں گر — یکساں ہے مرنے والوں کو جنگل ہو یا کہ گھر
درپیش ہے سفر میں ہمیں خلق سے سفر — (۲۲) — اَب آرزو یہ ہے کہ کٹے تن سے جلد سر
ہر دُکھ میں خوش ہیں وہ جنھیں الفت خدا کی ہے
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے

دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہ کو یاس سے — لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے — (۲۳) — بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اِس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے — آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اَب آرزوے قرب خدائے قدیر ہے — (۲۴) — تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سُنکر مصیبتِ پدرِ بیکس و حزیں — بولی بلائیں باپ کی لے کر وہ مہ جبیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امام دیں — (۲۵) آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للّٰہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار — پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوجِ نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نہ سوار — (۲۶) اِس دشت کیں میں قید ہوا احمد کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لے کے آتے ہیں
سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

عمّو تمہارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بلب — بی بی قدم پہ گر کے کہیں کون لو کے اب
تلواریں چل گئیں بنے قاسم پہ بے سبب — (۲۷) مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب
تھی جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لُٹ گئے

ہر چند صبح و شام ہے جاری یہ شاہراہ — پر کوئی قافلہ نہ ہوا ہو گا یوں تباہ
پایا تھا عمر کھو کے جنھیں ہم نے آہ آہ — (۲۸) ڈھونڈھا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ شکِ ماہ
کیا ہو گا لاکھ روئیں گے یا خاک اُڑائینگے
نہ عمر اب پھر گئی نہ وہ دوست آئینگے

بی بی یہاں سے اہلِ وطن ہیں قریب تر — پر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر
بھیجے ہیں شیعیانِ یمن نے بھی نامہ بر — (۲۹) لیکن حسینؑ تک نہ ہوا ایک کا گذر
قربوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر نبیؐ اسد کا قریب آ کے پھر گیا

گھیرا ہے اِس لئے مجھے اِس بن میں بیگناہ　　تا مجھ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ　　(۳۰)　　ساتھی تو سب عدم میں وطن در گھر تباہ

مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر بشر نہ ہو
مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہو ادھر　　ضد کر کے روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شبِ فرقتِ پدر　　(۳۱)　　سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر

راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام　　بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام　　(۳۲)　　کھل جائیگا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام

بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بندے اُتارو طوق بڑھاؤ پدر نثار　　چھپنا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار　　(۳۳)　　دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار

لو الوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں
سونپا تمھیں نبیؐ و علی کی پناہ میں

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا اِدھر اُدھر　　پوچھا کدھر ہیں بانوے ناشاد و نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ اُدھر بیٹھتی ہیں سر　　(۳۴)　　رخصت کی بھی حضور کی اُن کو نہیں خبر

لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلیئے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تھی لاکے لاش پسر آپنے جہاں — مُنھ اُس زمیں میں پہ ملتی ہیں اور ہے لہو رواں
(۳۵)
کرتی ہیں اُٹھ کے آہ تو ملتا ہے آسماں — نعرہ یہ ہے کہ ہائے علی اکبرِ جواں
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوشخصال — دیکھا کہ غش ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
(۳۶)
شبیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال — اے شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دُکھ دکھائے ہیں
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

سُن کر صدا حسین کی چونکی وہ نوحہ گر — کی عرض سر جھکا کے قدم پر بہ چشمِ تر
(۳۷)
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر — صاحب کہاں ہیں منتوں والا مرا پسر
ایسے نہیں جو دُکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے
اپنے مُرادوں والے کو لونگی میں آپ سے

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کدھر گیا — اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
(۳۸)
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا — سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کدھر گیا
مرتی ہوں اپنے سرو سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہ محمد کو دیکھ لوں

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائیں پھر — لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
(۳۹)
مجھ کو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئیں پھر — خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جنگل بسائیں پھر
تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دُور سے

بیخود تھی میں جب آئے تھے میداں سے اُدھر　　کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا جو دل ذرا تو پھڑکنے لگا جگر　　(۴۰)　　کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتیں نہ پیار کی ہوئیں نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہیں خفا تو آئیں میں اُٹھ کر نثار ہوں　　اُن کی خطا نہیں ہے میں تقصیر وار ہوں
دائی ہوں اُن کی آپ کی خدمتگذار ہوں　　(۴۱)　　اب رحم کیجیے کہ بہت شرمسار ہوں
تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نورعین کو

باتیں یہ سُن کے کہنے لگے شاہ بحر و بر　　یا رب جدا نہ ہو کسی ماں سے جوان پسر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سمبر　　(۴۲)　　ہمشکل مصطفےٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دُکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمھیں دیا تھا وہ اُب اُسکے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی اُنھیں　　لے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی اُنھیں
مخفی بہت کیا پہ اجل پا گئی اُنھیں　　(۴۳)　　صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی اُنھیں
زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤ گی
بانو کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہیں وہ لالہ فام　　دیدو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام　　(۴۴)　　سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار — اے ابنِ فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار (۴۵) — بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق میں اِس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کوئی جگہ مجھے بتلا کے جائیے

مَیں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام — مشہور ہوں کنیز امامِ فلک مقام
پاس آپ کے ہے نام کا اے قبلۂ انام (۴۶) — گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آلِ رسول کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال — زہرا کی بیٹیوں کی رہو تم شریک حال
زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دو نو لال (۴۷) — صاحب تمھارے ساتھ ہے عابد سا خوش خصال
بے وارثوں کا وارث و والی الٰہ ہے
دیکھو ڈگیں نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آ کے روئیو — لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلّا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہ موڑا کے روئیو (۴۸) — قبرِ رسولِ پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لُٹنے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی میں چاہیے

یہ سُن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے — سیدانیاں لپٹ گئیں زہراؑ کے ماہ سے
ٹھہرا گیا نہ پھر شہِ عالم پناہ سے (۴۹) — نکلے حسینؑ روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
چوتھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا
خورشید شمعِ حُسن کا پروانہ بن گیا

مِل کر حرم سے در پہ جو شاہِ غیور آئے
اک غل ہوا حضور کرامت ظہور آئے
لاؤ فرس کو ڈیوڑھی پہ جلدی حضور آئے (۵۰)
اعمیٰ بھی ہو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے

پھرتا تھا سر پہ چتر سلیماں جناب کے
سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے

نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت و جلال
تاباں رہے یہ نیر اقبال بے زوال
شوکت کی یہ دعا تھی کہ اے فاطمہ کے لال (۵۱)
سرسبز تیرے دوست عدو تیرے پائمال

یارب فساد خلق سے امن و اماں رہے
جب تک زمیں رہے یہ امامِ زماں رہے

بیٹا نہ تھا کوئی نہ برادر ادھر اُدھر
پر قدسیوں کی صف تھی برابر ادھر اُدھر
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے جو سرور ادھر اُدھر (۵۲)
گرتی تھی برق حُسن چمک کر ادھر اُدھر

جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی

غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو
ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو
لو جوبن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو (۵۳)
قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو

نقش اِس قدم کے چاند سے روشن دو چند ہیں
مجمرِ ہے آسماں تو ستارے سپند ہیں

آمد فرس کی تھی دُلھن آتی ہے جس طرح
تھم تھم کے نکہتِ چمن آتی ہے جس طرح
تصویر آہوے ختن آتی ہے جس طرح (۵۴)
یا شمع سوے انجمن آتی ہے جس طرح

باہم طیور کہتے تھے کبکِ دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بیٹک پری ہے یہ

آیا عجب شکوہ سے اسپِ قمر رکاب — تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
(۵۵)
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب — حلقہ تھا نور مہر کا یا جلوہ گر رکاب

فتراک تھے کہ کھولے ہوئے تھا عقاب پر
زیں پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر

اختر خجل ہیں زین جواہر نگار سے — ذروں نے چُن لئے ہیں ستارے غبار سے
(۵۶)
تھمتا ہے کب سوار فراست شعار سے — گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں یار سے

نازاں ہے خود رکاب کے پائے کو دیکھکر
بَل کھا رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھکر

قربان اُس تگاور ضیغم شکار کے — پامال کردے شیر کو ٹاپوں سے مار کے
(۵۷)
شائستگی کو پوچھیے دل سے سوار کے — چاہے تو ایک طفل چڑھے باگ تار کے

رکھدے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا
پیارا فرس ہے راکبِ دوشِ رسول کا

چاروں سموں سے بدر خجل نعل سے ہلال — کھیلیں شکار شیر پہ آنکھیں ہیں وہ غزال
(۵۸)
کہیے نہ یال حور نے بکھرا دیے ہیں بال — پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال

رستے ہیں یا گنبدِ نیلی رواق کے
دلدل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے

سینہ کشادہ تنگ کمر چُست جوڑ بند — گردن میں خم ہلال کا اور اُس پہ سر بلند
(۵۹)
جاندار بُردبار عدو کش ظفر پسند — بجلی کسی جگہ کہیں آہو کہیں پرند

سرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
اتنے ہنر فرس میں یہ قدرت خدا کی ہے

دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں بہ شکل لا — سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہے اسکا کیا
(۶۰)
ہاں بے زباں ہے گو پہ یہ کہتا ہے برملا — آقا ہے میرا صاحبِ لاسیف و لا فتا

افسوس اہلِ شام کو کچھ پیش و پس نہیں
آقا حسینؑ سا نہیں مجھ سا فرس نہیں

لو اب سوار ہوتا ہے زہرا کا یادگار — تھامے رکاب کون نہ یا ور نہ غمگسار
(۶۱)
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیر نامدار — اے ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگ روزگار

سب دو پہر میں ابن علیؑ سے جُدا ہوئے
جو تیرے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے

لوگ

سب دوست بے مثال تھے روؤں کسے کسے — خوش رو تھے باکمال تھے روؤں کسے کسے
(۶۲)
حیدر کے پانچ لال تھے روؤں کسے کسے — سات آٹھ خرد سال تھے روؤں کسے کسے

جب ذکر خیر پیاس میں مرنے کے ہوئینگے
سب میرے دوست میرے عوض انکو روئینگے

نوٹ — میرا ن کے پیاسے مرنے کے جب ذکر ہوئینگے

مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر — وہ شخص اُس کے ہجر میں روتا ہے عمر بھر
(۶۳)
اِک دن میں صاف ہوگیا میرا تو گھر کا گھر — کیا دُور ہے جو مر کے بھی سیدھی نہ ہو کمر

اِس گھر میں جتنے گھر ہیں وہ سب بے چراغ ہیں
میرے تو اک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

پیاسے مرے ہیں ساتھ جو میرے وہ تشنہ کام — گھر گھر میں ان کی نذر کے ہوویں گے اہتمام
(۶۴)
جاری سبیلیں رکھیں گے رستوں پہ خاص و عام — چلّائینگے یہ پانی کے بھر بھر کے سرد جام

بھولو نہ تشنگی کو شہ تشنہ کام کی
پیاسو سبیل ہے یہ شہیدوں کے نام کی

نوٹ — جاری سبیلیں رکھیں گے

ایسے کسے ملے ہیں رفیقانِ باوفا　　پیشِ خدا جلیل ہے اِن سب کا مرتبا
(۶۵)
ہوتے جہاں میں آج جو پیغمبرِ خدا　　کرتے ہر اک شہید کا ماتم جُدا جُدا

شانہ بتول بالوں میں کرتی نہ عمر بھر
چادر سیاہ سر سے اُترتی نہ عمر بھر

یہ سُن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار　　چلّاتی تھی یہ زوجۂ عباس نامدار
(۶۶)
صاحب اُٹھو ترائی سے میں آپ پر نثار　　آقا سوار ہوتے ہیں آیا ہے راہوار

یاں آ کے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

بانو پکارتی تھی کہ اکبر کدھر ہو تم　　بیٹا پدر کے کوچ کے دن بے خبر ہو تم
(۶۷)
تھا مورِ کاب باپ کے پیارے پسر ہو تم　　آماں کا گھر اُجڑتا ہے دادی کے گھر ہو تم

بازو کو تھامو ہاتھ میں حضرت کے ہاتھ دو
بیٹا ضعیفی وقت میں بابا کا ساتھ دو

لکھا ہے یاں لجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ　　فریاد و احسینؑ سے بہتی تھی قتل گاہ
(۶۸)
خیمے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ　　رُخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ

حُسنِ رسولؐ و شانِ علیؑ کا ظہور تھا　　بتولؑ
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

پردہ تھا پر جھکی ہوئی آئی وہ دُلدل کباب　　تھامی لرزتے ہاتھوں سے ہودج کی لکاب
(۶۹)
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب　　بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب

جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبی کی تھی
زینبؑ بہن حسینؑ کی بیٹی علیؑ کی تھی

رن کو سواری شہ جن و بشر چلی — پیچھے تمام فوج ملک ننگے سر چلی
(۷۰)
گھوڑے کے ساتھ فاطمہ تھامے جگر چلی — شبدیز کیا چلا کہ نسیم سحر چلی

طبقہ تمام نور سواری سے عرش تھا
سونے کی تھی زمیں تو ستاروں کا فرش تھا

ذرّوں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی — سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی
(۷۱)
ماتم میں اک سماں تھا خزاں میں بہار تھی — جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی

غل تھا نہ دُور دُور چلو نہ بہم چلو
ہاں خادمو ادب سے قدم باقدم چلو

وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی — اللہ ری ضو جھپکتی ہے آنکھ آفتاب کی
(۷۲)
تصویر ہے جناب رسالت مآب کی — پیری دکھا رہی ہے لطافت شباب کی

بر میں نبی کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

غل تھا فرس پہ سیّدِ والا کو دیکھ لو — ہاں برق و شرق طور تجلّا کو دیکھ لو
(۷۳)
پڑھ کر درود صورتِ مولا کو دیکھ لو — بالائے رحل مصحفِ زہرا کو دیکھ لو

پایہ کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں
قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں

حوریں ہیں گرد ساغر کوثر لیے ہوئے — قدسی جلو میں ہیں طبق زر لیے ہوئے
(۷۴)
جبریل ہیں نجات کا دفتر لیے ہوئے — جھولی میں ہے نسیم گل تر لیے ہوئے

لٹتے ہیں پھول وادیِ عنبر سرشت میں
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

وہ روے دلفروز وہ زلفوں کا پیچ و تاب — گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
(۷۵)
ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب — آنکھیں وہ جن سے نرگسِ فردوس کو حجاب

پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں
بیٹھا ہے شیر پنجوں کو ٹیکے ترائی میں

پہونچا جو اس شکوہ سے خیر الورا کا لال — کانپے جبل لرزنے لگا عرصۂ قتال
(۷۶)
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بدخصال — بھاگو کہ آئے شیرِ الٰہی پے جدال

دیکھا جو رعب قبلۂ عالی مقام کو
علموں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو

بڑھ کر صدا نہیب نے دی روبرو نگاہ — دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
(۷۷)
آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ — تاباں رہے ستارۂ اقبال و عز و جاہ

زہرہ عدو کا آب کلیجہ لہو رہے
ہر معرکے میں تیغ علیؑ سرخرو رہے

نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک — ماہی سے دب کے گاؤ زمیں نے کہا سرک
(۷۸)
شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک — بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک

غل تھا الٹ چکے ہیں حسین آستین کو
یا بو تراب آ کے بچا لو زمین کو

دب دب کے مورچوں سے ادھر پہلوان ہٹے — لشکر ہٹا نشانِ ضلالت نشاں ہٹے
(۷۹)
سر کی زمیں مگر نہ امامِ زماں ہٹے — سچ ہے کہ قطب دائرہ دیں کہاں ہٹے

سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں
کعبہ کبھی ہٹا ہو تو شاہِ اُمم ہٹیں

لو گونجتا ہے شیر رجز خواں ہیں شاہ دیں — نعرہ یہ ہے کہ ہیں ہمیں پشت و پناہ دیں
روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہ دیں (۸۰) دُنیا میں ہم ہیں تاج سرِ عزو جاہ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکن کنشت کے
ہم نے تمھیں بتا دیے رستے بہشت کے

خالی کیا علیؑ نے بتوں سے خدا کا گھر — عزیٰ کہاں ہے لات و ہبل آج ہیں کدھر
غل تھا علیؑ ہیں دوش محمدؐ پہ جلوہ گر (۸۱) مصحف پہ مصحف آج ہے اور نور نور پر
سب سے علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے دیکھ لو
شیر خدا کی شان دوبالا ہے دیکھ لو

زنّار گردنوں پہ تمھاری سوار تھی — شرکِ جلی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی (۸۲) حق حق کی مسجدوں میں کس دن پکار تھی
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
یہ شور کب تھا اشہدان لا الٰہ کا

کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بشدو مد — دریائے رحمتِ صمدی ہیں ہمارے جد
ہم پر ازل سے ہے کرم مفضلِ احد (۸۳) سب ہم پہ منکشف ہے جو کچھ ہوگا تا ابد
تم لوگ جس طریق سے پھرتے ہو فرش پر
ہم یوں پلک جھپکنے میں جاتے ہیں عرش پر

گھر میں ہمارے وحی خدا لائے جبرئیلؑ — جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیلؑ
مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیلؑ (۸۴) اِس گھر کی خادمی ہے تمنائے جبرئیلؑ
شاگردی علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
جبرئیلؑ تب مقرب درگاہ رب ہوئے

آٹھوں بہشت باغ ولایت کے پھول ہیں (۸۵) ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسول ہیں
اعمال دشمنانِ علیؑ نا قبول ہیں رونے ہوں یا نمازیں ہوں سب بے اصول ہیں

پھر کیا اذان کوثر بھی کر حج سمیت کی
شرطِ قبولیت ہے ولا اہلبیت کی

عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی کفار کو شکست شہ لافتا نے دی
بیٹی نبی نے تیغ دو سر کبریا نے دی (۸۶) کعبے سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی

دو پیکرِ خدا رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
سجدے ہیں اس لئے کہ وہ مولدؑ علیؑ کا ہے

کیوں ظالمو رسول کا پیارا نہیں ہوں میں کیوں عرش کبریا کا ستارا نہیں ہوں میں
کیوں مستحق لطف و مدارا نہیں ہوں میں (۸۷) کیوں جاہلو امام تمہارا نہیں ہوں میں

سیّد پہ ظلم کون سی یہ رسم و راہ ہے
کیا میہماں کو پانی کا دینا گناہ ہے

وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے اللہ روکی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اسکی آہ
پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پہ بغض واہ (۸۸) یہ کس ولی کا گھر تھا جسے کر دیا تباہ

سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسپ و خر پئیں
اولاد فاطمہؑ نہ پیئے جانور پئیں

کھنچ کھنچ کے جائے ساری رعیت میں آبِ نہر محروم ابن ساقیِ کوثر پہ کیا ہے قہر
اُس میں یہ نہر بھی ہے جو ہے فاطمہؑ کا مہر (۸۹) شہرہ ہے ناریوں کی تواضع کا شہر شہر

اُمت نبیؐ کی آہ یہ سفاک ہو گئی
بس آج آبروے فلک خاک ہو گئی

کرتا ہے پاسداری مہماں ہر اک بشر — ملتے ہیں اُس سے جھک کے جو آتا ہے اپنے گھر
(۹۰)
عاجز بھی لاکے سامنے رکھتا ہے ماحضر — فاقہ ہے تیسرا ہمیں اور تم ہو بے خبر

بستانِ فاطمہ میں ہوا یہ بری چلے
پانی طلب کریں تو گلے پر چھری چلے

سُن کر بیانِ شاہ نصیحوں نے سر جھکائے — کتنوں نے پھیر پھیر کے منھ اشک بھی بہائے
(۹۱)
اکثر صفوں میں شور یہ اُٹھا کہ ہائے ہائے — کیوں ہم رسول حق کے نواسے سے لڑنے آئے

خم کر کے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے
فولاد موم ہو گیا پتھر پگھل گئے

نوفل سے بڑھ کے یہ پسرِ سعد نے کہا — ہاں جلد حکم دے کہ بجیں طبل جا بجا
(۹۲)
ہو سب صفوں میں نالۂ شہنا کا غل بپا — تا فوج میں سنے نہ کوئی شاہ کی صدا

مظلومیِ حسینؑ پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
انساں کا ذکر کیا ہے کہ گھوڑے بھی روتے ہیں

ناگہ بجے جلاجل و قرنا و طبل و دَف — خاموش ہو گئے شہ مظلوم اِس طرف
(۹۳)
حلّوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صَف — اُگلی اِدھر نیام سے تیغ شہ نجف

بھاگو ہٹو بچو یہ صدا دی سپاہ نے
بانبی سے مُنھ نکالا ہے مارِ سیاہ نے

تیغ دوسر کو روک کے حضرتؑ نے یہ کہا — پیکس سے کس طرح تمھیں منظور ہو وغا
(۹۴)
آہ عرب کی طرح جو ہے قصد جنگ کا — سب مِل کے گر لڑو تو پھر اس میں ہے دیر کیا

دُنیا سے وقت عصر گذرتا ہے ہر طرح
حاضر ہوں ہر طرح میں کہ مرتا ہے ہر طرح

مولا نے دی صدا

سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جاں سمجھتے ہیں
ہاں حکم کردگار کو ایماں سمجھتے ہیں (۹۵)
مشکل ہزار ہو اُسے آساں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

اِس معرکہ میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح
بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

لڑتا نکل کے ایک سے گر ایک نامدار
برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار (۹۶)
نکلا اِدھر سے ایک اُدھر سے بڑھے ہزار
اِس پر بھی الاماں کا غل اُٹھتا تھا بار بار

بے دیں کا ساتھ دے کے حمیت کو کھو دیا
تم نے تو آج نام عرب کا ڈبو دیا

یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اُس سپاہ سے
گیتی کو زلزلہ ہوا زہرا کی آہ سے
پھر ضبط ہو سکا نہ شہ دیں پناہ سے (۹۷)
بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے

چمکی علی کی تیغ جو دشتِ مصاف میں
پریاں چھپیلیں جزیروں میں سیمرغ قاف میں

کاٹھی سے اِس طرح ہوئی تیغ دو سر جُدا
جیسے سَواد شب سے بیاضِ سحر جُدا
نصرت کا آئینہ تھا جدا اور گھر جُدا (۹۸)
محمل جُدا تھا لیلیٰ فتح و ظفر جُدا

تیغِ کشیدہ دستِ شہ بحر و بر میں ہے
طومار ہاتھ میں ہے لفافہ کمر میں ہے

ناگاہ رن میں تیغ شہ لافتیٰ چلی
گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منھ بلا چلی (۹۹)
بن میں سموم قہر و عتابِ خدا چلی
جھونکوں سے جسکے اُڑتے ہیں سُرعہ ہوا چلی

آوازِ الاماں کی سپہ بریں پہ تھی
بڑھ کر جو یوں پھری صفِ اوّل میں پہ تھی پھری

جب دشت کربلا میں تیغ شہ لافتیٰ چلی

پہونچے جو مثل شیر جھپٹ کر ادھر اُدھر — سر گر پڑے حسام سے کٹ کر ادھر اُدھر
آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر اُدھر — (۱۰۰) ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر اُدھر

جا روب تھی کہ سیف میانِ مصاف تھی
دریا کی راہ حملۂ اوّل میں صاف تھی

ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں — غل تھا کہ بچ نہ جائے سما و سمک کہیں
جنّات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں — (۱۰۱) سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں

پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

غل شش جہت میں تھا کہ نہ اِس سے دو چار ہو — بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
کون اِس کے مُنہ پہ جائے اجل کا شکار ہو — (۱۰۲) جو ایک ہے وہ دو ہو جو دو ہے وہ چار ہو

بھاگیں کہ اِن صفوں کو ہم آراستہ کریں
مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں

جب سَن سے فوج شام پہ شعلہ خو چلی — بس سر کے بھل سفر میں سپاہِ عدو چلی
ٹھہری بڑھی چمکتی ہوئی چار سو چلی — (۱۰۳) آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی

تیزی یوں ہی زباں میں سخنور کو چاہیئے
پاس آبرو کا صاحبِ جوہر کو چاہیئے

اَب دَم نہ لیجیو یہ اجل اُس سے کہہ گئی — مدّی لہو کی دشت پر آفت میں بہ گئی
کالی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی — (۱۰۴) بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی

غصے میں مثل برق قرار اُس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اُسے مارا تو دم لیا

پھل آسکا سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا — جس پر پڑی تڑپ کے وہ تو سن پہ رہ گیا (۱۰۵)
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا — خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا

دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خودسری رہی
مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی

یکتا برش میں جوہر ذاتی میں قدر میں — چمکی احد میں خیبر و خندق میں بدر میں (۱۰۶)
تیزی وہی تھی منھ کی اس آشوب غدر میں — چل کر سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں

کھنچتے ہوئے کمر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا

مانند برق تیغ کا سایہ جدھر گرا — بیٹے پہ باپ باپ پہ مر کر پسر گرا (۱۰۷)
یہ ہاتھ اس طرف تو وہ بازو اُدھر گرا — پر کالے اُڑ گئے وہ سپر کے وہ سر گرا

قبضے میں اب ہے تیغ نہ دستانے ہاتھ میں
کیوں دے دیا تھا ہاتھ کو بیگانے ہاتھ میں

سرکش ہوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے — سرخی رخوں سے اُڑ گئی منھ زرد ہو گئے (۱۰۸)
دعوائے مردی تھا پہ نامرد ہو گئے — ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سرد ہو گئے

مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش نہ جائیگی
اب ناریوں کو آتش دوزخ جلائیگی

عاری تھے تیغ شاہ حجازی سے نیزہ باز — پیہم اُلٹ کے گرتے تھے تازی سے نیزہ باز (۱۰۹)
روکے تھے ہاتھ دست درازی سے نیزہ باز — باز آئے اپنی شعبدہ بازی سے نیزہ باز

یوں چٹ سے کھول دیتے تھے نیزے کے بند کو
آتش پہ ڈال دے کوئی جیسے سپند کو

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری — برچھی سے اُڑ گئی وہ سناں یہ گرہ گری
(۱۱۰)
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری — یہ سر گرا وہ خود گرا یہ زرہ گری

آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

وہ شام و روم کے قدر انداز بے نظیر — سہواً نہ چوکتا تھا نشانے سے جن کا تیر
(۱۱۱)
ہر صف میں سہم سہم کے ہوتے تھے گوشہ گیر — چلّاتے تھے کہ موت کے حلقے میں ہیں اسیر

لیجے قسم اگر کبھی لشکر کشی کریں
سر کاٹ ڈالیے گا جواب سرکشی کریں

مشاق ساٹھ ساٹھ برس کے وہ تیز دست — چلّا نہ سوجھتا تھا اُنھیں آنکھ سے نہ شست
(۱۱۲)
بے سر تھے وہ بھی بادۂ نخوت سے جو تھے مست — غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست

ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
چلّہ نہ ہو کماں پہ تو پھر تیر کیا کرے

وہ شہسوار دوش محمدؐ کی ران باگ — کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ
(۱۱۳)
تلوار کیا فرس کو بھی تھی شامیوں سے لاگ — ایک ایک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ

زور اِس سے چل سکیگا نہ رستم نہ گیو کا
اِس سلیتن کی ٹاپ طمانچہ ہے دیو کا

پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے — سرعت بلائیں لیتی تھی مُنھ چوم چوم کے
(۱۱۴)
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے — غل تھا یہ غول میں پسر سعد شوم کے

رخش ایسا روم و رے میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردشِ ایام میں نہیں

انیس

چار آئینہ سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار — عینک کے پار ہوتا ہے جیسے نگہ کا تار ناسخ
چار آئینے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا دو چار (۱۱۵) ہر دم تھا امتزاج عناصر کو انتشار

اُلٹے جہان کن ایسا اگر اک گھڑی پڑے
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی پڑے

خود و زرہ وہ دام سے آزاد یہ اسیر — تیر و کمان سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
شمشیر جاں ستاں و سناں و کمند و تیر (۱۱۶) بے آب و سر بریدہ و زولیدہ و حقیر ناسخ

بے برگ و بار دشمنِ آلِ رسول ہیں
اب چھیوں میں پھل ہیں نہ ڈھالوں میں پھول ہیں

اُس تیغ کے وقار سے کوہِ گراں سبک — ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
یہ آگ اور یہ ناریوں کے دستِ پُر خنک (۱۱۷) چلنے میں بس یہی دم و دعویٰ کہ اب رُک ناسخ

مقتل کے ہر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
پر جبرئیل کے بھی سپر موں تو کاٹ دے

جب اُٹھ کے تیغ صفدر قدسی شرف گری — گویا کہ برق سطوتِ شاہِ نجف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری (۱۱۸) کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری

سیفی چلی کہ سیف صفِ کارزار پر
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

اللہ ری شان واہ رے حملے جناب کے — خاک اُڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو داب کے
دکھلا دیے وغا میں چلن بوتراب کے (۱۱۹) فتراک تھے کہ پر فرس لاجواب کے

پتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مُڑ گیا
اُترا براق بن کے پری ہو کے اُڑ گیا

جم کر صفوں سے یوں فرسِ تند خو اُڑا — گویا ہمائے اوجِ شرف چار سو اُڑا
(۱۲۰)
تلوار جب چلی سرِ نخلِ عدو اُڑا — نکلا دم اور نہ زخم سے مطلق لہو اُڑا

ہر دم برش بڑھی رہی گھاٹ اس کا نام ہے
اِس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اس کا نام ہے

باطل کو حق سے خیر کو شر سے جُدا کیا — ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جُدا کیا
(۱۲۱)
یوں کفر و دیں کو تیغ دوسر سے جُدا کیا — گویا کلف کو روئے قمر سے جُدا کیا

ٹکڑے اُڑائے دم میں سپاہِ شریر کے
قربان ذوالفقار جنابِ امیرؑ کے

بخشا ہے کبریا نے اصالت کو کیا وقار — تھی سرنگوں اس اوج پہ وہ تیغ آبدار
(۱۲۲)
با آبرو کا جوہر ذاتی ہے انکسار — واں مدح ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار

اِس عز و اعتلا پہ زباں بھی رکی رہی
یہ کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی

خالص اگر ہے مشک تو بو آشکار ہے — چمکے گا آپ وہ جو دُرِ شاہوار ہے
(۱۲۳)
زر گر کی مدح قدح کا کیا اعتبار ہے — کہہ دے گی خود محک کہ طلا خوش عیار ہے

بد مغز کو کمال کی دولت خدا نہ دے
خالی ہو جو کہ ظرف وہ کیونکر صدا نہ دے

اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی — دستِ حسینؑ و پنجۂ مشکلکشا علیؑ
(۱۲۴)
یہ مصطفےٰ کی جان وہ اللہ کا ولی — دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم پہ ہے جلی

فخرِ مجاہدین پسر فاطمہؑ ہوا
حیدرؑ سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

بدوزم با تو بات پہ کرتے ہیں افتخار آبدار

ظلمت سے نور نور سے ظلمت جُدا ہوئی　　وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جُدا ہوئی
دینِ مبیں سے کفر کی بدعت جُدا ہوئی　　(۱۲۵) ایماں کے راستے سے ضلالت جُدا ہوئی
اِس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو
حکمِ جہاد پھر نہ ہوا تو امام کو

خود سر عدو تھے حباب اُسکے سامنے　　موجِ زرہ تھی نقش بر آب اُسکے سامنے
کیا مُنہ تھا دے جو تیغ جواب اُسکے سامنے　　(۱۲۶) بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اُسکے سامنے
اللہ کا غضب ہے یہ جانے ہوے تھے سب
لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوے تھے سب

اللہ رے طلاطمِ افواجِ روسیاہ　　ٹکراتے تھے پہ پلتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
غل تھا پناہ دے ہمیں اے آسماں پناہ　　(۱۲۷) اُمّت رسولِ پاک کی ہوتی ہے اب تباہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا ثواب کا
صدقہ محمدِ عربی کی جناب کا

اُس شور میں سُنا جو رسولِ خدا کا نام　　پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
فرمایا خیر تم سے خدا لے گا انتقام　　(۱۲۸) عاجز نہیں یہ بیکس و مظلوم و تشنہ کام
کیا چیز سر ہے بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اِس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں　　جبر

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و در　　سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر　　(۱۲۹) رکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
جن و ملک ہیں انس ہیں غلمان و حور ہیں
کہہ دیں یہ سب کہ ابنِ علی بے قصور ہیں

میں کیا لڑوں گا غم سے لہو ہے مرا جگر　　آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشۂ پسر
بازو کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر　　(۱۳۰)　　سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
حسرت ہے یہ کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
جب ذبح ہوں تو پہلوِ اکبرؑ میں لاش ہو

بھاگو نہ لو نیام میں رکھتا ہوں میں حسام　　مشتاق قربِ حق ہے یہ مظلوم و تشنہ کام
دُنیا سے کچھ غرض ہے نہ اب زندگی سے کام　　(۱۳۱)　　حاضر ہے سر فقیر کا کیا کوچ کیا مقام
بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
مَوت آئی اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

پلٹے یہ سُن کے بھاگے ہوئے روسیاہ آہ　　ابرِ ستم میں گھر گیا زہرا کا ماہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ　　(۱۳۲)　　دو لاکھ حربے ایک تنِ زار آہ آہ
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
شبیر سر سے تا بقدم چور ہو گئے

باندھے تھے چار غول جفا کار رہِ جنگ　　اک صف سے تیغیں چلتی تھیں اور ایک سے خدنگ
نیزوں کے وار ہوتے تھے ایک صف سے بیدرنگ　　(۱۳۳)　　چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
زہراؑ تڑپ رہی تھیں علیؑ ہاتھ ملتے تھے
یہ وار سب نبیؐ کے کلیجے پہ چلتے تھے

وہ لو وہ آفتاب کی تابندگی وہ بَن　　جھیلوں میں شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
رونے کی چار سو تھی صدا بولتا تھا رَن　　(۱۳۴)　　غل تھا خدا پرستوں کے لاشے ہیں بے کفن
آندھی میں خاک اُڑتی تھی گھوڑوں کی گشت سے
آواز ہائے ہائے کی آتی تھی دشت سے

بی بی پکارتی تھی کوئی ہائے میرے لال — حیدرؑ کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
زہرا کی دونوں بیٹیاں کھوئے ہوئے تھیں ہال — (۱۳۵) ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال
جھکتے تھے زیں سے جب شہ ذیشان زمین پر
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآن زمین پر

جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر — آ پہونچا اک مسافر غربت زدہ ادھر
نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر — (۱۳۶) چھوڑے ہوئے وطن اُسے گذرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا
مشتاق وہ زیارتِ قبر علیؑ کا تھا

رخ زرد پاؤں سوجے ہوئے جسم پر غبار — ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار
طاعت گذار نیک عقیدت وفا شعار — (۱۳۷) نہ راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غمگسار
یہ آرزو کہ گوہرِ بحرِ شرف ملے
چھانوں جہاں کی خاک پہ دُرِ نجف ملے

سر کو قدم کئے وہ سعیدِ خجستہ پے — دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں طے
پیاری تھی جو قطع مسافت سے کوئی شے — (۱۳۸) آساں تھی اُسکو دوری شام و عراق و رے
اُن جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا
گزبن گیا تھا راہ خدا کی زمین کا

دیتی تھی اُس کو طاقتِ رفتار جب جواب — جھک جھک کے دونوں پانوں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہِ ثواب — (۱۳۹) احسان میرے سر پہ تمھارا چلو شتاب
کیا کیا شرف تمھارے بدولت ملے نہیں
گنج گہر ہیں زیرِ قدم آبلے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ — پہونچا دے مجھ کو منزلِ مقصد پہ یا الٰہ
(۱۴۰)
سمجھاتے تھے اُسے جو مسافر میانِ راہ — اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے
کہتا تھا رو کے وہ کہ بخت کتنی دور ہے

پہونچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اُس نے حال — تنہا کھڑا ہے ایک مسافر لہو میں لال
(۱۴۱)
فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال — چلتے ہیں تیر کرتا ہے پانی کا جب سوال
از بسکہ اہلِ درد تھا بیتاب ہو گیا
پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

تھم کر جو اُس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر — دیکھا کوئی ہے شمس کوئی غیرتِ قمر
(۱۴۲)
بچہ پڑا ہے ایک ستارا سا خاک پر — کُرتہ بھی ہنسلیاں بھی شلوکہ بھی خوں میں تر
سُرخی لہو نے حلق کے سیبِ ذقن میں ہے،
باچھوں میں سب کے دودھ انگوٹھا دہن میں ہے،

برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار — آتی ہے پٹنے کی صدا اُس سے بار بار
(۱۴۳)
چلّا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی غمگسار — صدقے میں تیرے لے مرے بالے کے یادگار
کا پنا کلیجہ تھم کے مناجب دوہائی کو
سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو

بولا وہ مَل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا — لائے کہاں نصیب مجھے وا مصیبتا
(۱۴۴)
بیکس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا — یارب ہوئی ہے اِس ترے بندے سے کیا خطا
نیزوں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہے
آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

کہنے لگا لرز کے وہ ذلیل و رونیک نام — اللہ کس قدر ہے پُر آشوب یہ مقام (۱۴۵)
دریا خدا نے خلق کئے بہر فیض عام — مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ مُستہام
اُن سے بشر ڈرے جنھیں خوفِ خدا نہیں
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور — مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر
واللہ برگزیدۂ حق ہے یہ خوش سیر — کرتے ہیں التماسِ دعا ہاتھ باندھ کر (۱۴۶)
تینوں میں اس کے پاس چلو جو خدا کرے
آساں ہوں مشکلیں جو یہ بیکس دعا کرے

باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ سیر غم — لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دمبدم
ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اُٹھا قدم — رہتے ہیں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم (۱۴۷)
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اِس ارضِ پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحفِ ناطق کے خاک پر

آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہ دیں کے پاس — کی عرض السّلام علیک ای فلک اساس
مولا جواب دے کے یہ بولے بہ درد و یاس — آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس (۱۴۸)
عرض اُس نے کی غلام شہ ذوالفقار ہوں
بیکس ہوں بینوا ہوں غریب الدیار ہوں

طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ — بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
اب تک ہے دُور مجھ سے درِ ضیغم اگہ — مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پُر گناہ (۱۴۹)
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

میں دو مہینے فوج ستم میں رہا اسیر — مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں وہ شریر
ہتھیار لے کے آنہیں سکتا ہے راہ گیر (۱۵۰) — تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر

سر پر یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
پر ہوں غنی کہ دولتِ دیں میرے پاس ہے

دو صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر — حسرت یہ ہی نصیب کرے یاوری اگر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور (۱۵۱) — منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر

جاؤں گا دولتیں ہیں اگر سرنوشت میں
رستے میں موت آئی تو پہونچا بہشت میں

فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام — عرض اُس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام
اُس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام (۱۵۲) — برسوں سے جسکے عشق میں روتا ہوں صبح و شام

حیدرؑ کے جان و دل ہیں شہ مشرقین ہیں
صدقے میں اُس جگہ کے وہیں تو حسینؑ ہیں

کیا دن سعید ہوگا میں اُس روز کے نثار — جس روز اُنکے گرد پھروں گا میں سات بار
چومونگا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار (۱۵۳) — آنکھیں قدم پہ چھک کے ملونگا بہ انکسار

دُنیا ہو اور فاطمہؑ کا نور عین ہو
دیکھوں اُنھیں صحیح و سلامت تو چین ہو

دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم — اُمّت دغا کرے نہ کہیں مجھ کو ہے یہ غم
اب نجبتن میں ہے تو اُنھیں کا ہوا ایک دم (۱۵۴) — عزلت گزیں ہے قبر نبیؐ پر وہ ذی حشم

زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم
یارب اُس ایک دم کو عطا کر ہزار دم

اِک میرا شاہزادہ ہے ہمشکل مصطفیٰ (۱۵۵) شہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جابجا
ماں کامرادوں والا پسر ہے وہ مہ لقا سائے میں شہ کے اسکو سلامت رکھے خدا
اُس رشکِ گل سے دورِ خزاں کی بلا رہے
یارب چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے

یہ سُن کے آپ آئے مسافر کے متصل پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آگلے تو مل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ غربت ہے جاں گسل (۱۵۶) اِس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
چہرہ ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے

ہاں مُدتوں سے ہے یہی نیرنگ روزگار ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یار غمگسار (۱۵۷) تیری طرح لٹے ہیں یہیں چھوڑ کر دیار
شکرِ خدا مسافرِ راہِ ثواب ہیں
اب دیر کوچ میں نہیں ہم در رکاب ہیں

کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گذر گیا خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
دُنیا سے دوپہر میں مرا گھر کا گھر گیا (۱۵۸) بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر

میرا ہے اَب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دُور ہوں
اِک خاکسار بندۂ ربِّ غفور ہوں (۱۵۹) عالم ہے اُس کی ذات کہ میں بے بصیر ہوں
کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب — لے آؤں دوڑ کر مرے شربت میں ہے کچھ آب
کیجے زبان خشک کو تر بہر بو تراب — (۱۶۰) بولے ہلا کے سر کو شہ آسماں جناب

اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
سب پیاسے مر گئے ہیں نہ پانی پیوں گا میں

درکار جو تجھے ہو وہ لے بہر کردگار — پیدل اگر ہے تو تو یہ حاضر ہے راہوار
ناقہ بھی لے ترا تو ہے آقا وہ نامدار — (۱۶۱) سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار

حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو
بھائی ہمارے گھر کو گھر اب اپنا جان تو

اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے — موجود راحلہ بھی ہے زادِ سفر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے — (۱۶۲) گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے

بیکس ہوں گو کہ آج پہ عالی مقام ہوں
شرمانہ تو کہ میں بھی علیؑ کا غلام ہوں

آقا جو ہے ترا وہی آقا مرا بھی ہے — تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
جو ہے ولی حق وہی مولا مرا بھی ہے — (۱۶۳) بھائی علیؑ کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے

ہاں مال غیر کف میں تصرف نہ چاہیے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے

دیکھی جو یہ عنایتِ سلطانِ بحر و بر — رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر — (۱۶۴) اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر

دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

عرض اُسنے کی حضور سے بس ہے یہ التجا
کیجے اُٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا (۱۶۵)
پہونچا دے مجھ کو قبر علی پر مرا خدا
مولا نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
یارب اسے علیؑ کی زیارت نصیب ہو

تسلیم اُس نے کی تو یہ بولے شہ انام
قبرِ علیؑ پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام (۱۶۶)
آتے ہیں آپ درد و مصیبت میں سب کے کام
میں بیکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجیے
ہنگام ذبح گود میں سر آ کے لیجیے

سُن کر بیان شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
دل سے کہا کہ ہے لبِ بام اب یہ آفتاب (۱۶۷)
بیکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
احساں کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجیے
اب سر علیؑ کے نام پہ قربان کیجیے

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائیگا اب غلام
بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہے مقام
اب دیجیے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام (۱۶۸)
وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام
دیندار ہوں نہ ترک رفاقت کرونگا میں
اَب مر کے شیرِ حق کی زیارت کرونگا میں

زوار جن کا ہوں میں اُنھیں کی مجھے قسم
سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑونگا یہ قدم (۱۶۹)
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشنِ ارم
حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
پردے اُٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھکو آتی ہے

گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں قسم نہ کھا　　رستہ ہے یاں سے رات بسے کا بخف کو جا
(۱۷۰)
بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا　　اے بھائی تو ہے صاحبِ خیر تو نے رضا

دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
بیٹی تری ترے لئے روتی ہے رات دن

رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دمبدم　　وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
(۱۷۱)
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحبِ الم　　آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیرِ غم

ہجراں کشیدہ رنج بلا و محن میں ہے
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے

بیٹی کا ذکر سُن کے یہ بولا وہ خوش خصال　　فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
(۱۷۲)
آگاہ اِس سے کوئی نہیں غیر ذوالجلال　　شاید ہے علم غیب میں بھی آپ کو کمال

ہر شے کا علم آپ کو اس مکتبی میں ہے
یہ توصیف امام میں ہے یا نبی میں ہے

بتلائیے برائے خدا مجھ کو اپنا نام　　فرمایا بے نوا وطن آوارہ تشنہ کام
(۱۷۳)
بیکس غریب مردہ اسیرِ سپاہِ شام　　عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام

درد و غم و الم مرے حصّے میں آئے ہیں
یہ سب خطاب میں نے یہاں آکے پائے ہیں

قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک　　اظہار اسم اقدس و اعلیٰ میں کیا ہے باک
(۱۷۴)
بتلائیے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک　　چپ ہو گئے تڑپنے پہ اُس کے امام پاک

فرما سکے نہ یہ کہ شہ مشرقین ہوں
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسینؑ ہوں

سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بہ شور و شین — ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کون حسینؑ
(۱۶۵)
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نور عین — بیٹا علیؑ کا سبطِ شہنشاہِ مشرقین

صدا
گھر فاطمہؑ کا لٹ گیا سب اس لڑائی میں
بس اک یہی حسینؑ ہے ساری خدائی میں

کھینچی ہے تو نے جسکے لیئے زحمتِ سفر — اے بے خبر یہی ہے وہ سلطانِ بحر و بر
(۱۶۶)
ویراں ہے شرب و نخب اے مردِ خوش سیر — شب سے یہیں نبیؐ و علیؑ ہیں برہنہ سر

زینبؑ ہے یہ جو ڈیوڑھی پہ جان اپنی کھوتی ہے
زہراؑ تو ساتویں سے اسی بن میں روتی ہے

اُس بے وطن نے جب کہ مفصل سنا یہ حال — غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
(۱۶۷)
اُٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال — یہ کیا قیامت آگئی اے فاطمہؑ کے لال

کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت کے بن میں ہیں
مولا
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرتؑ وطن میں ہیں

مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو — خوبی مرے نصیب کی یا شاہ نیک خو
(۱۶۸)
اب دیجیے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو — مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو

للہ چشمِ پاک کو پُرنم نہ کیجیے
آپ اُس غلام زادی کا کچھ غم نہ کیجیے

شہزادیاں امامؑ کی ہوتی ہیں بے پدر — کچھ غم نہیں ہے یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
(۱۶۹)
میں کیا مکان کیا مرا یا شاہ بحر و بر — جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہؑ کا گھر

گیتی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
اُلٹے تمام دفترِ عالم تو خوب ہے

روکا بہت مگر کہیں رُکتا تھا وہ دلیر　　تلوار لے کے فوج پہ جھپٹا مثالِ شیر
سیرِ جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر　　(۱۸۰) ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر

دَم بھر رہا تھا عشق شہ مشرقین کے
نعرہ تھا دَمبدم کہ تصدق حسینؑ کے

لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ　　بدرُالدجیٰ حسینؑ ہیں شمس الضحیٰ علیؑ
مرشد علی امام علی رہنما علیؑ　　(۱۸۱) کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ

عازم ہوں سیرِ گلشنِ دارالسّلام کا
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا

اُس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی سب سیاہِ شام　　ریتی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
زخمی تھے خود پہ اُسکے سرہانے گئے امام　　(۱۸۲) گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سرِ غلام

رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو
اے بھائی جان چھوڑ چلے اِس غریب کو

اے میری بیکسی کے مددگار الوداع　　اے تشنہ لب حسینؑ کے غمخوار الوداع
اے بے وطن کے یار و وفادار الوداع　　(۱۸۳) اے شیرِ ذوالجلال کے زوار الوداع

جو خوش نصیب ہیں یوں ہی جنّت میں جاتے ہیں
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں

فرما کے یہ حسینؑ تو روتے تھے زار زار　　ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ یادگار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دلفگار　　(۱۸۴) اے نورِ چشمِ احمدِ مرسل ترے نثار

جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
مشتاق جن کا تھا اُنھیں دیکھا غلام نے

بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام — فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
(۱۸۵) دستِ علیؑ میں چشمۂ کوثر کے دو ہیں جام — فرماتے ہیں کہ پی اسے گر تو ہے تشنہ کام
ناجی ہے دوستدار مرے نورِ عین کا
حصّہ ترا یہ ہے تو یہ حصّہ حسینؑ کا

حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا — نامِ نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
(۱۸۶) اب جنت النعیم میں ہو گا گذر ترا — ہمسایۂ رسول خدا میں ہے گھر ترا
حوریں ہیں باغ خلد میں خدمت کے واسطے
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے

رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب — فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
کی عرض اُس نے اے خلفِ سیّد العرب — (۱۸۷) تنہائی کا حضور کی صدمہ ہے دل پہ آج
رخصت جو تن سے روح کی ہو بیقرار ہوں
مہلت جو دے اجل تو پھر اُٹھ کر نثار ہوں

مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا — اب کوچ جلد ہے سوئے ملکِ عدم مرا
مُنھ ڈھانپ دیجیے شہ عالی ہمم مرا — (۱۸۸) پڑھیے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کیا وقت بیکسی ہے ہمارے حضور پر
کس سے کہوں کہ لاش کو وارے حضور پر

یہ کہتے کہتے آہ وہ زوّار مر گیا — بیکس کا بے وطن کا مددگار مر گیا
شیدائے نام حیدرِ کرّار مر گیا — (۱۸۹) شبّیر روتے رہ گئے غمخوار مر گیا
لاشے سے اُٹھ کے جا نہ سکے خیمگاہ میں
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں

بر باد خاندانِ رسولِ حنف ہوا — بعد از حسینؑ تن سے فرق بارک جدا ہوا
آب کیا کہوں میں کشتۂ بیداد کیا ہوا — (۱۹۰) تڑپے حسینؑ شور قیامت بپا ہوا

مرثیہ

۶

(۱)

نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری

رنگ اُڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مدّاحی میں

(۲)

ایک قطرہ کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں
بحر موّاج فصاحت کا تلاطم کر دوں

ماہ کو مہر کروں ذرّوں کو انجم کر دوں
گنگ کو ماہر انداز تکلّم کر دوں

درد سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

(۳)

اِس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح
جدِّ اعلیٰ سا نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مدّاح

باپ مدّاح کا مدّاح ہے دادا مدّاح
عم ذی قدر ثنا خوانوں میں یکتا مدّاح

جو عنایات الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

(۴)

طبع ہر ایک کی موزوں قد زیبا موزوں
صورتِ سرو ازل سے ہیں سراپا موزوں

نثر بے سجع نہیں نظم معلّی موزوں
کہیں سکتہ نہیں آسکتا کجا ناموزوں

تول لے عقل کی میزاں میں جو فہمیدہ ہو
بات جو منہ سے نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہو

نوٹ — بھائی خوشگو پر نیک عقیدہ اندراج

خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوشگو کوئی کب — نام لے دُھولے زباں کوثر و تسنیم سے جب
(۵)
بلبلِ گلشنِ زہرا و علی عاشقِ رب — قطع مرثیہ گوئی میں ہے جسکے سب

ہو اگر ذہن میں جودت ہو کہ موزونی ہو
اِس احاطے سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہو

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال — جن کا سینہ ہنر و علم سے ہے مالا مال
(۶)
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال — معجزہ گر نہ اسے کہیے تو ہے سحر حلال

اپنے موقع پہ جسے دیکھئے لاثانی ہے
لطف حضرت کا یہ ہی رحمت یزدانی ہے

لاثانی

کیوں نہ ہو بندۂ موروثی مولا ہوں میں — قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرہ ہوں میں
(۷)
جس میں لاکھوں دُر و مرجان ہیں وہ دریا ہوں میں — مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا ہوں میں

وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں
اپنے رتبے پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں

مُبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یا رب — شوق مداحی شبیر عطا کر یا رب
(۸)
سنگ قاری ہو موم وہ تقریر عطا کر یا رب — نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یا رب

سنگ گریہ

جدّ و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہوں گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہلِ شعور — ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
(۹)
غل ہو یہ ہے کششِ مُوقلمِ طرّۂ حور — ایک اک حرف میں ہو صنعتِ صانع کا ظہور

صانع بزرگ توانا ہر صنعت صانع

کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقش اور رنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

قلم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ — شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ (۱۰) خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرّہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی — لب و لہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی (۱۱) یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی

لفظ بھی چست ہوں مضمون بھی عالی ہوئے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہوئے

ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لئے — سُرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لئے
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لئے (۱۲) زیب ہے خال سیہ چہرۂ گلرو کے لئے

داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہے جُدا — یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہے جُدا
فہم کامل ہو تو ہر نامہ کا عنواں ہے جدا (۱۳) مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا ساماں ہے جُدا

دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

ماجرا صبح شہادت کا بیاں کرتا ہوں — رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں (۱۴) جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں

جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہونگے نہ صاحب ایسا

صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور — زمزمے کرنے لگے یاد الٰہی میں طیور
مثل خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور (۱۵) — یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رخِ مولا سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر — دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر (۱۶) — لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو — دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں شمشاد پہ یا ہو یا ہو (۱۷) — فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کو کو کو
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں — اُس طرف طبل بجا یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلے کہ زباں جن کی حدیث و قرآں (۱۸) — وہ نمازی کہ جو ایماں کے تن پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

عرش اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں اُنکی — وجد کرتے تھے ملک سُن کے صدائیں اُنکی
وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں اُنکی (۱۹) — حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں اُنکی
ذکر خالق میں لب اُن کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے سبحان اللہ　　کیا رفیقانِ وفادار تھے سبحان اللہ
(۲۰)
صفدر و غازی و جرّار تھے سبحان اللہ　　زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ

زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوٹا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوٹا

اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے　　عجب اسوار تھے بے مثل عجب تازی تھے
(۲۱)
لائقِ مدح و سزاوارِ سرافرازی تھے　　گو بہت کم تھے پہ آمادۂ جانبازی تھے

پیاس ایسی تھی کہ آ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

زہد میں حضرتِ سلمانؓ کے برابر کوئی　　دولتِ فقر و قناعت میں ابا ذر کوئی
(۲۲)
صدق گفتار میں عمّارؓ کا ہمسر کوئی　　حمزۂ عصر کوئی مالک اشتر کوئی

ہونگے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے　　سر کٹے پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
(۲۳)
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے　　جس طرح تیغ دو دم دستِ سپاہی میں رہے

اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی ان کو
آبرو ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو

وہ تخشع وہ تضرع وہ قیام اور وہ قعود　　وہ تذلل وہ دعائیں وہ رکوع اور وہ سجود
(۲۴)
یادِ حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود　　یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِّ ودود

یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
مگر احمدؐ کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہوا آوازوں میں وہ سوز و گداز　　اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو سجادوں پہ تھے عرش معلّٰی پہ نماز (۲۵)　　شیر دل منتخبِ دہر و حمید و ممتاز

چاند شرمندہ ہو چہرے متجلّی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلّی ایسے

جب فریضہ کو ادا کر چکے وہ خوش کردار　　کس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہ عرش وقار (۲۶)　　علمِ فوج کو عباسؑ نے کھولا اک بار

دشت میں نکہت فردوس بریں آنے لگی
عرش تک اسکے پھریرے کی ہوا جانے لگی　　سر طوبیٰ پہ

لہرہ سبز پھریرے کی وہ پنجے کی چمک　　شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشید فلک
کہتے تھے صلِّ علیٰ عرش پہ اٹھ اٹھ کے ملک (۲۷)　　دنگ تھے سب وہ سماسے تھا سماں تا بہ سمک

چرخ　　کہیے ہستی اُسے جو اوج ہُما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

اس طرح جب علمِ دلبر زہرا جائے　　کس سے پھر معرکۂ رزم میں ٹھہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے (۲۸)　　لہر میں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے

رفع شر کو علم خیرِ بشر آیا تھا
سورۂ نصر پے فتح و ظفر آیا تھا

وہ علم دار کہ جو شیر الٰہی کا خلف　　گوہر بحر وفا نیر دیں دُرِ نجف
فخر حمزہ سے نمودار کا جعفر کا شرف (۲۹)　　کس طرح چاند کہوں چاند میں ہے عیب کلف

کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم اِنکے لئے
یہ علم کے لئے تھے اور علم ان کے لئے

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی — اسد اللہ کی تصویر تھے صورت ایسی
(۳۰)
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے صولت ایسی — جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علم دار مگر بچوں کی سقائی کی

وہ بہشتی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں — سب انھیں عاشقِ شاہِ شہدا کہتے ہیں
(۳۱)
اُن کو قبلہ تو انھیں قبلہ نما کہتے ہیں — جو بہادر ہیں وہ شمشیرِ خدا کہتے ہیں
عشق سردار و علم دار کا افسانہ ہے
وہ چراغِ رہِ دیں ہے تو یہ پروانہ ہے

اک طرف اکبرِ مہرو سا جوانِ نایاب — کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
(۳۲)
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب — آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب
جس نے اُن گیسوؤں میں رخ کی ضیا کو دیکھا
شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

اے خوشا حُسنِ رخِ یوسفِ کنعانِ حسنؑ — راحتِ روحِ حسینؑ ابنِ علیؑ جانِ حسنؑ
(۳۳)
جسم میں زورِ علیؑ طبع میں احسانِ حسنؑ — ہمہ تن خُلقِ حسنؑ حُسنِ حسنؑ شانِ حسنؑ
تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ اسدِ حق کے نواسوں کا جلال — چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے ہلال
(۳۴)
نیچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال — گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو لپٹ جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ — وہی سارا اسد اللہ کا نقشہ وہی ڈھنگ
سرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ (۳۵) — ولولہ صف کے اُلٹنے کا لڑائی کی اُمنگ
جسم پر تیر چلیں نیزۂ خونخوار چلے
شوق اِسکا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بیک طبل بجا فوج میں گرجے بادل — کوہ تھرائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل (۳۶) — مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکل اجل
واں کے جاوش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوج اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدرؑ کا

شور میدانیوں میں تھا کہ دلیرو نکلو — نیزہ بازی کرو رہواروں کو پھیرو نکلو
نہر قابو میں ہے اب پیاسوں کو گھیرو نکلو (۳۷) — غازیو صف سے بڑھو غول سے شیرو نکلو
رستمو داد دو غادو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرؑ کرار کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا یا شہ مردانؑ مدد — کعبۂ دیں مدد قبلۂ ایماں مدد
قوتِ بازوئے پیغمبرِ ذی شاں مدد (۳۸) — دمِ تائید ہے اے فخرِ سلیماں مدد
تیسرا فاقہ ہے طاقت میں کمی ہے مولا
طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے مولا

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں — دمبدم سینوں پہ فاقوں میں سنائیں کھائیں
دل نہ تڑپے جو دمِ نزع نہ پانی پائیں (۳۹) — تیرے فرزند کی تائید کریں مرجائیں
لاشیں مقتل میں ہوں لاشِ شہِ دلگیر کے ساتھ
سر ہوں نیزوں پہ سرِ حضرتِ شبیرؑ کے ساتھ

سامنے بڑھ کے یکایک صفِ کفار آئی — جھوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ اک بار آئی
(۴۰)
روز روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی — تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی
ہنس کے منھ بھائی کا شاہ شہدا نے دیکھا
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

عرض عباسؑ نے کی جوش ہی جراروں کو — تیر سب کھاتے ہیں تولے ہوئے تلواروں کو
(۴۱)
میہمانوں کا نہیں پاس ستمگاروں کو — مصلحت ہو تو رضا دیجیے غمخواروں کو
روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں وہ منھ پہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور — نہ لڑائی کی ہوس ہے نہ شجاعت کا غرور
(۴۲)
جنگ منظور نہ تھی ان سے پر اب ہوں مجبور — خیر لڑ لو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور
ذبح کرنے کے لیے لشکرِ ناری آئے
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اڑائے تازی — مثلِ شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
(۴۳)
واہ ری حربِ خوشا ضربِ زہے جاں بازی — اڑ گئے ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی
تن و سر لوٹتے ریتی پہ نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اٹھ جاتے تھے

جس پہ غصہ میں گئے صید پہ شہباز گرا — یہ کماں کٹ کے گری وہ قدر انداز گرا
(۴۴)
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا — نہ اٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرداز گرا
ہاتھ منھ کٹ گئے سر اڑ گئے جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال پرے ٹوٹ گئے

(۴۰) ان دنوں میں تو وہم نظر آتے تھے جو کافر تھے قدم اکھڑ کے رکھ جاتے تھے

بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزم نبرد — سر کو نہوڑا کے بھرا سبط نبیؐ نے دمِ سرد
(۴۵)
ہوک اُٹھتی تھی کبھی سینے میں دل میں کبھی درد — سُرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد
کوئی گلرو تو کوئی سرو سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنھیں پالا تھا

زلفوں والا تھا کوئی کوئی مُرادوں والا — کوئی بھائی کا پسر کوئی بہن کا پالا
(۴۶)
چاند سا مُنھ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا — کوئی قامت میں بہت کم کوئی قد میں بالا
نوجواں کون سا خوش رو و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

ہاتھ وہ بچوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں — موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
(۴۷)
آب ہو شیر کا زہرہ وہ اگر للکاریں — بجلیاں کوند رہی ہیں کسے نیزیں ماریں
کس بشاشت سے ہزاروں پہ لپر آتے ہیں
بچے آتے ہیں کہ بپھرے ہوئے شیر آتے ہیں

یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقت زوال — لاش پر لاش گری بھر گیا میدانِ قتال
(۴۸)
مورچے سب تہ و بالا تھے پرے سب پامال — سرخ رو خلق سے اُٹھے اسد اللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی جنگ میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا اب یہی سمجھے کہ علیؑ لڑتے ہیں

قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ کا اللہ رے جہاد — غل ہر اک ضرب پہ تھا اب ہوئی دنیا برباد
(۴۹)
الاماں کا تھا کہیں شور کہیں تھی فریاد — دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد
گو وہ دنیا میں نہیں عرش مقام اُنکا ہے
آج تک عالم ایجاد میں نام اُن کا ہے

دوپہر میں وہ چمن باد خزاں نے لوٹا　　پتا پتا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا　　(۵۰)　　ابنِ زہرا کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا

پھر نہ یاور نہ وہ جانباز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسینؑ ابن علیؑ تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے　　سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں پیاس سے مثلِ گلِ تر مرجھائے　　(۵۱)　　مر گئے پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے

دُھوپ پڑتی تھی یہ دَورِ چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نہ سایا تھا

صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجب رنج و ملال　　زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال　　(۵۲)　　کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال

کبھی بڑھتے تھے وغا کو کبھی رُک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جُھک جاتے تھے

بڑھ کے چلاتے تھے بیدرد کہ اب آپ آئیں　　جوہرِ تیغ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
مرنے والے نہیں جیتے جو سنانیں کھائیں　　(۵۳)　　کاٹ لیں آپ کا سر تن سے تو فرصت پائیں

پسرِ سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں　　نہ تو لڑنے میں نہ مرجانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں بے یاور و ناصر ہوں میں　　(۵۴)　　شہر و صحرا بھی تمھارا ہے مسافر ہوں میں

لوٹ لو پھونک دو تاراج کرو بہتر ہے
کلمہ گویو یہ تمھارے ہی نبیؐ کا گھر ہے

کئی سو بیبیاں خیمے میں ہیں پردے والی
جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر عالی
(۵۵)
اب وارث ہے کوئی سر پہ نہ کوئی والی
ان کو دیکھے کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی

یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوئیں جن میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں

شہ کی ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب
گر لکھوں اسکو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
(۵۶)
قلب تھرا گیا ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب
دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہ عرش جناب

اشک خالی اُسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے

تھم کے چلائے کہ اے زینب و اُم کلثوم
تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسین مظلوم
(۵۷)
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکر شوم
ہاں جگا دو اُسے غش ہو جو سکینہ معصوم

نہیں ملتا جو زمانے سے گذر جاتا ہے
کہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

یہ صدا سُن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے
شہ کی آواز پہ سب بیکس و بے پر دوڑے
(۵۸)
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے
بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے

رو کے چلائی سکینہ شہ والا آؤ
میں تمھیں ڈھونڈھتی تھی دیر سے بابا آؤ

آؤ اچھے مرے بابا میں تمھارے واری
دیکھو تم بن ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
(۵۹)
آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری
ہاتھ پھیلا کے کہو آ مری بیٹی پیاری

منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ نہ شرماؤ تم
اب میں پانی بھی نہ مانگونگی چلے آؤ تم

دیکھ کر پردے سے یہ کہنے لگی زینب زار — ابن زہرا تری مظلومی کے ہم شیر نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار (۶۰) — شہ نے فرمایا بہن مر گئے سب مونس و یار

تم نے پالا تھا جسے ہم اُسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

منہ دکھائیں کسے سب سے ہے ندامت زینب — گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو فرصت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب (۶۱) — بھائی جاتا ہے دکھا دو ہمیں صورت زینب

نہ تو سر کھولو نہ منہ پیٹو نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو

صبر سے خوش ہے خدا لے مری غمخوار بہن — سہل ہو جاتا ہے جو امر ہو دشوار بہن
اپنی ماں کا ہے طریقہ یہ تمہیں درکار بہن (۶۲) — پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن

ناز پرور ہے مرے بعد الم اس پہ نہ ہو
بندے کانوں سے اُتارو کہ ستم اس پہ نہ ہو

کہیو عابد سے یہ پیغام مرا بعد سلام — غش تھے تم پھر گئے دروازے تلک آ کے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو اے گل اندام (۶۳) — کاٹیو صبر و رضا سے سفر کوفہ و شام

ناؤ منجھدھار میں ہے شور و تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے گھر جانے اب اور تم جانو

کہہ کے یہ باگ پھرائی طرف لشکر شام — پڑ گیا خیمۂ ناموس نبی میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام (۶۴) — رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام

سر جھکے اُن کے جو کامل تھے زباں دانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں　　مجھ کو پہچانو کہ خالق کا ثنا سا ہوں میں
(۶۵)
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراسا ہوں میں　　تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں

اُس کا پیارا ہوں جو ہے ساقیِ حوضِ کوثر　　اُس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
(۶۶)
اُس کا فرزند ہوں کی جس نے مہم بدر کی سر　　اُس کا دلبر ہوں میں وہی جسکو نبیؐ نے دختر
صاحبِ تخت ہوئے تیغ ملی تاج ملا
دوشِ احمدؐ پہ انھیں رتبۂ معراج ملا

وہ علیؑ حق نے جسے عرش سے بھیجی شمشیر　　وہ علیؑ جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
(۶۷)
وہ علیؑ جو ہوا احمدؐ کا وصی روزِ غدیر　　وہ علیؑ جس کی رسولوں سے فزوں ہے توقیر
وہ علیؑ سب سے زیادہ ہے عبادت جسکی
وہ علیؑ گھر میں خدا کے ہے ولادت جسکی

بے وطن ہوں نہ مسافر کو ستاؤ للہ　　قتل کیوں کرتے ہو تم کو سا میرا ہے گناہ
(۶۸)
اب نہ یاور ہے کوئی ساتھ نہ لشکر نہ سپاہ　　تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام نہ زر پاؤ گے
یاد رکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر　　حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
(۶۹)
چوم کر تیغ کے قبضہ کو پکارے شبیر　　لو خبردار چمکتی ہے علیؑ کی شمشیر
پسرِ فاتحِ صفین و حنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے روکو تو حسینؑ آتا ہے

کھینچی تیغ دو سر فوج پہ آفت آئی
لو ہلا قائمہ محشر قیامت آئی

(۷۰)

فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی
فخر سے غاشیہ بردار سی کوشوکت آئی

چوم لوں پاؤں جلال اس تگ و دو میں آیا
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

آپ سیدھے جو ہوئے رخش نے بدلے تیور
دونوں آنکھیں ابل آئیں کہ ڈرے بانی شر

(۷۱)

تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دم کو چنور
مثل طاؤس اڑا گاہ ادھر گاہ ادھر

دم بدم گرد نسیم سحری پھرتی تھی
جھوم کر پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی

ابر ڈھالوں کا اٹھا تیغ دو پیکر چمکی
برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی

(۷۲)

سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی
کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی

جس طرف آئی وہ ناگن اسے ڈستے دیکھا
میمنہ سروں کا صف دشمن پہ برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے
گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کگارا جیسے

(۷۳)

چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

کوندنا برق کا شمشیر کی خو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو ٹھا کوئی چار
نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت نہ سوار

(۷۴)

برق گرتی تھی کہ چمکی تھی صفوں پر تلوار
غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار

موت ہر غول کو برباد کئے جاتی تھی
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لئے جاتی تھی

تیغیں آری ہوئیں ڈھالوں کے اُڑے پرکالے — بند سب بھول گئے خوف سے نیزوں والے
جو بڑھا ہاتھ سرِ دست قلم کر ڈالے — (۷۵) تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے

صف پہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

جب کبھی جائزہ فوجِ ستم لیتی ہوں — مَوت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
دو زبانوں سے سدا کارِ قلم لیتی ہوں — (۷۶) چہرے کٹ چکتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں

برطرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں
طبلقیں کٹتی ہیں چہرے نظری ہوتے ہیں

وہ برش وہ چمک اسکی وہ صفائی اُس کی — کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اُس کی
اس کا بازو جو اُڑایا تو کلائی اُس کی — (۷۷) مل گئی جس کے گلے سے اجل آئی اُس کی

صورتِ مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اُسے جاتے دیکھا

کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پر — پیدلوں پر کبھی آئی کبھی اسواروں پر
کبھی ترکش پہ رکھا منھ کبھی سوفاروں پر — (۷۸) کبھی سر کاٹ کے آپہونچی کمانداروں پر

گر کے اِس غول سے اُٹھی تو اس انبوہ میں تھی
کبھی دریا میں کبھی بر میں کبھی کوہ میں تھی

کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پیکر کاٹا — کبھی در آئی گلے میں تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر کبھی جوشن کبھی بکتر کاٹا — (۷۹) طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا

بُرشِ تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا پہ مُنھ صاف رہا

نہ رُکی خود پہ وہ اور نہ سر پر ٹھہری
نہ کسی تیغ پہ دَم بھر نہ سپر پر ٹھہری
نہ جبیں پر نہ گلے پر نہ جگر پر ٹھہری (۸۰) کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری
جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی
یک بیک فصل فراقِ سر و گردن آئی
بگڑی اِس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی (۸۱) تیغ کیا آئی کہ اُڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اُترنے کا نہیں

وہ چمک اُس کی سروں کا وہ برسنا ہر سو
گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لبِ جو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو (۸۲) اور دَم بڑھتا تھا بیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
جب چلی ضربت سابق سے زیادہ کاٹا

تن تنہا شہِ دیں لاکھوں سواروں سے لڑے
بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے (۸۳) دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جان علی ابن ابی طالب ہو

تیسرے فاقے میں یہ جنگ یہ حملے یہ جدال
پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لبِ لعل
دُھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ نہال (۸۴) لُو وہ لُو جس کی حرارت سے پگھلتے تھے جبال
سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی (۸۵) ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغ حیدرؑ نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کسی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اک بار چلی اس کو دوپارہ دیکھا

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں رخش وہ رخش کہ سبزے کی سرعت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں (۸۶) ہاتھ وہ ہاتھ ید اللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار جگر کیا کسی بے پیر کا ہے
زور وہ جس میں اثر فاطمہؑ کے شیر کا ہے

جنگ میں پیاس کا صدمہ شہ دیں سے پوچھو تن تنہا کی وغا لشکر کیں سے پوچھو
زلزلہ دشت پر آفت کا زمیں سے پوچھو (۸۷) ضرب شمشیر دو سر روح امیں سے پوچھو
باپ اس فوج میں تنہا پسر اس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں

اسد اللہ کے صدقے شہ والا کے نثار وہی حملے تھے وہی زور وہی تھی تلوار
فتح حیدرؑ نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار (۸۸) مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار
کیوں نہ ہو احمد مرسل کے نواسے تھے حسینؑ
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسینؑ

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دوہائی مولا ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا
الاماں خوب سزا جنگ کی پائی مولا (۸۹) آپ کرتے ہیں بروں سے بھی بھلائی مولا
ہاتھ ہم باندھتے ہیں پھینک کے شمشیروں کو
بخشیے امت نااہل کی تقصیروں کو

آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام — یہ وغا تیسرے فاقے میں بشر کا نہیں کام
اے محمدؐ کے جگر بند امام ابن امام (۹۰) لوح محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

آج ہے آٹھوں بہشتوں کی نئی تیاری — نخل سرسبز ہیں فردوس میں نہریں جاری
شب سے حوریں ہیں مکلّل بجواہر ساری (۹۱) خانۂ دوست میں ہے دوست کی مہمانداری
پیشوائی کو رسول الثقلینؐ آتے ہیں
عرش تک شور یہی ہے کہ حسینؑ آتے ہیں

تھم گئے سُن کے یہ آواز شہ جن و بشر — روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر
عید ہو جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر (۹۲) شمر اظلم ہے کدھر کھینچ کے آئے خنجر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغ دودم — ہاتھ اُٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے سے کہ تھم
رہ گیا سر کو ہلا کر فرسِ تیز قدم (۹۳) چار جانب سے مسافر پہ جھکے اہلِ ستم
نیزے یوں گرد تھے جیسے گلِ تر خاروں میں
گھر گئے سبط نبی ظلم کی تلواروں میں

پہلے تیروں سے کمانداروں نے چھاتی چھانی — نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی (۹۴) خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رخِ نورانی
جسم سب چور تھا پرزے تھے زرہ جامہ کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامہ کے

برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے
کس طرف جائے کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے (۹۵)
اک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پر گہرے
دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے

خوں میں ڈوبا ہوا وہ مصحفِ رخ سارا تھا
جزو ہر اک تنِ شبیر کا سی پارہ تھا

ہاتھ سے باگ جُدا تھی تو رکابوں سے قدم
غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پر کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے دو ڑیرے پیہم (۹۶)
کوئی بیکس کا مددگار نہ تھا ہائے ستم

مارے تلواروں کے مہلت نہ تھی دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں کعبہ کے گرا دینے کی

دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا ہائے حسینؑ
میرے بیکس مرے بے بس مرے دکھ پائے حسینؑ
دور سے چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسینؑ (۹۷)
کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسینؑ

فاطمہؑ رو رہی ہیں ہاتھوں سے پہلو تھامے
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے

ہائے سیدِ تراتن اور ستم کے بھالے
کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
اس پہ یہ ظلم دکھوں سے جسے زہرا پالے (۹۸)
کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے

کون فریاد سُنے بے سر و سامانوں کی
یاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی

نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا
گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں اُٹھا جو علی کا پیارا (۹۹)
نیزہ سینے پہ سنان ابن انس نے مارا

واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمہ کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمن دیں
جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمر لعیں (۱۰۰)
آسماں ہل گئے تھرا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
پاؤں فرقِ آں پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منھ بنت علیؑ چلائی
ذبح ہوتے ہو مرے سامنے ہے ہے بھائی
ضرب اوّل تھی کہ تکبیر کی آواز آئی (۱۰۱)
گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علیؑ کی جائی
اُٹھ کے دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا
مُنہ جو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسینؑ
فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہو دھوم حسینؑ
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسینؑ (۱۰۲)
ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسینؑ
مُڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی

بس انیس آگے نہ لکھ زینبِ ناشاد کے بین
قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں تھی لاشِ حسینؑ
قبر میں بھی نہ ملا احمدِ مختار کو چین (۱۰۳)
گھر جلا قید ہوئی آلِ رسولِ ثقلین
کتنے گھر شاہ کے مرجانے سے برباد ہوئے
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

مرثیہ

۷

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے — جلوہ کیا سحر کے رُخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہ گردوں رکاب نے (۱) — مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا — یاں آج خوں بہیگا محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہرا کے لال کا (۲) — گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہو وہ صبح مبارک ہے جس کی شام — یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہونچ جائیں تشنہ کام (۳) — لکھے خدا نمازگذاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحید عصر یہ غل چار سُو اُٹھے
دُنیا سے جو شہید اُٹھے سرخرو اُٹھے

یہ سُن کے بستروں سے اُٹھے وہ خدا شناس — اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کئے سب نے بے ہراس (۴) — باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کیسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور (۵) خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دُور
فیاض حق شناس اُولوالعزم ذی شعور خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور

کانوں کو حُسنِ صوت سے حظ برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

سایونت بُردبار فلک مرتبت دلیر عالی منش سبا میں سلیماں و غا میں شیر
گردان و ہرانکی زبردستیوں سے زیر (۶) فاقوں میں دل بھی چشم بھی اور نیتیں بھی سیر

دُنیا کو ہیچ و ہیچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے تھے

تقریر میں وہ رمز و کنایہ کہ لاجواب نکتہ بھی مُنہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب (۷) سوکھی زبانیں شہد فصاحت سے کامیاب

لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ جو نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بو
پرہیزگار روزہ و ابرار و نیک خو (۸) غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو

پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا یہ ملک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب (۹) ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب

مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہوگئی
مٹی سے آنوں میں جلا اور ہوگئی

فلک سے تین دن کا گزرنا ہوا ہے سیر

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال — جن میں کئی تھے حضرتِ خیرالنسا کے لال
قاسمؑ سا گلبدن علی اکبرؑ سا خوش جمال — اِک جا عقیلؑ و مسلمؑ و جعفرؑ کے نونہال (۱۰)

سب کے رخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے ارنی گوے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور — وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور (۱۱)

گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک (۱۲)

ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربان صنعتِ قلمِ آفریدگار — تھی ہر ورق سے صنعتِ ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار — ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار (۱۳)

عالم تھا محوِ قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوشنوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا (۱۴)

پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
(۱۵)
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار

خواہاں تھے زہر گلشن زہرا جو آب کے (نخل)
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سترہ کی دھوم
(۱۶)
سبحان ربّنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو انکی عبادت کے تھے رسوم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی حمد

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار — اے دانہ کش ضعیفوں کے ارزق ترے نثار
(۱۷)
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار — تہلیل تھی کہیں کہیں تسبیح کردگار

طائر ہوا میں محو (نست) ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر ہونک (گونج) رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول — خوشبوئے جنکی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
(۱۸)
دنیا کی زیب زینتِ کاشانۂ بتولؑ — وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ

ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں لُٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لُٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار — پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
(۱۹)
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار — جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار

راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان — گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسمان
(۲۰)
بے چوبۂ سپہر بریں جس کا سائبان — بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جان

اللہ کے حبیب کے پیارے اُسی میں تھے
سب عرش کبریا کے ستارے اُسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اِس دشت کی زمیں — کہتا تھا آسمانِ دہم چرخ ہفتمیں
(۲۱)
پردے تھے رشک پردۂ چشمانِ حور عیں — تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں

دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبح گلِ آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں — تشریف جانماز پہ لائے شہ زماں
(۲۲)
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہ انس و جاں — صوتِ حسن سے اکبر مہرونے دی اذاں

ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آگئی

چپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر — تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
(۲۳)
محوِ ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در — پانی سے منھ نکالے تھے دریا کے جانور

اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموس شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار — چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
(۲۴)
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار — صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار

کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لو گو اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

یہ حسنِ صوت اور یہ قرأت یہ شد و مد — حقا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
(۲۵)
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤد باخرد — یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد

شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے — عینُ الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
(۲۶)
وہ لوذعی کہ جسکی طلاقت دلوں کو بھائے — دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے

غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ — قائم ہوئی نماز اُٹھے شاہِ کائنات
(۲۷)
وہ نور کی صفیں وہ مصلّی ملک صفات — قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں بہ نجات

جلوہ تھا تا بہ عرش معلّی حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلّی حسینؑ کا

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز — بسم اللہ جیسے آگے ہویوں تھے شہ حجاز
(۲۸)
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز — کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز

صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

باہم کمبروں کی صدائیں وہ دلپسند — کروبیانِ عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
(۲۹)
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند — خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند

خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہ نو تھے رکوع میں

وہ خوش بیاں

اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار　　اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجیے شمار

(۳۰)

پر سب وحید عصر و حق آگاہ و خاکسار　　پیر و امام پاک کے دانائے روزگار

تسبیح ہر طرف تہ افلاک انھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے

دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود　　ان کے لیے تھی بندگیِ واجب الوجود

(۳۱)

وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود　　طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود

طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پانوں میں
گر گر کے سجدے کرتے تھے تیغوں کی چھانوں میں

ہاتھ ان کے جب قنوت میں اٹھے سوئے خدا　　خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا

(۳۲)

تھرائے آسمان ہلا عرش کبریا　　شہپر تھے دونوں ہاتھ پہ طائر دعا

وہ خاکسار محو تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعا میں تھیں عرش پر

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام　　آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام

(۳۳)

چومے کسی نے دست شہنشاہِ خاص و عام　　آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر باحترام

کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

سجدے میں شکر کے تھا کوئی مردِ باخدا　　پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں کوئی دعا

(۳۴)

نعتِ نبی کہیں تھی کہیں حمدِ کبریا　　مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا

فاقوں میں تشنہ کامی غربت پہ رحم کر
یارب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

زاری تھی التجا تھی مناجات تھی اِدھر — واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
(۳۵)
کہتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے نہر پر — گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر

دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہ فلک سریر — ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
(۳۶)
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوے لشکر شریر — عباسؑ اُٹھے تول کے شمشیر بے نظیر

پروانہ تھے سراج امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

اکبر سے مُڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں — باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں
(۳۷)
تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں — بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں

غفلت میں تیرے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردن اصغرؑ ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہ آسماں سریر — غصہ پکاری ڈیوڑھی سے اے خلق کے امیر
(۳۸)
ہائے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر — اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر

گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقر کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش — گرمی کی فصل اور یہ تب و تاب یہ عطش
(۳۹)
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہوش — بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش

یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

اُٹھے یہ شور سُن کے امامِ فلک وقار ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
(۴۰)
فرمایا مُڑ کے چلتے ہیں اَب بہرِ کارزار کمریں کسو جہاد پہ مِل کر سوار اُو را ہوار

دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
اُمّت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرمائے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اِدھر
(۴۱)
جوشن پہن کے حضرتِ عباسِ نامور دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر

پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوش پاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خود سر کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہُما کے پر
(۴۲)
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر فرہ رُعب الاماں وہ تہور کہ الحذر کے

جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
(۴۳)
زینب کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال بچ جائے اِس فساد سے خیر النسا کا لال

بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سیّد پہ یہ جفا
(۴۴)
غربت میں گھِر گئی جو لڑائی تو ہو گا کیا ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا

فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یارب نواسے رسول کی یہ آلِ پاک ہیں

سر پر نہ اب علیؑ نہ رسولِؐ فلک وقار — گھر لُٹ گیا گذر گئیں خاتونِؑ روزگار
(۴۵)
اماں کے بعد روئی حسنؑ کو مَیں سوگوار — دُنیا میں اب حسینؑ ہے اِن سب کا یادگار

تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اِس پہ بَن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہ آسماں جناب — مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
(۴۶)
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب — خود جا کے میں دکھاتا ہوں اُن کو رہِ صواب

موقع نہیں ہے بہن ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

معراج میں رسول نے پہنا تھا جو لباس — کشتی میں لائیں زینب اسے شاہ دیں کے پاس
(۴۷)
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس — پہنی قبائے پاک رسولِ فلک اساس

بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا

شملے کے دو سرے جو چھٹے تھے بصد وقار — ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
(۴۸)
بَل کھا رہا تھا زلف سمن بو کا تار تار — جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار

مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے یہ گیسو کے پیچ ہیں — سنبل کی اصل کیا ہے

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بُو — دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دولھن کی بو
(۴۹)
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بُو — پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو

لُٹتا تھا عطر وادیٔ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہ زمن — لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
(۵۰)
چلائی ہائے آج نہیں حیدر و حسنؑ — اماں کہاں سے لائے تھیں اب یہ پوطین
رخصت ہوا اب رسولؐ کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے — پیٹا منھ اپنا زینبِ عصمت پناہ نے
(۵۱)
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے — بازو پہ جو شنین پڑھے عزو جاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے

یاد آ گئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار — قبضے کو چوم کر شہ دیں روئے زار زار
(۵۲)
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیر آبدار — شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اسکی تجھ کو ضربِ عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے — پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
(۵۳)
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے — معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام — تیار اُدھر ہوا علمِ سیدِ الانام
(۵۴)
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام — روتی تھی تھامے چوب علم خواہرِ امام
تینغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار — مرفق تک آستینوں کو اُلٹے بصد وقار
(۵۵)
جعفر کا رعب و دبدبۂ شیر کردگار — بوٹا سے اُن کے قد پہ نمودار و نامدار

آنکھیں ملیں علم سے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانبِ علَم — نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہ اُمم
(۵۶)
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم — آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم

کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا
اماں کسے ملیگا علم نانا جان کا

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہِ خوش خصال — ہم بھی محق ہیں آپ کو اسکا ہے خیال
(۵۷)
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال — اِس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال

آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزّت طلب ہیں نام کے امیدوار ہیں

بے مثل تھے رسولؐ کے لشکر کے سب جواں — لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
(۵۸)
غیبت میں دیکھتا رہا مُنھ لشکرِ گراں — پایا مگر علیؑ نے علم وقتِ امتحاں

طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے اُنھیں کے ہم ہیں اُنھیں کے نواسے ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام — کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
(۵۹)
دیکھو نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام — بگڑوں گی میں جو لوگے زباں سے علم کا نام

لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے تم یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے

سر کو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
(۶۰)
کھوتے ہو اور آئے ہو تم مرے حواس
بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے پھر جو بُرا یا بھلا کہوں
اِس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

عمرِ قلیل اور ہوسِ منصبِ جلیل
اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
(۶۱)
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل
ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچ غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

اِن ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھیگا یہ عَلَم
چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں سبھوں سے کم
(۶۲)
نکلے تنوں سے سبط نبی کے قدم پہ دَم
عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار
زیبا نہیں ہے وصف اضافی پہ افتخار
(۶۳)
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار
دکھلاؤ آج حیدر و جعفر کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لالِ خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

کیا کچھ علم سے جعفرِ طیار کا تھا نام
یہ بھی تھی اِک عطائے رسولِ فلک مقام
(۶۴)
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انھیں سے کام
جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بیجاں ہوئے تو نخل و غا نے ثمر دیئے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیئے

لشکر نے تین روز ہزیمت اُٹھائی جب — بخشا علم رسولِ خدا نے علیؑ کو تب
(۶۵)
مرحب کو قتل کرکے بڑھا جب وہ شیرِ رب — در بند کرکے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب

اُکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتا درخت سے

نرغے میں تین دن سے ہے مشکلکشا کا لال — آماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
(۶۶)
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال — میں لُٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال

غمخوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام — غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
(۶۷)
واللہ کیا مجال جو لیں اب علم کا نام — کھل جائیگا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام

فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر — چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
(۶۸)
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر — ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر

کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

زینب کے پاس آکے یہ بولے شہ زمن — کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سُنی بہن
(۶۹)
شیروں کے شیر عاقل و جرار وصف شکن — زینبؑ وحید عصر ہیں یہ دونوں گلبدن

یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے — بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے (۷۰) — کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے

بیشک یہ ورثہ دار جنابِ امیر ہیں
پر کیا کروں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

اب تم جسے کہو اُسے دیں فوج کا علم — کی عرض جو صلاح شہ آسماں حشم
فرمایا جب سے اُٹھ گئیں زہرا بے باکرم (۷۱) — اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم

مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام — ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام (۷۲) — گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام

شوکت میں قدمیں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار — فرزند بھائی زینتِ پہلو وفا شعار
راحت رساں مطیع منو دار نامدار (۷۳) — جرار یادگار پدر فخر روزگار

صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
بیمثل سیکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن — ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن (۷۴) — اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن

کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

یہ بی بی صلاح جب سے سردار نام

عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ — جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
(۷۵)
زینب وہیں علم لئے آئیں بہ عز و جاہ — بولے نشاں کو لے کے شہ عرش بارگاہ

ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار — ہمشیر کے قدم پہ ملا منھ بہ افتخار
(۷۶)
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار — عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

کی عرض میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر — ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بد گہر
(۷۷)
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر — دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر

ساونت ہیں سپر اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دوں آنکھیں نکال کے

منھ کر کے سوے قبر علیؑ پھر کیا خطاب — ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
(۷۸)
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو تراب — آقا کے آگے ہوں میں شہادت سے کامیاب

سر تن سے ابن فاطمہؑ کے روبرو گرے
شبیرؑ کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سن کے آئی زوجۂ عباسؑ نامور — شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
(۷۹)
لیں سبط مصطفےٰ کی بلائیں بہ چشم تر — زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر

فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا — تو اپنی مانگ کو کھ سے ٹھنڈی رہے سدا
(۸۰)
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو فدا — بانوے نامور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جئیں ترقی اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر سب کو لے کے جائے — شیراز میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
(۸۱)
اُمِّ لبنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے — جلدی شبِ عروسیِ اکبر خدا دکھائے
مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دولھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آ کے بالی سکینہ نے یہ کہا — کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
(۸۲)
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا — لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

عباسؑ مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ — عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
(۸۳)
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ — اب تو علم ملا تمھیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ نہ کوئی دیجے نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجیے

باتوں پہ اُسکی روتی تھیں سیدانیاں تمام — کی عرض آ کے ابن حسنؑ نے کہ یا امام
(۸۴)
انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام — فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام
عباسؑ اب علم لیئے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہُوئی پکار — آتے ہیں اَب حضور خبردار ہو شیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار (۸۵) نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار

بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

ناگہ بڑھے علم لیئے عباس باوفا — دوڑے سب اہلبیت کھلے سر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اُٹھا کے یہ اک اک سے کہا (۸۶) لو الوداع اے حرمِ پاک مصطفےٰ

صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینبِ زار و حزیں گری — بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروے زمیں گری (۸۷) باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری

اُجڑا چمن ہر اک گلِ تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شانِ حضرتِ عباس عرش جاہ — آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرائے دو عالم کا بادشاہ (۸۸) نشتر بدل تھی بنتِ علی کی فغان و آہ

رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گلِ آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمد کی شان سے — ترکش لگا یا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے (۸۹) اُترا ہے پھر زمیں پہ براقِ آسمان سے

سارا چلن حرم میں کبک دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دُلھن کا ہے چہرہ پری کا ہے

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے
بَن بَن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
(۹۰)
ساپنے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
حوروں
بالا دوی میں اُس کو ہُما پر بھی فوق ہے

تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
(۹۱)
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا
رایت بڑھا کہ سرو ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے باد بہاری پہونچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی

پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر
اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اِس کی عرش پر
(۹۲)
زر ریزی علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولھا کا رخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اِس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

اللہ ری سپاہ خدا کی شکوہ و شان
جھکنے لگے جنود ضلالت کے بھی نشان
(۹۳)
کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جوان
دُنیا کی زیب دین کی عزت جہاں کی جان
ایک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ سِنی قدسمن عذار
گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
(۹۴)
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار
کھیلیں جو نیچوں سے کریں شیر کو شکار
تیروں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عیدگاہ میں دولھا بنے ہوئے

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام (۹۵) دُنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام ہمشکلِ مصطفےٰ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیئے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

دنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے اب جہاں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں (۹۶) پیدا کیا ہے حق نے عجب حُسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسیں پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانبِ امام گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے اِدھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام (۹۷) بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
اک اک کی جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

نکلے پے جہاد عزیزاں شاہ دیں نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیرِ خشم گیں (۹۸) کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار (۹۹) گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا تھا شمار
اتنے سوار قتل کیئے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں　　آفت کی ٹہرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں　　(۱۰۰)　　فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں
شوکت ہُوَ ہُوَ تھی جنابِ امیر کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینبؑ کے شیر کی

کس مُحسن سے حَسَن کا جوانِ حسیں لڑا　　گھر گھر کے صورت اسدِ خشم گیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا　　(۱۰۱)　　سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیئے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرتِ عباس عرش جاہ　　روح الامیںؑ پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعد روسیاہ　　(۱۰۲)　　کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں کو پیر کے

بے سر ہوے موکل سرچشمۂ فرات　　ہل چل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے فوت ہوے کتنے بدصفات　　(۱۰۳)　　گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ حیات
عباسؑ بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہر واں میں امیرِ عرب لڑے

آفت تھی حرب و ضرب علی اکبرِ دلیر　　غصّے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سر بلند پست و بر و دست سب تھے زیر　　(۱۰۴)　　جنگل میں چار سمت ہوے زخمیوں کے ڈھیر
سر اُن کے اُترے تن سے جو تھے بن چڑھے ہوے
عباس سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوے

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک — ہلتی رہی زمیں لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک (۱۰۵) — نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک

ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

لاشے بھوں کے سبط نبی خود اٹھا کے لائے — قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے (۱۰۶) — فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے

اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام — ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبیؐ کی قبا تمام
افسردہ و حزیں و پریشان و تشنہ کام (۱۰۷) — برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھم دھام

اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھ سے دل تھام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ — اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے انفراغ (۱۰۸) — جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ

پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہ زمن — پر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن (۱۰۹) — اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن

پھر ایک بار اس مہ انور کو دیکھ لیں
اکبرؑ کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑے آلِ محمدؐ برہنہ سر　　اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
(۱۱۰)
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر　　منہ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیمبر

غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہ آسماں سریر　　تھا اِس طرف کمیں میں بنِ کاہل شریر
(۱۱۱)
مارا جو تین بھال کا اِس بے حیا نے تیر　　بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر

تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گود ی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیر خوار　　چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
(۱۱۲)
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار　　اے خاکِ پاک حرمتِ مہمان نگاہدار

دامن میں رکھ اسے جو محبّتِ علیؑ کی ہے
دَولت ہے فاطمہ کی امانت علیؑ کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے　　واقف نہیں ہے قبر کی شبہائے تار سے
(۱۱۳)
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے　　گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے

سیّد ہے لال حضرتِ خیر النسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام　　آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سُرخ فام
(۱۱۴)
زیبِ بدن کئے تھے بصد عزّ و احتشام　　پیراہنِ مطہّرِ پیغمبرِ انام

حمزہؓ کی ڈھال تیغ شہ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار　　جرار برد بار سبک رو وفا شعار
کیا خوشنما تھا زین طلا کار و نقرہ کار　　(۱۱۵)　　اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
خوشخو تھا خانہ زاد تھا دلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

گرمی کا روز جنگ کی کیونکر کروں بیاں　　ڈر ہے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زبان
وہ لو کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں　　(۱۱۶)　　رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسمان
آب خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لو وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب　　کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب　　(۱۱۷)　　خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تابہ شام　　مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ فام　　(۱۱۸)　　پتھر گچھل کے رہ گئے تھے مثل موم خام
سرخی اڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اترا تھا سائے کی چاہ سے

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار　　ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار　　(۱۱۹)　　کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ بار دار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

تھے گچھل گچھل گرے تھے

آب رواں سے مُنھ نہ اُٹھاتے تھے جانور　　جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
(۱۲۰)
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر　　خس خانہ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے　　آہو نہ مُنھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
(۱۲۱)
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے　　گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں　　انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
(۱۲۲)
مُنھ سے نکل پڑی تھی ہر اک مَوج کی زباں　　تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں

پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخ مَوج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب　　چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
(۱۲۳)
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب　　کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
باد دل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

اِس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہ اُمم　　نہ دامنِ رسول تھا نہ سایۂ علَم
(۱۲۴)
شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم　　اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم

بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب شہسوار — آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پر ند آ کے بیشمار (۱۲۵) — سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار

پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہؑ کے لئے قحط آب تھا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چتر زر — خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مگر زمیں کو تر (۱۲۶) — فرزند فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر

وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سونا لگا تھا رنگ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسماں جناب — بیعت جو کیجیے اب بھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب (۱۲۷) — دریا کو خاک جانتا ہے ابنِ بو تراب

فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آب بقا ہو اب تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیلؑ — چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل (۱۲۸) — بے آبرو خسیس ستمگر دنی بخیل

جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھولے اگر فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے — کوثر ہمیں رسولؐ کا احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے (۱۲۹) — لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے

چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوے ذوالفقار — تھرا کے پچھلے پانوں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار (۱۳۰) — آواز کوس حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پر اسوار تل گئے
کالے نشاں سپاہ سیہ رو میں کھل گئے

وہ دُھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش — کر ہو گئے تھے مشورے کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش (۱۳۱) — نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

لو پڑھ کے چند شعر رجز شاہ دیں بڑھے — گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانند شیر نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے (۱۳۲) — گویا علیؑ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروس مصاف کو
مشکلکشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جُدا — جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جُدا گل سے بو جُدا (۱۳۳) — سینے سے دم جُدا رگ جاں سے لہو جُدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح — کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوے سحاب آئے جس طرح (۱۳۴) — دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں برق تیغ جو چمکی شرر اڑے — جھونکا چلا ہوا کا جو سن سے تو سر اڑے
(۱۳۵)
پر کالۂ سپر جو ادھر اور ادھر اڑے — روح الامیںؑ نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے

ظاہر نشانِ اسم عزیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اُسے — کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
(۱۳۶)
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے — سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے

نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمیں پر

آئی چمک کے غول پہ جب سرگرا گئی — دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
(۱۳۷)
اک ایک قصر تن کو زمیں پر گرا گئی — سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی

آ پہونچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

اِس آب پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
(۱۳۸)
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان — استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان

لہرائی جب اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

قلب و جناح و میمنہ و میسرہ تباہ — گردن کشانِ اُمّت خیر الورا تباہ
(۱۳۹)
جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ — بے جان جسم روح مسافر سرا تباہ

بازار بند ہو گیا جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی — چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلبگار جنگ کی (۱۴۰) — حاجت نہ سان کی تھی اُسے کچھ نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغ خزاں تھی گلشن ہستی سے کیا اُسے — گھر جس کا خود اُجڑ گیا بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اُسے (۱۴۱) — جو آپ سربلند ہو پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ برش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا — گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الامان کا غل چار سو ہوا (۱۴۲) — جو اس کے منھ پہ آ گیا بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اُس کی آنچ سے

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی — چمکی تو اُس طرف ادھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی (۱۴۳) — اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
منھ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جان سے ہاتھ — گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشان سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ (۱۴۴) — جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منھ چھپانے کو
ہاں پانوں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوف تیغ نشہ کائنات کا (۱۴۵) زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا پہ حال یہ تھا ہر اک بد صفات کا چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا

غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر (۱۴۶) منھ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر تھے نہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اُس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانوں میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آ گئی کانوں میں الاماں کی صدا ان کے آ گئی
دو کر کے خود زمین پہ جوشن سے آ گئی (۱۴۷) کھنچتی ہوئی زمین پہ تو سن سے آ گئی

بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بو تراب کی

پس پس کے کشمکش میں کماندار مر گئے چلے تو سب چڑھے رہے بازو اتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے (۱۴۸) مقتل میں ہو سکا نہ گذارا گذر گئے

دہشت سے ہوش اُڑے ہوئے تھے مرغ وہم کے
سو فار کھول دیتے تھے منھ سہم سہم کے

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھی چشم مور (۱۴۹) لشکر میں خوف جاں نے انھیں کر دیا تھا کور

ہوش اُڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سو فار جان کے

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے — اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
(۱۵۰)
اٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے — مخبر پہ پیک پیک پہ مرکز عسس گرے

ٹوٹے پڑے شکست بنائے ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

غصے تھا شیر شرزہ صحرائے کربلا — چھوڑے تھے گرگ منزل و ماوائے کربلا
(۱۵۱)
تیغ علی تھی معرکہ آرائے کربلا — خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا

بستی بسی تھی مردوں کی قریے اجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے — تھی طرفہ کشمکش فلک پیر کے تلے
(۱۵۲)
چلے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے — چھپتی تھی سر جھکا کے کماں تیر کے تلے

اس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

چاروں طرف کمان کیانی کی وہ ترنگ — رو رو کے ابر شام سے وہ بارش خدنگ
(۱۵۳)
وہ شور صیحۂ فرس ابلق و سرنگ — وہ لوٹ وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ

پھنکتا تھا دشت کیں کوئی دل تھا نہ چین سے
اس دن کی تاب تب کوئی پوچھے حسین سے

سقے پکارتے تھے یہ مشکیں لیے ادھر — بازار جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر
(۱۵۴)
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر — مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہل شر

کیا آگ لگ گئی تھی جہان خراب کو
پیتے تھے سب حسین ترستے تھے آب کو

گرمی میں پیاس تھی کہ پھُنکا جاتا تھا جگر — اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
(۱۵۵)
آنکھوں میں تیس اُٹھی جو پڑی دُھوپ پر نظر — جھپٹے کبھی اِدھر کبھی حملہ کیا اُدھر

کثرت عرق کے قطروں کی تھی رُوئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

سیراب پھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے — چلتی تھی ایک تیغ علیؑ لاکھ رنگ سے
(۱۵۶)
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے — رکتی نہ تھی سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے

خالق نے مُنھ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اُس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر — پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
(۱۵۷)
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر — گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکائے سر

ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
سیسر پہ جس نے ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

گھوڑے کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی — سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
(۱۵۸)
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی — تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی

آری جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے مُنھ پھرا لئے تھے کارزار سے

گھوڑوں کی جست و خیز سے اُٹھا غبار زرد — گردوں میں مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
(۱۵۹)
تودا بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد — کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیِ نبرد

پنہاں نظر سے نیرِ گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر پہ نہ شب تھی نہ روز تھا

جھکائے زمیں پر سر

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی　　سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی　　(۱۶۰)　　تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی　　اللہ کا غضب ہے لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی　　(۱۶۱)　　دُنیا حسین کی ہے خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

اکبر کا نام سُن کے جگر پر لگی سناں　　آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
مُڑ کر پکارے لاش پسر کو شہ زماں　　(۱۶۲)　　تم نے نہ دیکھی جنگ پدر لے پدر کی جاں
قسمیں تمھاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلّایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد　　اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلاف وعد　　(۱۶۳)　　اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثالِ رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابن سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر　　روئیں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر　　(۱۶۴)　　تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ دو پسر
دل میں بدی طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اسی قد و قامت کا ایک بَل — آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بَل
(۱۶۵)
بدکار و بدشعار و ستمگار و پُر دغل — جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دَل

بھالے لئے کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہیے — دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیے
(۱۶۶)
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے — فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیے

نقشہ کھنچیگا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی — ساونت بے حواس ہراساں دھنی بلی
(۱۶۷)
ڈر تھا کہ لو حسینؑ بڑھے تیغ آب چلی — غل تھا اِدھر ہیں مرحب و عنتر اُدھر علیؑ

کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں — بسم اللہ اے امیرِ عرب کے سُرورِ جاں
(۱۶۸)
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہ زماں — اُٹھی علی کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں

واں سے وہ شور نخبت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا مُنھ میں ادھر ذوالفقار کے

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے — وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اِدھر گڑائے
(۱۶۹)
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گرگڑائے — غصے میں آکے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے

ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پانوں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پانوں

نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند — مشکلکشا کے لال نے کھولے تمام بند
(۱۶۰)
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا کچھ وہ بہرہ مند — چلّہ اِدھر کھنچا کہ چلی تیغ سربلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

ظالم اُٹھا کے گرز کو آیا جناب پر — طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
(۱۶۱)
مارا جو ہاتھ پانوں جما کر رکاب پر — بجلی گری شقی کے سرِ پر عتاب پر
بدہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار — پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
(۱۶۲)
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار — یاں سر سے آئی پشت کے مُہروں پہ ذوالفقار
قربان تیغ تیز شہ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

پھر دوسرے پہ گرز اُٹھا کر پکارے شاہ — کیوں ضرب ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
(۱۶۳)
سرشار تھا شراب تکبر سے رو سیاہ — جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
غل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دوسرا شکار چلا مُنھ میں شیر کے

آتا تھا وہ کہ اسپ شہ دیں پلٹ پڑا — شامت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
(۱۶۴)
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا — ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
پیوند صدر زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر — شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
شاہیں و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر — (۱۶۵) اُڑ کر گرے جزیروں میں دریا کے جانور
سمٹے پہاڑ مُنھ کو جو دامن سے ڈھانپ کے — جنگل
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے

آئی ندائے غیب کہ شبیرؑ مرحبا — اِس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا — (۱۶۶) دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اب نہ کر وغا کی ہوس اے حسین بس — دَم لے ہَوا میں چند نفس اے حسین بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسین بس — (۱۶۷) وقتِ نماز عصر ہے بس اے حسین بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدحام میں
اب اہتمام چاہیے اُمت کے کام میں

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں — پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں — (۱۶۸) پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بیکس حسینؑ ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمھارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر — چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر — (۱۶۹) پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
(۱۹۰)
یہ دکھ نبیؐ کی گود کے پالے حسینؑ پر قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر

تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے فرزند فاطمہ کی یہ توقیر ہائے ہائے
(۱۹۱)
بھالے وہ اور پہلوئے شبیر ہائے ہائے وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے

غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسین پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
(۱۹۲)
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبیؐ کا رنگ ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ

تھا ماگلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلق مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے تین بھال کا تھا ناوکِ ستم مُنھ کھل گیا اُلٹ گئی گردن رُکا جو دم
(۱۹۳)
کھینچی سری گلے کی طرف سے بہ چشمِ نم بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم

اُبلا جو خوں نکلتا ہُوا دم ٹھہر گیا
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اعور سلمی عدوے دیں سر پہ لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
(۱۹۴)
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں بھاگا گرا کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں

گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرتؑ نے آہ کی
تھرا گئی ضریحِ رسالت پناہ کی

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ہے غضب (۱۹۵) نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآں رحل زیں سے سر فرش گر پڑا
دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

گر کر کبھی اٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر اگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر (۱۹۶) کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی ادھر
اٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منھ کے بل گرے

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حق محبت کرے ادا (۱۹۷) ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
انیس سو ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینب نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

پردہ الٹ کے بنت علی ننگے سر لرزاں قدم خمیدہ کمر غرق خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر (۱۹۸) اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
آماں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہونچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں کی آنکھوں میں ہے سیاہ لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے آماں کدھر ہیں آہ (۱۹۹) کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتلگاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ　　بس اب سفر قریب ہے للہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ　　(۱۹۰)　　یا مرتضیٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ

اب چھوڑ یونہ دشت بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

بنتِ علی تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر　　کٹتا تھا نور چشم علیؑ کا گلا ادھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر　　(۱۹۱)　　لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر

پہونچی جو قتلگاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسین کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار　　سیدتری اہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار　　(۱۹۲)　　بھولے بہن کو لے اسدِ حق کے یادگار

صدقے گئی لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی ذکر آہ میں

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو　　چلا رہی ہے دخترِ حیدر جواب دو
سوکھی زباں سے بہر تیمم جواب دو　　(۱۹۳)　　کیونکر جیے گی زینبِ مضطر جواب دو

جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیا میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں کیا کروں　　کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں　　(۱۹۴)　　بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں

دنیا تمام اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

نقاشِ بے نظیر

ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گذر گئی بھیا بتاؤ کیا تہ خنجر گذر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گذر گئی (۱۹۵) صد شکر جو گذر گئی بہتر گذر گئی

سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوج نابکار کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکر کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار (۱۹۶) رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار

بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیس ضعف سے لرزاں ہے بند بند عالم میں یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند (۱۹۷) عالم پسند لفظ ہیں سلطاں پسند بند

یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

کتبہ علی حسین لکھنوی

سلام

اور

رُباعیاں

سلام

(۱)

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لیے
شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لیے

زندگی میں تو نہ اک دم خوش کیا ہنس بول کر
آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لیے

کنج عزلت میں مثال آسیا ہوں گوشہ گیر
رزق ہو پہنچا تا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے

تو سراپا اجر لے زاہد میں سر تا پا گناہ
باغ جنت تیری خاطر کربلا میرے لیے

کہتے تھے شہ سخت ہے تیغ و گلو کا مرحلہ
یہ بھی مشکل سہل کر دے گا خدا میرے لیے

آبرو و مال و فرزندان حرم لے عز و جاہ
کس کی خاطر ہو گیا جو کچھ ہوا میرے لیے

بھر دیا دامن کو مولا نے دُر مقصود سے
زر دیا زر پر عطا پر کی عطا میرے لیے

نام روشن کر کے کیونکر بجھ نہ جاتا مثل شمع
ناموافق تھی زمانے کی ہوا میرے لیے

ہر نفس آئینہ دل سے یہ آتی ہے صدا
خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جلا میرے لیے

بیچ دے جنت میں یا دوزخ میں ہاں مجرم تو ہوں
توبہ عادل جو مناسب ہو سزا میرے لیے

اے موس اپنی اپنی قسمت اس میں شاکیا
کیمیا تیرے لیے خاک شفا میرے لیے

خاک کو ہو خاک سے الفت تڑپتا ہوں انیس
کربلا کے واسطے میں کربلا میرے لیے

(۲)

رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
جز غم آل عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

کربلا پہونچے زیارت کی ہمیں پرواہ ہے کیا ۲ اب ارم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں
در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے ۳ سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم وال قدم رکھتے نہیں
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھرینگے ان کے سر ۴ آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں
کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علی کے شیر ہیں ۵ جب بڑھاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں
دھو دیے اشکوں نے دفتر سے تمام اعمال زشت ۶ ہم تری پروا کچھ اے ابر کرم رکھتے نہیں
جو سخی ہیں مال دنیا سے ہیں خالی انکے ہاتھ ۷ اہل دولت جو ہیں وہ دست کرم رکھتے نہیں
جو مقدر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے ۸ ہم ہیں صابر کچھ خیال بیش و کم رکھتے نہیں
زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدان سخن قطعہ اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں
یہ دوات و خامہ ہے ملک فصاحت کا نشاں ۱۰ کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں
نقد جاں تک دے کے ہم جاتے ہیں یاں سے وقت کوچ ۱۱ عاریت جو شے ہو اس کو پاس ہم رکھتے نہیں
ایک کشکول توکل ایک نقد جاں ہے پاس ۱۲ ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں
کہتے تھے سجاد کھینچ سکتی نہ تھیں جب بیڑیاں ۱۳ کیا کروں اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں
مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اٹھوگے انیس ۱۴ ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

(۳)

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں
کبھی برا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا ہر ایک ذرے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں
کریم مجھ کو عطا کر دو فقر دنیا میں کہ جس کو فخر رسالت مآب سمجھے ہیں
بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نان خشک کو وہ اس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

ابو تراب کے در کا ہے ذرہ بیقدر — ہم آسماں پہ جسے آفتاب سمجھے ہیں
ارے نہ آئیو دنیا کے دوں کے دھوکے میں — سراب ہے یہ جسے موج آب سمجھے ہیں
یہ شک تاک ہے کہتے ہیں جسکو آب طرب — یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب سمجھے ہیں
شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیروں کو — سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں
جھکائیں سر کو نہ کیونکر عراق کے فصحا — سوال شاہ کو سب لاجواب سمجھے ہیں
خدا کی راہ میں بذلے ہے جن کو راحت سے — زمین گرم کو وہ فرش خواب سمجھے ہیں
انیس مخمل و دیبا سے کیا فقیروں کو — اسی زمین کو ہم فرش خواب سمجھے ہیں

(۴)

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے ۱ — کسی کی آس بغیر اللہ نہیں رکھتے
نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسین واہ رے صبر ۲ — یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے
کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر ۳ — کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے
حسینؑ کہتے تھے سونے کو پانوں پھیلا کر ۴ — سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے
سوائے کوثر و تسنیم و خلد و باغ بہشت ۵ — یہ شک ہیں وہ گھر جو بہا نہیں رکھتے
قناعت و گھر آبرو و دولت دیں ۶ — ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے
فشار قبر کا ڈر ہو تو اُن کو ہو جو لوگ ۷ — کفن میں صرۂ خاک شفا نہیں رکھتے
ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منّت خلق ۸ — وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے
فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے ۹ — کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے
غم حسین کے داغوں سے دل کرو روشن ۱۰ — خبر لحد کے اندھیرے کی کیا نہیں رکھتے

مسافرو شبِ اوّل بہت ہے تیرہ و تار ۱۱ چراغ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے
(خدا) نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا ۱۲ وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے
سکینہ کہتی تھی کیونکر نہ دم گھٹے واں ۱۳ وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے
فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلق پاک رسولؐ ۱۴ حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے
جہاں زناں نبی کیا بچے تباہی سے ۱۵ تلاطم ایسا ہوا ودا نہیں رکھتے
گلے اصغرِ معصومؑ و تیر و اویلا ۱۶ یہ ظلم وہ ہیں کہ جو انتہا نہیں رکھتے
فقط حسینؑ پہ یہ تفرقہ پڑا ورنہ ۱۷ کسی کی لاش کو سر سے جدا نہیں رکھتے
انیسؔ بیچ کے جان اپنی ہند سے نکلو ۱۸ جو توشۂ سفرِ کربلا نہیں رکھتے

(۵)

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا
علیؑ کو حق نے اُتارا جو عین کعبہ میں کھلی جو آنکھ تو پہلے (خدا) کا گھر دیکھا
بروز عید بھی آیا جو کوئی ملنے کو غمِ حسینؑ میں عابدؑ کو نوحہ گر دیکھا
قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا
سحر ہوئی شبِ معراج کی تو لوگوں نے جمالِ پاک رخِ سیّد البشر دیکھا
کہا یہ سب نے غلاموں سے کیجیے ارشاد جو کچھ حضورؐ نے یا شاہ بحر و بر دیکھا
گہر فشاں ہوئے لعلِ لب رسول کریم کہ سب سے رتبۂ حیدرؑ زیادہ تر دیکھا
ورائے کرسی و عرش عظیم و لوح و قلم وصی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
ولی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہونچا علیؑ علیؑ نظر آئے جدھر جدھر دیکھا

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیسؔ — عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

(۶)

غمِ شہ کا جس نے بیاں کر دیا — ان آنکھوں نے دریا رواں کر دیا
گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی — ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر — مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن — تجھے بات میں آسماں کر دیا
لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح — قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا
فلک سے ہوا کب مرا کام سہل — مگر ہاں جنازہ رواں کر دیا
زہے شفقتِ سبطِ خیر الورےٰ — عجب رتبۂ میہماں کر دیا
کوئی جانتا بھی نہ تھا حر کا حال — اُسے دم میں جانِ جہاں کر دیا
کہاں ایک ذرہ کہاں آفتاب — اللہ خدا نے کسے مہرباں کر دیا
گھٹا فکر میں جسم مثلِ قلم — سراپا کو صرفِ زباں کر دیا
نہ کی آہ کچھ عمر رفتہ کی قدر — عجب جنس کو رائگاں کر دیا
نہ دیکھی گئی شہ سے اصغر کی لاش — زمیں میں پسر کو نہاں کر دیا
ہوئے دفن اکبر تو چلائی ماں — اجل نے زمیں میں نہاں کر دیا
چھپانے لگے ہم سے منھ قبر میں — انھیں جب خدا نے جواں کر دیا
جو پوچھی علمدار نے جائے قبر — ترائی میں شہ نے نشاں کر دیا
نوا سنجیوں نے تری اے انیسؔ — ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

(۷)

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھکر حسینوں کو
خیال صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

لحدیں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

یہ جھرّیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

لگا رہا ہوں مضامیں نو کا پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

بجا ہے اس لئے اکبر سے تھا حسین کو عشق
کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو

غضب ہے اہلِ ستم اُس میں جائیں دانہ
جس آستاں پہ ملائک رکھیں جبینوں کو

نظر میں پھرتی ہے وہ تیرگی وہ تنہائی
لحد کی خاک ہے سُرمہ مآل بینوں کو

بشر کو چاہیے دُنیا میں اُسکے حسن سے عشق
کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو

غلط یہ لفظ وہ بندش بری یہ مضموں سُست
ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو

لگا و غا میں ٹپکنے لہو جو قبضے سے
چڑھا لیا شہ والا نے آستینوں کو

دہانِ کیسہ زر بند رکھ پرائے منعم
خدا کے واسطے وا کر جبیں کی چینوں کو

خیال خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

کہاں تکاں سے اجل نے حسین کہتے تھے کہ بڑے کیوں تو ہو مجھ عشق

(۸)

علیؑ سا بھی نہ کوئی عادلِ زمانہ ہوا
کہ ایک بازو کبوتر کا آشیانہ ہوا

سیاہ دیدۂ شبیر میں زمانہ ہوا
ہوائے ظلم سے جب گل چراغ خانہ ہوا

امیر جس درِ دولت پہ اک زمانہ ہوا
وہ گھر اُجڑ گیا غارت وہ کارخانہ ہوا

مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا
زمیں اُلٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

حسینؑ نے کبھی شکوہ کیا نہ اُمت کا
گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا

بچھا ہے قاف سے تا قاف جسکا خوانِ کرم
نصیب اُسے نہ کئی دن تک آب و دانہ ہوا

شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد
یہ مضطرب اِدھر آیا اُدھر روانہ ہوا

جو زندے پھرتے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں مردے
کہ ہم بھی پھرتے تھے یونہیں اسے زمانہ ہوا

اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی
حضور آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا

گرانیٔ برق اُسی پر فلک نے یا تقدیر
جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا

لحد کہتی ہے میت سے اب تو اور نہیں
جو ساتھ آیا تھا وہ قافلہ روانہ ہوا

کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسوئے پیچ دار حسینؑ
تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا

کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر
جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا

سحاب سایہ میں رکھتا تھا جسکے نانا کو
لحد کو اُسکی میسر نہ شامیانہ ہوا

ملا نہ اصغرِ ناداں کو جامِ پانی کا
صراحی دارِ گلا تیر کا نشانہ ہوا

وہ لعلِ چوبِ سناں نیند بھی ہزار افسوس
نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جسمیں شانہ ہوا

رہا نہ کوئی بہتّر میں ظہر تک باقی
حسینؑ رہ گئے سب قافلہ روانہ ہوا

فراقِ شہ کا نہ صدمہ اُٹھا سکینہ سے
قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اُٹھو انیسؔ اُٹھو کارواں روانہ ہوا

(۹)

گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہَوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

فشار سے جو بچاتیں ہوا زمیں کو عجب
صدا یہ قبر نے دی حکم بوتراب نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم
تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلب آب اے معاذاللہ
تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا

جسے نبیؐ نے بُلایا ہوا وہ نخل نہال
ثمر اُسے بھی دیے جو کہ باریاب نہ تھا

حضور شاہ پھر آیا کہاں سے حُرِ شہید
خطا کی راہ میں گر جادۂ ثواب نہ تھا

علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی
وہ نور حضرتِ موسیٰؑ کو دستیاب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہی روشن و اطلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

فقط حسینؑ کے بچّوں پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی وہ نہر قحط آب نہ تھا

انیسؔ عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابوتراب نہ تھا

(۱۰)

مرا راز دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جسکا کنارا نہیں

وہ گل ہوں جُدا سب سے ہے جسکا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جسمیں شور
وہ آتش ہوں جسمیں شرارا نہیں

بہت مال دُنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جُدا
امیروں کا یاں تک گذارا نہیں

سکندر کی خاطر بھی ہے سدِ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفےٰ
فرشتے کا جس جا گذارا نہیں

جہنم سے ہم بیقراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

پھرے دوست جب ہوگئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ
فرس سے کسی نے اُتارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

(۱۱)

ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

رات اندھیری پرسشِ اعمال اے دنیا کے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہاں
اپنے مُنھ کی گرد پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرتؑ وہ مشرق میں کہ مغرب میں میں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے کہ دُنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں

نظم ہے یا گوہرِ شہوار کی لڑیاں انیس
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

(۱۲)

شبیہ امامِ زماں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں

جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر
زمیں پر شہ دیں نشاں کھینچتے ہیں

بہت ہم کو پیارا ہے اک دن تجھے بھی
شکنجے میں اے آسماں کھینچتے ہیں

قمریں سر کے ہے آفتاب قیامت
لحد پر عبث سائباں کھینچتے ہیں

محبت کا رشتہ نہایت ہی نازک
مجھے کس لیے قدر داں کھینچتے ہیں

دکھا دوں زمینِ نجف کی بلندی
بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں

زمیں کے تلے جنکو جانا ہی اک دن
وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں

فقیروں نے یاں پاؤں پھیلا دیئے ہیں
عبث ہاتھ اہلِ جہاں کھینچتے ہیں

جھکاتے ہیں سر آستانِ علیؑ پر
سرِ فخر تا لا مکاں کھینچتے ہیں

نکلیو نہ بدلی سے اے برق خاطف
حسینؑ آہ آتش فشاں کھینچتے ہیں

سخن ہے اگر باعثِ تلخ کامی
تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں

زمیندار سیراب ہیں کربلا کے
اذیت امامِ زماں کھینچتے ہیں

ادھر خشک ہی فاطمہؑ کی زراعت
وہ کھیتوں میں آبِ رواں کھینچتے ہیں

ہوا جن کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل
وہی گل جفائے خزاں کھینچتے ہیں

کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابد
یہ لنگر کہیں نا توان کھینچتے ہیں

پسینہ نہیں پونچھتے رخ سے حضرت
گلابِ گلِ ارغوان کھینچتے ہیں

کہا حُر سے شہ نے گناہوں پہ تیرے
خطِ عفو اے میہماں کھینچتے ہیں

انھیں کے لئے ہی زمانے کی تلخی
بڑے رنج شیریں زباں کھینچتے ہیں

عجب حال ہے دخترِ فاطمہؑ کا
ردا سر سے اندار ساں کھینچتے ہیں

پکاری سکینہ دُہائی ہے بابا
ستمگر مری بالیاں کھینچتے ہیں

جسے دیکھ کر ہوئے مانی کو حیرت
وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں

کہار و کے عابد نے اے درد تھم جا
کلیجے سے بابا سناں کھینچتے ہیں
انیس اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کمیت قلم کی عناں کھینچتے ہیں

(۱۳)

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے
خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے
علم خالق کا خزانہ ہے میان کاف و نون
ایک کُن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے
ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے
نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے
جو عدم سے آگیا دنیا میں بولی ہنس کے موت
اور لو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے
ضبط دیکھو سب کی سن لی پر نہ اپنی کچھ کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے
جان دی حُر نے تو حضرت نے دیا باغ ارم
میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے
بود و نابود علی اصغر کا کیا کیجے بیاں
بے زباں دنیا سے اٹھے بے زباں پیدا ہوئے
دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے واعز بتا
موت نے آئی کہاں ان کو کہاں پیدا ہوئے
احتیاطِ جسم کیا انجام کو سوچو انیس
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

(۱۴)

شبیر کے غم میں رو رہے ہیں
مُنھ آب گہر سے دھو رہے ہیں
گندم گندم سے جَو سے جَو ہے
کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں
بے رنج ہیں خفتگانِ مرقد
کیسے راحت سے سو رہے ہیں

بے آب ہے شہ کو تیسرا دن — اعدا سیراب ہو رہے ہیں
بیڑا اُمت کا تھامنے کو — کشتی اپنی ڈبو رہے ہیں
اکبر سے پسر کو دی ہے رخصت — اپنی دولت کو کھو رہے ہیں
محبوب خدا کے تن کے کپڑے — اعدا خوں میں ڈبو رہے ہیں
روتے نہیں بزم میں گنہگار — فردیں عصیاں کی دھو رہے ہیں
ہے سلکِ گہر پہ رشتۂ نظم — کیا کیا موتی پرو رہے ہیں
بہتا ہے انیس خونِ انصاف — مضموں مرے قتل ہو رہے ہیں

(۱۵) للہ

۱ پڑا جو عکس تو ذرہ بھی آفتاب بنا — ﷺ کے نور سے جسمِ ابو ترابؑ بنا
۲ بنائے روضۂ سرور جو کربلا میں ہوئی — ملک پکارے کہ اب خلد کا جواب بنا
۳ عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو — اب اپنی قبر بھی اے خانماں خراب بنا
۴ یہ مشتعل ہوئی سینے میں آتشِ غمِ شاہ — کہ آہ سیخ بنی اور دل کباب بنا
۵ مرے گناہوں کے دفتر نے ابتری کی ہے — نئے سیاق سے بگڑا ہوا حساب بنا
۶ جو آبرو کی طلب ہے تو کر عرق ریزی — یہ کیش مکش ہوئی تب پھول سے گلاب بنا
۷ ہوا پہ کیوں ہیں تنک مایگانِ بحرِ جہاں — جو بڑھ گیا کوئی قطرہ تو کیا حباب بنا
۸ ترے سلام میں ہے مرثیے کا سارا لطف — انیس نظمِ غمِ شہ میں اک کتاب بنا

رُباعیاں

(۱)

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تو
اقرب ہے رگِ جاں سے اور اس پر یہ بعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

(۲)

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

(۳)

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(۴)

رتبہ جسے دُنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(۵)

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگیں طیل و علم ملتا ہے
عنقا گو گرد سرخ پارس اکسیر
یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

(۶)

اللہ

آدم کو عجب اللہ نے رتبا بخشا — ادنےٰ کے لئے مقامِ اعلا بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں — اِس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

(۷)

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی — عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو و دین و ایماں — کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

(۸)

یہ اوج یہ مرتبے ہُما کو نہ ملے — یہ دلق مرقعِ اُمرا کو نہ ملے
بخشی ہے اللہ نے ہم کو یہ دولتِ فقر — برسوں ڈھونڈھے تو بادشا کو نہ ملے

(۹)

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں — یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ دولتِ استغنا سے — آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

(۱۰)

عزت رہے یار و آشنا کے آگے — محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں — یہ ہاتھ جب اُٹھیں تو خدا کے آگے

(۱۱)

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے — کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیس — رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

(۱۲)

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے — انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر — دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

(۱۳)

نافہم سے کب داد سخن لیتا ہوں — دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بے وے دوستان یک رنگ — کانٹوں کو ہٹا کے پھول چُن لیتا ہوں

(۱۴)

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے — دُنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اِک چشم میں کس طرح سمائیں دونوں — غافل یہ خواب ہے وہ بیداری ہے

(۱۵)

راحت کا مزہ عدوے جانی نکلا — دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا
پیاسے رہے آ کے چاہ دنیا پہ انیس — نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

(۱۶)

کیوں زر کی ہوس میں دربدر پھرتا ہے — جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ ری پیری میں ہوس دُنیا کی — تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

(۱۷)

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں — نے مال نہ اسباب گھر چاہتے ہیں
جو مزرع آخرت ہے وہ خشک نہ ہو — ہاں اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

(۱۸)

نیساں کو خجل دیدۂ تر سے پایا
دامن کو بھرا ہوا گہر سے پایا
یہ لطف اُٹھایا نہ کسی شادی میں
جو حظ غمِ شاہ بحر و بر سے پایا

(۱۹)

ہر دم غمِ سبطِ شہ لولاک کیا
جب نام لیا چشم کو نمناک کیا
تر ہو گیا رومال تو پھاڑا دامن
پایا نہ گریباں تو جگر چاک کیا

(۲۰)

مجلس میں عجب بہار چشمِ تر ہے
ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی
بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

(۲۱)

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار
شادی کی خوشی میں غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے دلوں پہ ابرِ اندوہ و ملال
رونے کی ہے عشرۂ محرم میں بہار

(۲۲)

کس دن فرسِ خامہ تگ و دو میں نہیں
مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو میں نہیں
ہر چند کہ ہوں خسروِ اقلیمِ سخن
پر غیر دوات کچھ قلمرو میں نہیں

(۲۳)

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
کھانے کی نہ لذت نہ مزہ پانی کا
مر رہیے کسی دشت کے دامن میں انیسؔ
پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

(۲۴)

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے
تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیسؔ!
جو سر رکھتا ہے درد سر رکھتا ہے

(۲۵)

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

(۲۶)

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

(۲۷)

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ میں ہے

(۲۸)

پیری آئی عذار بے نور ہوئے
یارانِ شباب پاس سے دور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیسؔ!
جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

(۲۹)

درد و الم ممات کیونکر گذرے
یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیسؔ!
اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

(۳۰)

آغوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا — جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوویگا انیس! — ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

(۳۱)

مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے — رُخ سب سے پھرا کے منھ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر! — میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

(۳۲)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے — ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا — جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

(۳۳)

کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا — چُپ ہوگئے اس طرح کہ بولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس! — یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا

(۳۴)

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا — کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
کل ساتھ جھگڑتے تھے زندگانی تک انیس! — جب ہم نہ رہے کوئی بکھیڑا نہ رہا

(۳۵)

خاموشی میں ہاں لذتِ گویائی ہے — آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نہ دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد — مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

تمام شد

فرہنگ

اور

حاشیے

فرہنگ

اباذر - رسولؐ کے ایک خاص صحابی کا نام - (دیکھو ابوذر)

آب بقا - آب حیات - وہ پانی جس کو پینے سے موت نہیں آتی -

آب پاش - پانی چھڑکنے والا -

ابرار - فرض شناس منصف مزاج - پاک - نیکوکار - مقدس - یہ لفظ اصل میں عربی لفظ 'بار' اور 'بر' کی جمع ہے - لیکن اُردو میں واحد کی حیثیت سے بھی مستعمل ہوتا ہے -

ابلق - دورنگا - بالخصوص سیاہ و سفید -

ابوتراب - زمین یا مٹی کے مالک - ایک دن حضرت علیؑ زمین پر لیٹے ہوئے تھے - رسولؐ نے محبت سے اُن کو "ابوتراب" کہہ کے خطاب کیا - اُس دن سے یہ بھی حضرت علیؑ کا ایک لقب ہوگیا -

ابوذر - حضرت محمدؐ کے ایک جلیل القدر صحابی کا نام (دیکھو اباذر)

اُپنی ہوئی - سان پر چڑھی ہوئی - تیز کی ہوئی -

آتما - سنسکرت لفظ ہے - اصل معنی ہیں 'نفس' یا 'روح' لیکن یہاں 'ماتما' کے معنی میں آیا ہے -

آثم - گناہگار -

اثیر - وہ آگ جو چار عنصروں میں سے ایک عنصر ہے -

اُحُد - مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہے - جس کے پاس ۳ھ میں مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہوئی تھی -

احمدؐ مختار - احمدؐ کے معنی ہیں نہایت قابل تعریف - یہ پیغمبر عربی کے ناموں میں سے ایک نام ہے - مختار احمدؐ کی

صفت ہے۔ اس کے معنی ہیں منتخب، ذی اختیار، نائب، نمائندہ۔ کارندہ۔

آدرکنی - میری خبر لو - عربی فقرہ ہے۔

ارژنگ - چین کے بے نظیر مصور مانی کی بنائی ہوئی تصویروں کا مجموعہ۔ یہ عام خیال ہے۔ ورنہ حقیقت میں مانی ایران کا ایک باشندہ تھا جو خود کو پیغمبر اور اپنی کتاب ارژنگ کو آسمانی صحیفہ کہتا تھا۔

ازرق - شام کا ایک نامی پہلوان۔

استغاثہ - مدد کے لئے پکارنا۔

اسوار - سوار - یہ لفظ صرف نظم میں آتا ہے۔

آسمان حشم - بلند مرتبہ

اشہب - سفید رنگ کا گھوڑا۔

اصالت - شرافت - اصیل ہونا۔

اعتلا - بلندی۔

اعمیٰ - اندھا۔

افسر - تاج

اکناف - کنف کی جمع ہے جسکے معنی ہیں طرف، کنارہ - حصّہ۔

اُگلی پڑتی تھی تلوار) میان سے نکلی پڑتی تھی۔ اس فقرے سے جنگ پر انتہائی آمادگی دکھانا مقصود ہوتا ہے

الحذر - حذر کے معنی ہیں بچنا، بھاگنا، خوف ؛ الحذر کلمۂ خوف ہے۔

الطاف - اگر الف پر زبر ہو تو یہ لطف کی جمع ہے اور اسکے معنی ہیں عنایتیں، مہربانیاں - اور اگر الف کو زیر ہو تو اس کے معنی ہیں مہربانی کرنا۔

الغیاث - مدد - جب کسی کو امداد کے لئے پکارنا ہوتا ہے تو 'الغیاث' 'الغیاث' چلّاتے ہیں۔

الاماں - پناہ - بچاؤ کی پناہ - اس کلمے سے اکثر دلی خوف کا اظہار مقصود ہوتا ہے - میدان جنگ میں دشمن سے رحم کی درخواست کرتے وقت بھی 'الاماں' 'الاماں' پکارتے ہیں۔

آلِ عبا۔ عبا والے لوگ۔ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو رسولؐ نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو اپنی عبا کے اندر لے لیا اور کہا کہ خدایا یہی میرے اہلبیت ہیں تو ان کو پاک کر اور ان پر رحمت نازل کر۔ چنانچہ آلِ عبا سے یہی چاروں حضرات مراد ہیں۔ (دیکھو آیہ تطہیر)

اللہ اللہ۔ کلمۂ تعجب۔ لہجے کے تغیر سے تعجب کے ساتھ حسرت، غصہ، غوث، تحسین وغیرہ بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اللہ کی پناہ۔ خدا پناہ میں رکھے۔

اُمّ البنینؑ۔ حضرت عباسؑ کی والدہ۔

امام۔ پیشوا۔ مذہبی پیشوا۔ رسولؐ کا جانشین۔ تسبیح کے سر سے کا لمبا دانہ۔

امیرِ عرب۔ عرب کے سردار۔ مراد حضرت علیؑ۔

آن کے۔ یہ متروک ہے۔ اب 'آ کے' بولتے ہیں۔

انی۔ نوک۔ برچھی کی نوک۔

اہلبیت۔ ایک گھر میں رہنے والے۔ قریبی رشتہ دار۔ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح میں اہلبیت سے رسولؐ کے گھرانے والے مراد ہوتے ہیں۔

آیۂ تطہیر۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی خدا چاہتا ہے کہ تم اہلبیت سے نجاست کو دور کرے اور تم کو پاک و پاکیزہ کرے۔ اس آیت میں اہلبیت رسول سے خطاب ہے۔ (دیکھو آلِ عبا)

بازو اُتر گئے۔ بازوؤں کے جوڑ ڈھیلے پڑ گئے یا اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔

باس۔ خوشبو۔ یہ ہندی لفظ ہے۔

باقر۔ امام حسینؑ کے پوتے۔ حضرت سجادؑ کے صاحبزادے۔ جو کربلا میں بچہ تھے۔

بال۔ پر۔ بازو

بالا دوی۔ تیز رفتاری

بال بیکا ہونا۔ ذرا سی تکلیف پہنچنا۔

بامی - سانپ کے رہنے کا سوراخ۔

بانو - شہزادی، شریف عورت، دُلھن - مرثیوں میں بانو سے مراد ہیں ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد سوم کی صاحبزادی۔ جن کا عقد امام حسینؑ کے ساتھ ہوا تھا۔ آپ کا پورا نام شہربانو تھا بعض نے شاہِ زناں بھی لکھا ہے۔

بتول - ایسی لڑکی جو عبادت کے شوق کی وجہ سے خانہ داری کی طرف مائل نہ ہو۔ مراد حضرت فاطمہؑ۔

بدر - پورا چاند۔ ایک مقام کا نام، جہاں حضرت علیؑ نے جہاد میں بڑی بہادری دکھائی۔

بر - بدن۔ اوپر کا دھڑ۔

براق - وہ جانور جس پر سوار ہو کر حضرت محمد شب معراج میں بیت المقدس سے عالم بالا کو گئے۔ یہ جانور اتنا تیز رو تھا کہ پلک مارتے تمام آسمانوں، جنتوں اور دوزخوں کا چکر لگا کر واپس آ گیا۔

برقِ تاب - بجلی کی طرح چمکنے والی تلوار۔

بَرگستُواں - گھوڑے کی زرہ - پاکھر۔

برنا - جوان - اُردو میں یہ لفظ اکثر "پیر" کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی برنا و پیر۔

بسم اللہ - اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جب کوئی کام شروع کرنا ہوتا ہے یا کسی ذی مرتبہ شخص سے کسی کام کی ابتدا کرنے کو کہنا ہوتا ہے تو اکثر یہ فقرہ کہتے ہیں۔

بکتر - ایک طرح کی زرہ۔

بِکسنا - کھلنا۔

بلند بیں - ذی حوصلہ - ہمت ور - بلند خیال۔

بَلی - طاقتور۔

بند - قید - بندھن - نیزے کا داؤں۔

بنی اسد - اسد کی اولاد - عرب کے ایک قبیلے کا نام۔

بوتراب - دیکھو ابوتراب۔

بوٹا - چھوٹے قد کا درخت۔

بوڑی - برچھی یا نیزے کا پھل - ایک پرانے سلام کا مطلع ہے - ؎

مجرائی پھر تو پڑ گئی اکبر کو جان کی　　سینے سے جب گزر گئی بوڑی سنان کی

بوق - تُرئی یا قرنا کی قسم کا فوجی باجا جو منہ سے بجایا جاتا ہے۔

بھال - نوک - تیر کا پھل - پیکاں -

بے پر - بیچارہ - مجبور - بے بس -

بیت العتیق - قدیم مکان - مراد خانہ کعبہ -

بے چوبہ - بغیر چوبوں کا خیمہ -

بے دریغ - بے رحم - بے خوف - کسی کو نہ چھوڑنے والی

بئیر العلم - ایک کنوئیں کا نام ہے جس میں جنوں کی آبادی تھی - حضرت علیؑ نے اس کنوئیں میں گھس کر جنوں سے جہاد کیا جسکے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے۔

بیرق - جھنڈا - نشان - علم -

بیعت کرنا - کسی کو اپنا مذہبی پیشوا اقرار دینے کے لئے مقررہ رسم ادا کرنا -

پا تُراب - اگر کسی کو ایسے دن سفر کرنا ہوتا ہے جو سفر کے لئے بُرا سمجھا جاتا ہے تو وہ اُس سے پہلے کسی اچھے دن سفر کا کچھ سامان کسی دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے اور اپنے قیام کی جگہ بھی بدل دیتا ہے - گویا اُسی دن سے سفر شروع کر دیتا ہے - اس کو پا تراب کرنا کہتے ہیں -

پاکھر - گھوڑے کی زرہ -

پانی - جب یہ لفظ تلوار کے لئے آتا ہے تو اسکے معنی چمک، باڑھ، تیزی کے ہوتے ہیں -

پائے نام کرنا - کسی کے نام سے مخصوص کرنا -

پٹری جمانا - گھوڑے کو رانوں سے دبائے رہنا - گھوڑے پر جم کر بیٹھنا -

پچ کرنا - طرفداری کرنا - حمایت کرنا -

پَرا - قطار - سپاہیوں کی صف -

پُرجگر - دلیر -

پرچم - سیاہ ریشم کا پھندنا جو علم میں پنجے کے نیچے باندھا جاتا ہے -

پرچہ نویس - شاہی زمانے میں کچھ لوگ اس خدمت پر مامور ہوتے تھے کہ ملک میں جہاں کوئی خاص واقعہ ہو ایک پرچے پر لکھ کر وہ پرچہ دارالسلطنت میں بھیج دیا کریں - یہ لوگ پرچہ نویس کہلاتے تھے -

خبر نویس - واقعہ نگار - مخبر -

پرکالہ - چنگاری - ٹکڑا -

پنجتن - پانچ آدمی - مراد حضرات محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ -

پنجہ - ہاتھ انگلیوں سے کلائی تک وہ پنجہ جو رسول عربی کے لشکر کے علم کے سرے پر لگا ہوا تھا -

پھریرا - وہ مثلثی شکل کا کپڑا جو علم کی چھڑ میں لگایا جاتا ہے - جھنڈے کا کپڑا -

پیش دست - کارندہ - پیشکار - خادم -

پیک - قاصد - ہرکارہ - خبر لانے والا -

پیکان - تیر کی بھال - نوک دار لوہا جو تیر کے سرے پر لگا ہوتا ہے - پیکان سے پورا تیر بھی مراد لیتے ہیں -

تاب و تب - یہ دو لفظ ہیں - جن کے معنی علیحدہ علیحدہ گرمی اور بخار ہیں - لیکن مجموعی حالت میں شدید گرمی کے معنی دیتے ہیں -

تب - تپ - بخار - لرزے کی تپ یعنی جوڑی -

تُتُق - پردہ

تختِ سلیماں - حضرت سلیمان نبی بھی تھے اور بہت بڑے بادشاہ بھی تھے - تمام مخلوقات ان کی تابع فرمان تھی - ان کے تخت کو ہوا ان کے حکم کے مطابق ہر طرف لے جاتی تھی -

تَخَشُّع - اپنے کو گرانا - عجز و انکسار -

تَذَلُّل - عاجزی و انکسار -

تُرکتاز۔ تیز حملہ۔ جھپٹ۔

تَرَنگ۔ کمان کے کھینچنے کی آواز۔ کمان کا کڑکنا۔ موج۔ اُمنگ۔

تسبیح۔ سبحان اللہ کہنا۔ سو دانوں کا مالا جس کو مسلمان اپنی عبادت کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں۔

تسنیم۔ جنت میں ایک چشمہ ہے۔

تَضَرُّع۔ اپنے کو حقیر سمجھنا۔ عجز و انکسار۔

تُف۔ کلمۂ تحقیر و غیظ۔

تَکاور۔ تیز رفتار گھوڑا۔

تلوار تولنا۔ تلوار کا وار کرنے پر آمادہ ہونا۔

تَوّاب۔ توبہ قبول کرنے والا۔

تَوسَن۔ شوخ جی دار گھوڑا۔

تہلیل۔ لا الہ الا اللہ کہنا۔

تَہمتَن۔ طاقتور۔ رستم کا ایک نام۔

تَہوّر۔ فلسفۂ اخلاق میں تہوّر کے معنی اُس شجاعت کے ہیں جو حد مناسب سے متجاوز ہو جسکے جوش میں بھلے بُرے کی تمیز نہ رہے۔ مگر عام بول چال میں اس سے صرف انتہائی شجاعت مراد ہوتی ہے۔

تیغ دوپیکر۔ دوہرے پھل والی تلوار۔

تیغ دو دستی۔ دو ہاتھ لمبی تلوار۔ یا ایسی تلوار جو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چلائی جائے۔

تیغ دو دم۔ دو دھاری تلوار۔

تیغ دو سر۔ ایسی تلوار جس کا پھل دو شاخہ ہو۔

ثبات۔ ٹھہرنا۔

ثمن۔ قیمت۔

جانماز۔ وہ دری۔ چٹائی یا کپڑا جو نماز پڑھنے کے لئے مخصوص ہو۔

جائزہ - جانچ - معائنہ - فوج کی حاضری -

جائزہ لینا - حاضری لینا - جانچ کرنا - معائنہ کرنا -

جرّار - اس لفظ کے اصلی معنی ہیں کھینچنے والا - مگر اردو میں زیادہ تر بہادر کے معنی بولا جاتا ہے -

جعفر یا جعفر طیّار - عون و محمد کے جد امجد - طیار کے معنی ہیں اُڑنے والا - ایک جہاد میں حضرت جعفر کے بازو کٹ گئے تھے تو اُن کے عوض میں خدا نے اُنکو جواہرات کے پر عطا کئے -

جَلاجل - وہ باجا جس کو جھانجھ کہتے ہیں -

جِلوخانہ - مکان کے سامنے کا میدان -

جمدھر - جنگ کا ایک ہتھیار جو خنجر سے مشابہ ہوتا ہے -

جناب امیر - امیر سے مراد ہے امیر المومنین - جناب امیر حضرت علیؑ کو کہتے ہیں -

جناح - بازو - فوج کا بازو -

جوبن - رونق - حُسن - شباب -

جواد - سخی - بعض لوگ اس لفظ میں واؤ کو مشدد سمجھتے ہیں - یہ اُنکی غلطی ہے -

جوّالہ - گھومتا ہوا - چکر لگاتا ہوا -

جوشن - ایک طرح کی زرہ -

جوشنین - آفتوں سے محفوظ رہنے کی دو دعائیں جنکو جوشن صغیر اور جوشن کبیر کہتے ہیں -

جوہر - ہنر - کمال - وہ نشان جو عمدہ قسم کے فولاد میں ہوتے ہیں اور صیقل کرنے سے اُبھر آتے ہیں -

جَیب - گریبان - جیب -

جی چھوٹ جانا - ہمت پست ہو جانا - خوف غالب آجانا -

چاؤش - نقیب جو میدان جنگ میں سپاہیوں کو جوش دلانے والی باتیں کہتے تھے -

چراغ پا ہونا - گھوڑے کا پچھلے پیروں پر کھڑا ہو جانا - الف ہونا -

چنار - ایک درخت جسکے پتوں کا رنگ آگ سے اور شکل پنجے سے مشابہ ہوتی ہے -

چنبر - حلقہ۔

چورنگ - شمشیر بازی کی ایک خاص مشق۔

چوکیاں - پہرے۔

چھاتی پہاڑ ہونا - دل قوی ہونا۔

چھاگل - چھوٹی مشک۔

چہرہ کٹ جانا - جب کوئی سپاہی فوج میں بھرتی ہوتا تھا تو اسکا چہرہ یعنی حلیہ لکھ لیا جاتا تھا۔ اس لئے چہرہ کٹ جانے کے معنی ہوے فوج کے دفتر سے نام کٹ جانا۔

چہرہ نظری ہونا - سپاہیوں کی فہرست سے نام کٹ جانا۔ فوجی دفتر کی اصطلاح ہے۔ (دیکھو چہرہ کٹ جانا)

چھلاوا - ایک ہوائی مخلوق جس کو کسی جگہ قرار نہیں ہوتا۔ اگیا بیتال یا اسی صنف کی کوئی دوسری چیز

حالی - ظاہر۔

حجت تمام کرنا - کسی عذر یا حیلے کی گنجائش باقی نہ رکھنا۔

حجر - پتھر کہیں کہیں اس سے مراد ہوتا ہے 'حجر اسود' یعنی وہ کالا پتھر جو خانۂ کعبہ کے اندر دیوار میں لگا ہوا ہے۔ اور جسکو مسلمان بہت مقدس سمجھتے اور طواف کرتے وقت بوسہ دیتے ہیں۔

حفیظ - حفاظت کرنے والا - یہ خدا کے وصفی ناموں میں سے ایک ہے۔

حمزہ - حضرت محمدؐ کے چچا جو فن جنگ کے بڑے ماہر تھے۔

حُنین - ایک مقام کا نام ہے جہاں پیغمبر (رسول) عرب اور کفار سے سخت جنگ ہوئی تھی۔

حُورِعین - حور دراصل جمع ہے حوراکی - مگر اردو میں واحد کی حیثیت سے مستعمل ہے 'عین' بھی جمع ہے 'عینا' کی - حورعین کے معنی ہیں سیاہ چشم حوریں۔

حوری - حور۔

خاتون کائنات - دنیا جہان کی ملکہ - مراد حضرت فاطمہؓ۔

خاطف - تیزی سے چمکنے والی۔

خاک چھاننا - بڑی محنت اور توجہ سے تلاش کرنا۔ دربدر پھرنا۔ سرگرداں پھرنا۔

خاک شفا - کربلا کی خاک جس سے مریض شفا پاتے ہیں۔

خالصے لگنا - خالصہ کے معنی ہیں سرکاری جائداد۔ 'خالصے لگنا' کے معنی ہوتے ہیں ضبط ہو جانا۔ سرکاری ملکیت میں داخل ہو جانا۔

خانماں خراب - 'خانماں' یا 'خان و مان' کے معنی ہیں مکان اور اسباب۔ خانماں خراب ایک طرح کی بددعا ہے۔

خانہ زیں - زین کا درمیانی حصہ جس پر سوار بیٹھتا ہے۔

خدنگ - ایک درخت جس کی لکڑی کے تیر بنائے جاتے ہیں۔ مجازاً تیر۔

خشوع - آنکھیں نیچی کرنا۔ انکسار۔

خضوع - انکسار۔ عاجزی۔

خط عفو کھینچنا - معاف کر دینا۔

خلیل - دوست حضرت ابراہیم پیغمبر جنکا لقب 'خلیل اللہ' تھا یعنی اللہ کے دوست۔

خندق - ۵ھ میں حضرت محمدؐ اور کفار میں جو جنگ ہوئی تھی۔ اسمیں مسلمانوں کی جماعت نے اپنی حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد ایک خندق کھود لی تھی اس لیے اس جنگ کو 'جنگ خندق' کہتے ہیں۔

خواجۂ قنبر - قنبر کے مالک یعنی حضرت علیؑ۔ (دیکھو 'قنبر')

خوش عیار - کھرا۔ کسوٹی پر چڑھا ہوا۔

خیبر - مدینہ کے قریب ایک مقام تھا۔ وہاں ایک مضبوط قلعہ تھا جس کا محافظ مرحب ایک بڑا نامی پہلوان اور اسلام کا سخت دشمن تھا۔ جب رسول عربی نے خیبر پر حملہ کیا۔ تو کسی مرحب سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر کار حضرت علی نے اسکو قتل کیا اور قلعے کا بھاری پھاٹک جسکو بہت سے لوگ مل کر کھولتے اور بند کرتے تھے آپنے اکیلے اکھاڑ لیا۔

خیبر کشا۔ قلعۂ خیبر کو فتح کرنے والا۔ مراد حضرت علی۔

خیبری۔ خیبر کے رہنے والے۔ جنگ خیبر میں شرکت کرنے والے۔

خیر النسا۔ عورتوں میں سب سے بہتر۔ مراد حضرت فاطمہؓ۔

خیر الوریٰ۔ سب سے اچھا انسان۔ مراد حضرت محمدؐ۔

دار و گیر۔ دھر پکڑ۔ لینا پکڑنا۔ لڑائی کے وقت کا شور و غل۔

دام و دد۔ گھریلو اور جنگلی جانور یعنی ہر طرح کے جانور۔ یہ دونوں لفظ بالعموم ایک ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔

دَرّ - وادی۔ درہ۔ پہاڑ کا دامن۔ پہاڑ کی چوٹی۔ ان معنوں میں لفظ 'در' تنہا بہت کم آتا ہے۔ زیادہ تر دشت و در کی ترکیبی شکل میں استعمال کیا جاتا ہے۔

دِرع یا درعہ۔ زرہ۔

دُرِ نجف - ایک طرح کا سفید پتھر جو نجف اور نواح نجف میں پایا جاتا ہے۔ لوگ اسکے نگینے تراش کر انگوٹھیوں میں جڑواتے ہیں اور ان انگوٹھیوں کا پہننا باعث برکت خیال کرتے ہیں۔

دُرود - دعا۔ تعریف۔ شکریہ۔ رحمت۔ برکت۔ ایک عربی جملہ جسکے معنی ہیں خدایا محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل کر۔ کوئی اچھی صورت دیکھکر یا اچھی خوشبو سونگھ کر مسلمان اکثر یہ جملہ کہتے ہیں۔

دڑیرا - پانی کا بڑے زور سے گرنا یا بہنا۔

دستانہ - لوہے کا خول جو سپاہی جنگ کے وقت ہاتھوں پر چڑھا لیتے تھے۔

دست پاچہ۔ مضطر۔ سراسیمہ۔ پریشان۔ بدحواس۔

دَغَل - مکاری۔ بدمعاشی۔

دَل - مجمع۔ انبوہ۔

دُلدُل۔ حضرت علیؑ کے ایک گھوڑے کا نام۔

دل سرد ہونا۔ مایوس ہونا۔

دَنَق مُرَقَّع - پیوند لگی ہوئی گدڑی۔

دَنی - بدطینت - کمینہ - چھچھورا۔

دھڑا دھڑی - رونے کی شدت میں سر سینہ اور زانو پیٹنا۔

دُہُل - ڈھول۔

دھنی - اپنی بات پر قائم رہنے والا - بہادر - ماہر فن - اُستاد کامل۔

دِیَت - خونبہا - وہ رقم جو کسی کی جان کے عوض میں دی جائے۔

ڈانڈ - بانس یا کوئی دوسری لکڑی جس میں لوہے کا پھل لگا کر نیزہ بنا لیتے ہیں۔

ذوالفقار - حضرت علیؓ کی تلوار کا نام ہے جو آسمان سے اُتری تھی۔

راحِلہ - سواری کا اونٹ۔

راحِم - رحم کرنے والا۔

رازی - شہر رے کا پُرانا نام 'راز' تھا - اس لئے رازی کے معنی ہیں شہر رے کا باشندہ۔

ران باگ - گھوڑے پر بیٹھنے اور باگ لینے کا ڈھنگ۔

رایت - عَلَم - جھنڈا۔

رجز - پُرانے زمانے میں عرب کے ملک میں دستور تھا کہ جب کوئی سپاہی میدان جنگ میں لڑنے کے لئے آتا تھا تو کچھ فخریہ اشعار پڑھتا تھا جن میں اُسکی اور اُسکے خاندان اور قبیلے کی خوبیوں اور کارناموں کا بیان ہوتا تھا۔ ان اشعار کو رجز کہتے ہیں۔

رحل - وہ چیز جس پر کسی کتاب کو رکھکر پڑھتے ہیں۔ قرآن اکثر رحل پر رکھکر پڑھا جاتا ہے۔

رسولُ الثقلین - جن و انس یعنی تمام مخلوقات کے رسول۔

رشید - بہادر - ہمت ور - شاگرد رشید، میں 'رشید' کے معنی ہوتے ہیں باصلاحیت - کامل۔

رِضوان - بہشت کے داروغہ اور دربان کا نام۔

رَعد - بادل کی گرج - ایک فرشتہ جسکی آواز کو لوگ بادل کی گرج سمجھتے ہیں۔

رَفْرَف - وہ سواری جس پر رسول شب معراج سدرۃ المنتہیٰ سے بارگاہ ایزدی تک تشریف لے گئے۔

رن - میدانِ جنگ -

رن بولنا - میدانِ جنگ سے آواز آنا -

رن پر چڑھنا - لڑنے کے لئے میدان جنگ میں جانا -

رن پڑنا - جنگ ہونا -

رُواق - مکان - بارہ دری -

رُوحُ الْقُدُسْ - پاک روح - جبرئیل یا جبریل - اس لفظ میں حرف دال کو ساکن پڑھنا بھی صحیح ہے۔

زاد - سفر کا سامان - راستے کا کھانا -

زَباد - ایک خاص خوشبو -

زَرْق - مکر - ریاکاری -

زرہ جامہ زرہ کے نیچے پہننے کا لباس ؛

زَمْزَم - مکہ میں خانۂ کعبہ کے قریب ایک کنواں ہے جسکا پانی نہایت پاکیزہ سمجھا جاتا ہے -

زمین - شاعری کی اصطلاح میں وزن، قافیہ اور ردیف کے مجموعے کو کہتے ہیں -

زمین چڑھے - تیز رفتاری کی مشق کیے ہوئے گھوڑے -

زُوّار - 'زائر' کی جمع ہے - مگر اردو میں واحد کے طور پر بھی مستعمل ہے اسکے معنی ہیں کسی مقدس مقام کی زیارت کرنے والا - یا زیارت کی غرض سے سفر کرنے والا -

زَہَر - پھول - بالخصوص زرد رنگ کا پھول - یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے معنی دیتا ہے -

زِہ گیر - انگشانہ جو تیر انداز اپنے انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں کہ انگوٹھا کمان کے چلے سے کٹ نہ جائے - وہ بالعموم ہڈی کا بنا ہوا ہوتا ہے -

زُہَیر قَین - زُہیر ابن قین امام حسینؑ کے ایک وفادار رفیق جو کربلا میں شہید ہوئے -

زین پوش - کپڑا جو گھوڑے کے زین پر ڈالتے ہیں -

ژیاں - خوفناک - درندہ -

سادات - 'سیّد' کی جمع ہے - لغوی معنی سردار - مجازی معنی اولاد رسول -

سادہ کار - سادہ یعنی بغیر چڑاؤ کا زیور بنانے والا - اب ہر زیور بنانے والے کو کہتے ہیں -

ساعد - کلائی -

ساقی کوثر - کوثر کا پانی پلانے والا - مراد حضرت علیؑ - کوثر بہشت کا ایک چشمہ ہے - جو لوگ اپنے نیک اعمال کی بدولت بہشت میں جائینگے ان کو حضرت علیؑ اس چشمے کا پانی پلائیں گے -

ساونت - سورما - بہادر -

سائیں سائیں کرنا - جنگل کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس سے جنگل کا حد درجہ سُنسان ہونا مراد ہوتا ہے -

سبد - ٹوکری -

سِبط - نواسا - پوتا - اولاد -

سبیل - راہ - ذریعہ - طریقہ - عام گذرگاہوں پر راہگیروں کے پینے کے لئے پانی بھر کر رکھ دیتے ہیں اسکو بھی سبیل کہتے ہیں -

سِتیز - جنگ - لڑائی -

سَجّادہ - جانماز - وہ دری، چٹائی یا کپڑا جو نماز پڑھنے کے لئے مخصوص ہو -

سَجع - نثر میں دو فقروں یا جملوں کے آخری لفظوں کا ہم قافیہ ہونا - یہ ایک لفظی صنعت ہے -

سحر حلال - جائز جادو - جادو اسلام کی رو سے ناجائز ہے لیکن عمدہ تقریر یا تحریر بھی جادو کا اثر رکھتی ہے - اور یہ ایسا جادو ہے جو جائز ہے -

سراج - چراغ -

سر پھرنا - دماغ پریشان ہونا - عقل میں فتور آنا - سر چکرانا -

سر کو قدم کرنا - کسی مقدس مقام کی زیارت کے لئے بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ پیدل سفر کرنا -

سُرنگ - لال رنگ کا گھوڑا - بالخصوص ایسا گھوڑا جس کی یال اور دُم بھی لال ہو -

سُرود - گیت - ایک باجے کا نام -

سَری - تیر کا گز - سینٹھا یا کوئی اور پتلی لکڑی جس پر پیکاں یعنی لوہے کا نوک دار پھل لگا کر تیر بنالیں -

سفید رو - اسکے وہی معنی ہیں جو سُرخ رو کے ہیں -

سِکّہ پڑنا - سکوں پر نام درج ہونا - بادشاہ تسلیم کیا جانا -

سلطانِ رسالت - رسالت کے بادشاہ - سب سے بڑے رسول - حضرت محمدؐ -

سلمانؓ - رسولؐ کے ایک خاص صحابی کا نام -

سَمک - مچھلی - خاص کردہ مچھلی جس پر وہ گائے کھڑی ہوئی ہے جسکے سینگوں پر زمین قائم ہے -

سَمَنْد - ایک خاص رنگ کا گھوڑا - اچھی نسل کا گھوڑا -

سنان - نیزے اور برچھی کا پھل - پورا نیزہ بھی مراد لیتے ہیں -

سنان ابن اَنَس - یزیدی فوج کا ایک سردار جس نے امام حسینؑ کو نیزہ مارا تھا -

سوفار - تیر کے نیچے کا سرا جس میں ایک کھندا نہ بنا ہوتا ہے تاکہ کمان کا چلّہ اُس میں اٹک سکے -

سوگ کے کپڑے - جب کسی کا کوئی عزیز قریب مرجاتا ہے تو وہ اُسکے غم میں ہر طرح کی لذتوں اور آرائشوں کو ترک کر دیتا ہے اور سیاہ رنگ کے معمولی کپڑے پہن لیتا ہے -

سہل - آسان - میدان - نرم اور ہموار زمین -

سیبِ ذقن - پُرگوشت سُرخ و سفید ٹھڈی کو سیب سے تشبیہ دیتے ہیں - ذقن = ٹھڈی -

سیپارہ - تیس ٹکڑے - قرآن مجید کو تیس حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے ان میں سے ہر حصے کو پارہ یا سپارہ کہتے ہیں -

سیّد البشر - انسانوں کے سردار - مراد پیغمبر عرب حضرت محمدؐ - رسول

سیسر - کمان کا چلّہ -

سیفی - دشمن کو دفع کرنے کا عمل -

شاخسانہ - کوئی بات جو اچانک بیچ میں آجائے -

شانہ - کنگھی -

شاہ - مرثیوں میں یہ لفظ بالعموم امام حسینؑ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
شاہوار - بادشاہوں کے قابل - یہ لفظ اکثر موتی کی صفت واقع ہوتا ہے۔
شبدیز - سیاہ رنگ کا گھوڑا - اچھی نسل کا گھوڑا - خسرو پرویز شاہ ایران کے ایک گھوڑے کا نام۔
شبیرؑ - امام حسینؑ کا ایک نام یہ بھی تھا - عوام کی زبان پر یہ لفظ 'شبیر' ہے۔
شد و مد - چڑھاؤ اور کھنچاؤ (آواز کے لئے) - زور شور - دھوم دھام۔
شربہ - صراحی۔
شرزہ - غصہ ور - خوفناک - ڈکارتا ہوا (شیر)
شرف - بلندی - بزرگی - برتری - مرتبہ - شان۔
شست - چمڑے کا انگشتانہ جو تیر انداز اپنے انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں۔
شہ - یہ لفظ 'شاہ' کا مخفف ہے - مرثیوں میں یہ لفظ بالعموم امام حسینؑ کے لئے آتا ہے۔
شہ خیبر شکن - قلعہ خیبر کو فتح کرنے والا بادشاہ - مراد حضرت علیؑ۔
شہ لافتا - وہ بادشاہ جسکے لئے "لافتا الا علی" کہا گیا یعنی حضرت علیؑ (دیکھو "لافتا")
شہ لولاک - لولاک سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" یعنی اے محمدؐ اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا۔
شہ مرداں - مردوں یعنی بہادروں کے بادشاہ - مراد حضرت علیؑ۔
شیپور - تُرئی یا قرنا کی قسم کا ایک فوجی باجا جو منہ سے بجایا جاتا ہے۔
شیث - یزیدی فوج کا ایک نامی سپاہی۔
شید - مکر - ریاکاری۔
شیر ذوالجلال - جلال والے (خدا) کا شیر - مراد حضرت علیؑ۔
صاحب - مالک - دوست - شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کو اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔

صاحب ماتم - خاص سوگوار - مرنے والے کا سب سے قریبی رشتہ دار .

صاعقہ - بجلی -

صدر - سینہ -

صدر زین - زین کا درمیانی حصہ جہاں پر سوار بیٹھتا ہے -

صغرا - امام حسینؑ کی ایک صاحبزادی جو بیماری کی وجہ سے وطن میں رہ گئی تھیں -

صف - قطار - سپاہیوں کی قطار - فرش - بچھونا - چٹائی -

صفدر - صفوں کو توڑنے والا یعنی بہادر سپاہی - صف سے سپاہیوں کی قطار مراد ہے -

صفوں کو بچھانا - سپاہیوں کی قطاروں کو مار کر گرا دینا -

صفیں الٹنا - سپاہیوں کی قطاریں درہم و برہم کر دینا -

صنعت ترصیع - ترصیع کے معنی ہیں جواہرات جڑنا - علم بدیع کی اصطلاح میں یہ ایک صنعت ہے جس میں دو جملے یا فقرے ایسے لائے جاتے ہیں جن میں ایک جملے کے الفاظ ترتیب وار دوسرے جملے کے الفاظ کے ہموزن اور ہم قافیہ ہوتے ہیں -

صولت - رعب - دبدبہ ہیبت - حملہ -

صیحہ - زور کی آواز - چیخ - خصوصاً گھوڑے کی آواز -

صید زبوں - لاغر شکار -

ضرغام - شیر -

ضلال - گمراہی -

طبل - نقارہ - ڈنکا - ڈھول -

طبلق - کاغذوں کا مٹھا - مثل یا مسل

طبلق کٹنا - مسل کا چاک ہونا - فوج کے دفتر میں ہر سپاہی کی ایک مسل رہتی ہوگی - اور جب کسی سپاہی کا نام خارج ہوتا ہوگا تو اسکی مسل چاک کر ڈالی جاتی ہوگی -

طبل و علم - نقارہ اور نشان جو شاہی سواری کے لوازم ہیں -

طَرارَہ - اصل لفظ "طَرّارَہ" ہے جسکے معنی تیزی - چالاکی - پھرتی - اُردو میں طرارہ کے معنی ہیں جست، چوکڑی، چھلانگ -

طَلاقت - خوش بیانی -

طَناب - رسّی، ڈوری، خیمے کی رسّی -

طُوبیٰ - بہشت کے ایک درخت کا نام -

طُور تجلّیٰ یا طُور تَجلّا - طُور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور تجلّیٰ یا تجلّی کے معنی ہیں روشنی - 'طور تجلّیٰ' کے معنی ہوے روشنی والا پہاڑ یعنی وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ نے نورِ ایزدی کی ایک جھلک دیکھی تھی - اِس پہاڑ کا نام 'سینا' ہے اس لئے اسکو 'طور سینا' کہتے تھے - رفتہ رفتہ لفظ 'طور' اُس پہاڑ کے لئے مخصوص ہوگیا - اب 'طور' سے ہمیشہ 'طور سینا' یعنی کوہِ سینا مراد ہوتا ہے -

طومار - کاغذ کی بڑی لمبی چٹ جس پر لکھتے جاتے ہیں اور لپیٹتے جاتے ہیں -

عابد - عبادت کرنے والا - امام حسینؑ کے ایک صاحبزادے جو کربلا کی جنگ میں باقی رہ گئے تھے - اُن کا نام علی تھا لیکن کثرت عبادت کی وجہ سے 'عابد' 'سجاد' اور 'زین العابدین' کہلاتے تھے -

عاری ہونا - تنگ آنا - مجبور ہو جانا - عاجز آنا -

عِباد - بندے - یہ 'عبد' کی جمع ہے -

عَبْد - غلام - بندہ -

عِراق - ملک عرب کا ایک حصّہ -

عرصہ - عربی میں 'عرصہ' کے معنی ہیں میدان - مگر اُردو میں 'دیر' کے معنی میں رائج ہے -

عزت طلب - علامہ آزاد مرحوم اس لفظ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں - "یہ لفظ عام طفولیت میں اکثر شرفا کے بابت سُنا کرتا تھا - جو شخص کہ سامان، لباس، اخلاق، اطوار، عادات اور معاشرت احباب میں ہمیشہ ایسی حالت کے ساتھ رہے جس سے حکام اور خاص و عام اُسکے ساتھ بہ عزت پیش آئیں اُسے

تعریف کے ساتھ کہتے تھے کہ فلاں شخص عزت طلب آدمی ہے۔ لفظ مذکور تحریر میں داخل نہ تھا۔ اب مدت سے متروک ہے۔ ہم سے کچھ پہلے پیدا ہوا اور ہمارے سامنے مرگیا۔ (سخندان فارس)

عُزّیٰ۔ عرب کے ایک قدیم بت کا نام جسکی اسلام کے قبل پرستش کی جاتی تھی۔

عَسَس۔ کوتوال۔ شہر کے گردگشت کرنے والا عہدہ دار۔

عِفریت۔ دیو۔

عُقاب۔ ایک بلند پرواز شکاری پرند۔ حضرت علیؑ اکبر کے گھوڑے کا نام۔

عقیل۔ حضرت علیؑ کے ایک بھائی کا نام۔

علمِ امامت۔ وہ علم جو امام ہونے کی حیثیت سے حاصل تھا۔

عمّار۔ رسولؐ کے ایک خاص صحابی۔

عُمَر۔ عمر ابن سعد۔ کربلا میں یزیدی لشکر کا سپہ سالار تھا۔

عِمرانی۔ حضرت علیؑ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا ایک نام عمران بھی تھا۔ عمرانی سے آل عمران یعنی حضرت عبدالمطلب کی اولاد مراد ہے۔

عون۔ مددگار۔

عون و محمد۔ حضرت زینبؑ کے صاحبزادوں کے نام۔

عین الکمال۔ نظربد۔

غافر۔ گناہ بخشنے والا۔ معاف کرنے والا

غِبطہ۔ کسی کی برابری کی خواہش۔ رشک۔

غدیر۔ تالاب۔ گڑھیا۔ مراد ایک مخصوص تالاب جسکا نام خُم تھا۔ اس تالاب سے ایک خاص واقعہ متعلق ہے۔ پیغمبر عرب حضرت محمدؐ آخری حج سے ایک بڑے قافلے کے ساتھ واپس آرہے تھے جب غدیر خم پر پہنچے تو آپ ٹھہر گئے اور ایک اونٹ کے پالان پر کھڑے ہوکر آپنے قافلے والوں سے پوچھا "اَلَسْتُ اَوْلیٰ بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ" یعنی کیا تم مجھکو اپنے

نفسوں سے اولیٰ (بہتر) نہیں سمجھتے ہو۔ سب نے جواب دیا بیشک ہم ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اسکے بعد آپنے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کے اونچا کیا اور فرمایا "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ" یعنی جسکا میں مولا (مالک و آقا) ہوں اُسکا علیؑ بھی مولا ہے۔ مسلمانوں میں شیعوں کا فرقہ اس واقعے سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ رسولؐ نے حضرت علی کو بالاعلان اپنا خلیفہ یا وصی یعنی جانشین مقرر کیا۔ یہ واقعہ ۱۸ ذیحجہ ۱۰ھ کو ہوا تھا۔ روز غدیر سے وہی دن مراد ہے۔

غُرفہ - جھروکا۔ دریچہ۔ کھڑکی۔ جنت

غِلمان - لڑکے۔ نوجوان آدمی۔ نوکر چاکر۔ بہشت کے خوبصورت باشندے۔ اصل میں یہ لفظ غلام کی جمع ہے۔ گو فارسی اور اُردو میں واحد کی حیثیت سے بھی مستعمل ہے۔

فارِس - سوار۔ شہسوار۔

فرار - بھاگنا۔

فرق - ماتھا۔ سر۔

فریضۂ سحری - صبح کی نماز۔

فِضّہ - حضرت فاطمہؑ کی ایک کنیز جو کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھیں۔

قابضِ ارواح - روحوں کا قبض کرنے والا۔ ملک الموت۔ عزرائیل۔

قاطر - خچر۔

قاف - ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں پریاں رہتی ہیں۔

قاف سے تا قاف - قاف ایک فرضی پہاڑ کا نام ہے جو ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لئے قاف سے قاف تک کے معنی ہوتے ہیں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔

قائمۂ عرش - عرش کا پایہ۔

قرأت یا قرءت - پڑھنا بالخصوص قرآن شریف کو صحیح تلفظ اور صحیح لہجے کے ساتھ پڑھنا۔

عکاس - غلام عباس

قَربوس ۔ گھوڑے کی کاٹھی کا اگلا حصہ جو قوسی شکل میں اُبھرا ہوا ہوتا ہے۔

قُرَّۃُ العَین ۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ۔ نورِ نظر یعنی فرزند ۔

قَرنا ۔ اصل میں یہ لفظ 'قرنائے' تھا مگر فارسی کے بہت سے لفظوں کی طرح اس میں سے بھی آخر کی 'ے' گر گئی ۔ ایک قسم کا باجا ہے جسے مُنہ سے پھونک کر بجاتے ہیں ۔ ہندی میں اسی کو 'تُرئی' کہتے ہیں ۔ اُردو میں یہ دونوں لفظ مستعمل ہیں اور اُن کے معنوں میں ذرا سا فرق ہے یعنی ترئی چھوٹی اور قرنا بڑی ہوتی ہے۔

قریشی ۔ عرب میں قریش کا قبیلہ نسبی شرافت میں بہت ممتاز تھا ۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ بھی اسی قبیلے سے تھے ۔

قُشون ۔ لشکر ۔ سپاہی ۔ یہ ترکی لفظ ہے ۔

قُصور ۔ کمی ۔ خطا ۔ قصر

قلب ۔ دل ۔ فوج کا درمیانی حصہ ۔

قَنبَر ۔ ایک شہزادے تھے جنھوں نے حضرت علیؑ کی غلامی اختیار کر لی تھی ۔

قُنوت ۔ عبادت ۔ بندگی ۔ دعا ۔ نیازمندی ۔ شیعوں کی مذہبی اصطلاح میں اسکے معنی ہیں نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا ۔

کاٹ ۔ یہ لفظ انیس کے زمانے میں مذکر تھا اب مونث ہے ۔

کاواک ۔ بے ڈول ۔ جس میں کوئی تناسب نہ ہو ۔

کاہلے ۔ 'کاہلا' کی جمع ہے ۔ سُست ۔ تھکا ماندہ ۔ یہ لفظ 'ہرن' کے لئے آتا ہے اور اُسکی اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جو سخت گرمیوں میں دھوپ کی شدت سے اُس پر طاری ہو جاتی ہے ۔

کُبرا ۔ فاطمہ کبریٰ ۔ امام حسینؑ کی وہ صاحبزادی جن کا عقد بقول بعض کربلا میں حضرت قاسم ابن حسن کے ساتھ ہوا اور نکاح کے دوسرے ہی دن بیوہ ہو گئیں ۔

کٹ جلنا ۔ شرمندہ ہونا ۔

کچھار - دریا کے کنارے کی زمین - ترائی -

کرّوبیاں - کروبی کی فارسی جمع ہے - فرشتے -

کرۂ زمہریر - سردی کا کرہ جو تمام دُنیا کو گھیرے ہوے ہے -

کرّکا - وہ اشعار یا کلمات جو میدان جنگ میں سپاہیوں کو جوش دلانے کے لئے بلند آواز سے کہے جاتے ہیں جو لوگ کرّکا کہنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں وہ 'کرّکیت' کہلاتے ہیں -

کَس - طاقت - پرکھ - تلوار میں جُھکنے اور جُھک کر سیدھی ہو جانے کی صفت -

کَس بَل - تاب و طاقت - چم و خم - تلوار میں جھکنے اور سیدھے ہونے کی صفت -

کِسرائی - کِسریٰ خُسرو کا معرّب - ایران کے بعض بادشاہوں کا نام تھا - نوشیروان عادل کو بھی کہتے ہیں - مطلق شاہ ایران کے معنی میں بھی آتا ہے - کِسرائی کے معنی ہوے نوشیروان یا ایران کے کسی بادشاہ سے تعلق رکھنے والا - حضرت شہربانو ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد یا یزدگرد سوم کی بیٹی تھیں - اِس لئے وہ کِسرائی تھیں -

کَسنا - (فعل لازم) تلوار کا جُھکنا اور جُھک کر سیدھا ہو جانا - (فعل متعدی) تلوار کو موڑ کر یا جُھکا کر اُسکی آزمائش کرنا - تلوار جتنی اچھی ہوتی ہے اُتنا ہی اُس میں لوچ زیادہ ہوتا ہے - یہاں تک کہ بعض تلواریں اتنی جُھکائی جا سکتی ہیں کہ اُنکی نوک قبضے سے مل جائے -

کشیدہ - کھنچا ہوا - ناراض -

کَلَف - داغ - بالخصوص چاند کا داغ -

کُلُفت - موٹا - بھدّا - بے ڈول -

کُلوخ - ڈھیلا -

کمان کیانی - کیان جمع ہو کے کی جسکے معنی ہیں بادشاہ - کمان کیانی کے معنی ہوے بادشاہوں کے قابل کمان - عمدہ کمان -

کمند - وہ ڈوری یا رسّی جو پُرانے زمانے میں سپاہیوں کے پاس ہوتی تھی جس سے وہ جنگ میں اپنے حریف کو پھانس لیتے تھے - وہ رسّی جسکے ذریعے سے کوٹھے پر چڑھ جاتے ہیں -

کُمَیت ۔ سُرخ رنگ کا گھوڑا جس کی یال اور دُم سیاہ ہو۔

کمینگاہ ۔ وہ جگہ جہاں چھپ کر شکاری اپنے شکار پر حملہ کرتے ہیں۔

کَنار ۔ گود ۔ کنارہ ۔

کُنڈا ۔ گھوڑے کی گردن کا خم۔

کَنعان ۔ ملک مصر کا ایک شہر جو حضرت یوسف کا وطن تھا۔

کنکھیوں سے دیکھنا ۔ پوشیدہ نظر کرنا۔ نگاہ چُرا کے دیکھنا۔ نیچی نظروں سے دیکھنا کسی کی طرف اس طرح دیکھنا کہ وہ دیکھنے کو محسوس نہ کر سکے۔

کَنوتی ۔ گھوڑے کا کان ۔ گھوڑے کا کھڑا ہوا کان۔

کوثر ۔ بہشت میں ایک چشمہ ہے جسکا پانی نہایت لطیف و شیریں ہے۔ اسم جنت

کوسِ حرب ۔ جنگ کا نقارہ ۔ لڑائی کا ڈنکا۔

کھیت پڑنا ۔ جنگ ہونا ۔ کشت و خون ہونا۔

کیف و کم ۔ کیف کے معنی کیسا اور کم کے معنی کتنا ۔ کیف و کم کے معنی ہیں نوعیت اور مقدار۔ عربی

گاوِزمیں ۔ وہ گائے جسکے سینگوں پر زمین قائم ہے۔

گَرد بَرد ہو جانا ۔ خاک میں مل جانا۔

گُریزا گُریز ۔ بھاگا بھاگ ۔ بھاگڑ۔

گھاٹ ۔ دریا کا کنارہ ۔ دریا کے کنارے کی وہ جگہ جہاں لوگ نہاتے ہیں ۔ یا جہاں سے کشتی پر سوار ہوتے ہیں ۔ تلوار کی وہ جگہ جہاں سے اسکا خم شروع ہوتا ہے۔

گھونگھٹ کھانا ۔ فوج کا پسپا ہونا ۔ پیٹھ دکھانا ۔ شکست کھانا۔

لات ۔ عرب کے ایک قدیم بت کا نام جسکو اسلام سے پہلے لوگ پوجتے تھے۔

لٹ پٹے ۔ ڈھیلے ڈھیلے ۔ بے پروائی اور بے ترتیبی سے لپٹے ہوئے (پگڑی کے پیچ)۔

لجام ۔ لگام۔

لطف - مہربانی۔

لَوح - کتاب کے پہلے صفحے کی پیشانی جس پر سُنہری اور رنگین کام کیا ہوا ہوتا ہے - تختی۔

لَوذعی - خوش تقریر - بذلہ سنج - حاضر جواب -

لُوں - نہایت گرم چھوا ہوا - اب اسکو بغیر نون غنہ کے 'لُو' کہتے ہیں -

ماحَضر - جو کچھ حاضر ہے - اِس سے مراد ہوتا ہے وہ کھانا جو موجود ہو - کسی کے لئے تکلف کے ساتھ نہ پکایا گیا ہو -

ماشاءاللہ - جو کچھ اللہ نے چاہا - کلمۂ تحسین ہے - 'واہ واہ' 'شاباش' کے معنی دیتا ہے - یہ فقرہ ہمیشہ بڑے چھوٹوں کے لئے بولتے ہیں -

مالکِ اَشتر - رسولؐ کے ایک خاص صحابی -

مالکُ الرِّقاب - گردنوں کا مالک - جانوں کا مالک - وہ شخص جس کو ہر طرح کا اختیار حاصل ہو - رقاب جمع ہے رقبہ کی جسکے معنی ہیں گردن -

مُبارِز طَلبی - جنگ کے لئے اپنا مقابل طلب کرنا - پُرانے زمانے میں بعض ملکوں میں دستور تھا کہ جنگ کے وقت مقابل فوجوں میں سے ایک ایک سپاہی میدان میں آکر مقابلہ کرتا تھا - جو سپاہی اپنی فوج سے پہلے نکلتا تھا وہ فوج مخالف کے سپاہیوں کو اپنے مقابلے کی دعوت دیتا تھا -

مُتّبِع - پیروی کرنے والا - تقلید کرنے والا -

مُتجلّی - منور - روشن -

مُجرائی - سلام کرنے والا - درباری -

مُجمَر - انگیٹھی -

مَحاسِن - خوبیاں - ڈاڑھی مونچھیں -

محبوبِ خدا - اللہ کا پیارا - مراد حضرت محمدؐ -

مَحلّہ - شہر کا ایک حصہ - وہ جگہ جہاں فوج قیام کرتی ہے - چھاؤنی - پڑاؤ -

محمود - قابل حمد۔ جسکی تعریف کی جاتی ہے۔

مُخبِر - خبر پہنچانے والا۔

مدینہ - شہر۔ ملک عرب کا ایک مشہور شہر جو پیغمبر اسلام کا مولد و مدفن ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک نہایت مقدس زیارت گاہ ہے۔

مِرفق - کہنی۔

مرگِ مُفاجات - ناگہانی موت۔

مِروَحہ - پنکھا۔

مُسلِم - حضرت عقیل کے بیٹے۔ امام حسین کے چچازاد بھائی۔

مُشتَری - خریدار۔ ایک سیارہ۔

مشکلکشا - مشکلوں کو آسان کرنے والا۔ یہ لفظ حضرت علیؑ کے لئے مخصوص ہے۔

مُصحَفِ ناطق - بولتا ہوا قرآن یعنی ایسا شخص جس کا کلام آیات قرآنی کے مطابق ہو۔ اس سے اکثر حضرت علیؑ مراد ہوتے ہیں۔

مُصطفٰےؐ - منتخب۔ برگزیدہ۔ رسول عربی کا ایک لقب۔

مُصَلّا - نماز پڑھنے کی چٹائی۔

مُصَلّی - نماز پڑھنے والا۔

مُعانقہ لپٹانا۔ گلے لگانا۔

مُعجِزہ - ایسا کام جو روحانی طاقت سے کیا جائے اور جس میں دوسرے لوگ عاجز ہوں۔ لفظ معجزہ انبیاء پیغمبروں کے لئے مخصوص ہے۔ اگر کوئی اور بزرگ اس طرح کا کام کرے تو اسکو کرامت کہتے ہیں۔ جسکی جمع کرامات اُردو میں واحد کی حیثیت سے مستعمل ہے۔

مِقداد - رسولؐ کے ایک جلیل القدر صحابی۔

مُکبّر - تکبیر کہنے والا۔

مُکلّل - جواہرات سے آراستہ - آراستہ -

مُلگجے - کسی قدر میلے - مَلے دَلے - پُرشکن -

مِنا - خانۂ کعبہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک قریہ ہے جہاں حاجیوں کو قبل حج ذیحجہ کی نویں شب کو قیام کرنا پڑتا ہے -

منزل - مکان - قیامگاہ -

مُنھ - (تلوار کا) - تلوار کی دھار -

مور - ایک معروف پرند - چیونٹی -

مورچہ - مٹی کا ٹیلہ یا دیوار جو فوج مخالف کے حملے سے بچنے کے لئے بنالی جاتی ہے -

مَولا - مالک - آقا - الف مقصورہ کے ساتھ 'مولیٰ' بھی لکھتے ہیں -

مُہرِ نبوّت پیغمبر عرب حضرت محمدؐ کے شانے پر ایک خاص طرح کا قدرتی نشان جو آپ کے نبی ہونے کی ایک علامت تھی -

مُہرہ - ریڑھ کی ہڈی - گوٹ - پانسا - قرعہ - کوڑی - گھونگھا -

میسرہ - فوج کا بایاں بازو -

میمنہ - فوج کا داہنا بازو -

مینا کرنا - ایک خاص طرح کے مسالے سے رنگین نقش و نگار بنانا -

مینائے لاجورد - لاجوردی یعنی گہرے نیلے رنگ کا شیشے کا گولا - مجازاً نیلا آسمان -

مینو - بہشت -

مینو سواد - بہشت کے نقشے کا -

نادِ علی - ایک عربی دعا ہے جو انھیں لفظوں سے شروع ہوتی ہے - اس دعا کے پڑھنے سے آفتوں اور بلاؤں سے نجات ملتی ہے -

نار - آگ - دوزخ کی آگ -

ناموس - عزت - ذلت - شہرت - شرم - کسی خاندان کی عورتیں -

نجف - عراقِ عرب میں ایک شہر ہے جہاں حضرت علیؑ کا مزار مبارک ہے -

نرگسِ شہلا - گہرے نیلے رنگ کی نرگس -

نگیں - نگ - نگینہ - انگوٹھی - خاص کر کسی بادشاہ یا شہزادے کی مُہر کی انگوٹھی -

نوفل - یزیدی فوج کے ایک سردار کا نام -

نوکِ زباں ہونا - خوب یاد ہونا - زبان پر جاری ہونا -

نونہال - نیا پودا - مراد نوعمر کم سن لڑکا -

نہوڑانا - جُھکانا - انیسؔ اس لفظ کو بالعموم 'سر' کے ساتھ استعمال کرتے ہیں - اب یہ لفظ زبان پر جاری نہیں ہے -

نیزے کا بند - نیزہ بازی کا داؤں -

نیساں - بہار کا ایک مہینہ - یہاں آبِ نیساں مراد ہے یعنی وہ پانی جو موسم بہار میں برسے - کہتے ہیں کہ آبِ نیساں کا جو قطرہ سیپ کے مُنہ میں چلا جاتا ہے وہ موتی بن جاتا ہے -

نیچہ - چھوٹی تلوار -

واجبُ الوُجود - وہ ذات جس سے وجود کی صفت علیحدہ نہیں ہو سکتی جو ہمیشہ موجود تھی اور ہمیشہ موجود رہیگی - یعنی اللہ -

وادیُ السّلام - سلامتی کی وادی - مراد جنت - بہشت آٹھ ہیں جن میں سے ایک کا نام وادیُ السّلام ہے -

وارنا - صدقے کرنا - نثار کرنا -

واری - میں تم پر صدقے - انتہائی محبت کا کلمہ ہے - عورتوں کی زبان سے مخصوص ہے -

وافضیحتا - فضیحت کے معنی ہیں رُسوائی - بدنامی - 'وافضیحتا' سے مراد ہے کیسی ذلت کی بات ہے -

وامحمّدا - محمدؐ کی دُہائی -

واویلا - اظہارِ افسوس کا کلمہ ہے -

وَدود - محبت یا شفقت کرنے والا -

وَرطہ - گرداب - بھنور -

ورق - کتاب کا ایک کاغذ - درخت کا پتّا -

وَصی - قائم مقام - نائب - یہاں مراد ہے نائب رسولؐ - وصی رسولؐ سے بالعموم حضرت علیؑ مراد ہوتے ہیں -

وِلا - محبت - دوستی -

وَلی - دوست - مددگار - محافظ -

وَہّاب - بڑا دینے والا - بڑا سخی -

ہاتھ مَلنا - بہت افسوس کرنا -

ہُبَل - عرب کے ایک قدیم بُت کا نام جسکی اسلام سے پہلے پرستش کی جاتی تھی -

ہراس - خوف - پریشانی - اضطراب -

ہراسا - خوف زدہ - مضطرب - پریشان -

ہزار - دس سَو - بلبل -

ہزیمت - شکست -

ہمدست - ہم رتبہ -

ہَوا پرست - مغرور - نفس پرست - بیجا امیدیں باندھنے والا -

ہَوا پر ہونا - غلط منصوبہ باندھنا - دُون کی لینا - تعلّی کرنا - اِترانا - بیجا فخر کرنا -

ہونٹوں کو چابنا - یا چبانا - انتہائی غصّے کی علامت -

یارا - ہمت - طاقت -

یٰسین - قرآن کا ایک سورہ جسکے پڑھنے سے مرنے والے کا دم آسانی سے نکل جاتا ہے -

یَثرِب - شہر مدینہ کا قدیم نام -

یکّہ تاز - تنہا دوڑنے والا - اکیلا حملہ کرنے والا - ایسا شہسوار جسکے برابر کوئی گھوڑا نہ دوڑ سکے -

حاشیے

صفحہ بند مصرع

۳ ۱ ۲ **اکیلا** - بے نظیر۔ جس کا ساکوئی اور نہ تھا۔

" " ۳ اس مصرع میں لفظ 'حر' دو جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ 'آزاد' کے معنی میں، دوسری جگہ نام کی حیثیت سے۔ اس صنعت لفظی کا نام 'تجنیس تام' ہے۔

۳ ۲ ۳ **شہِ عرش پناہ** - ایسا بادشاہ جسکی سرکار میں عرش پناہ لے۔ مراد امام حسینؑ۔

۳ ۴ ۱ **جانِ محبوبِ الٰہی** - 'محبوبِ الٰہی' سے مراد ہیں حضرت محمدؐ اور اُن کی جان سے مراد امام حسینؑ۔

۴ ۶ ۲ **رہبرِ ایماں** - ایمان کا راستہ بتانے والا - مراد امام حسینؑ۔

" ۷ ۲-۴ 'سبز' اور 'لال' میں صنعت ایہام تضاد ہے۔ 'باغ' اور 'نہال' 'پہنچے' اور 'دست' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

" " ۶ جس طرح پت جھاڑ کے موسم میں درختوں کے زرد پتے ہوا کے ذرا سے جھونکے میں جھڑ پڑتے ہیں اُسی طرح امام حسینؑ کی ادنیٰ توجہ سے حُر کے گناہ دُور ہو گئے۔

" ۸ ۲ **احمدِ مُرسَل کا خلف** - رسول خدا حضرت محمدؐ کے فرزند یعنی امام حسینؑ۔

" ۹ " **مہرِ افلاکِ امامت** - امامت کے آسمانوں کا آفتاب جلیل القدر امام یعنی امام حسینؑ

۵ ۱۰ ۱ **جنودِ اللہ** ﷻ کی فوجیں - اللہ کے لشکر۔

" ۱۲ ۱ 'تول' اور 'غول' میں صنعت تجنیس لاحق ہے۔

" ۱۴ ۶ **سُرمۂ آواز** - سُرمہ کھانے سے گلا بیٹھ جاتا ہے۔ آواز نہیں نکلتی۔

صفحہ	بند	مصرع	
۶	۱۷	۱	**سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں** - شباب بالعموم جوانی کے معنی میں مستعمل ہے مگر یہاں یہ لفظ شاب کی جمع ہے جسکے معنی ہیں 'جوان'۔ اس فقرے میں اشارہ ہے رسول کے اس قول کی طرف "اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ" یعنی حسنؓ اور حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔
۹	۳۰	۳	اس مصرعے میں 'شرماتے ہیں' کا فاعل 'ہم' محذوف ہے۔ یہاں 'پانی پانی' کے استعمال سے کلام میں بڑا حُسن پیدا ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ 'پانی پانی ہونا' کے معنی ہیں شرمانا۔
۹	۳۱	۳	**اَشْھَدُ بِاللّٰہ** - (خدا) کی گواہی دیتا ہوں۔ ایک قسم ہے۔ اللہ
۹	۳۴	۶	**یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے** - انھوں نے (خدا) کی راہ پر ایسے ایسے کارنمایاں انجام دیے ہیں کہ ان کا صلہ گویا خدا کے ذمّے واجب الادا ہے۔
۱۱	۴۰	۱ و ۲	'مردم' اور 'آنکھیں' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔
"	"	۶	**گھر خالصے لگ جائیگا** - گھر ضبط ہوکر سرکاری ملکیت میں آجائے گا۔ (دیکھو فرہنگ 'خالصے لگنا')
"	۴۴	۲	**آئے** - 'آیہ' کی اُردو جمع ہے۔ قرآن کی آیتیں۔ اس مصرع میں لفظ 'آئے' دو جگہ مختلف معنوں میں آیا ہے۔ اس سے وہ صنعت پیدا ہوگئی ہے جسکو 'تجنیس تام' کہتے ہیں۔
"	"	۵	'آل' سے یہاں آلِ رسول مراد ہے۔
۱۲	۴۵	۳	**جسکو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج** - جس کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ وہ (بچپن میں) رسول خدا حضرت محمدؐ کے کاندھے پر سوار ہوا کیا ہے۔
"	۴۶	۴	**کبھو** - یہ لفظ انیس بالعموم استعمال نہیں کرتے۔ یہاں قافیے کی پابندی سے استعمال کرنا پڑا ہے۔

صفحہ بند مصرع

۱۲ ۴۹ اس بند میں لفظ 'دار' نو مرتبہ آیا ہے۔ کبھی مستقل لفظ کی حیثیت سے کبھی کسی لفظ کے جزو کی حیثیت سے۔ یہ ایک طرح کی صنعت ہے۔

〃 〃 ۶ **دار** - درخت

۱۳ ۵۰ ۲ **بیت** - شعر۔ جس طرح شعر کے دو مصرعے برابر کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح دونوں بھویں برابر کی ہوتی ہیں اس لئے بھوؤں کو شعر یا بیت سے تشبیہ دیتے ہیں۔

۱۳ ۵۰ ۴ **یوسف اور چاہ** میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

〃 ۵۳ ۳ **بینہ** - یہ لفظ اصل میں 'بنا' ہے مگر چونکہ سینہ۔ کینہ۔ آئینہ۔ کے ساتھ قافیہ کیا گیا ہے اس لئے یوں لکھا گیا۔

۱۵ ۲۲ ۶ **دربار سلیماں میں پری جاتی ہے** - کہتے ہیں کہ پریاں حضرت سلیمانؑ کی اُمت میں ہیں یعنی اُن کو پیغمبر اور اپنا دینی پیشوا مانتی ہیں۔ سلیمان اور پری کا ایک ساتھ ذکر کرکے اُن کے اسی تعلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۶ ۲۸ ۶ **اسود** - ایک اسلامی مجاہد جس نے مال غنیمت میں سے ایک زرہ چرائی تھی حضرت علیؑ نے قانون اسلام کے مطابق اُسکا ہاتھ کٹوا لیا۔ مگر وہ ہاتھ کٹنے کی حالت میں حضرت علیؑ کی تعریف کرتا رہا۔ اُسکا فعل خدا کو پسند آیا اور رسول نے خدا کے حکم سے اُسکا گناہ معاف کر دیا اور ہاتھ جوڑ دیا۔

۱۷ ۷۰ ۴ **خُذ بیدی** - میرا ہاتھ پکڑو - یعنی میری مدد کرو - عربی فقرہ ہے۔

۱۸ ۷۵ ۱ **بابی انت وامّی** - میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

〃 ۷۸ ۱ **لاکھ ہاتھ اُسکے ہیں دینے کے** - وہ بڑا دینے والا ہے - لاکھ طریقوں سے دیتا ہے - یہاں 'اُس' کا اشارہ خدا کی طرف ہے۔

۱۹ ۸۱ ۶ **فاتحہ پڑھ کے** - مُردے کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لیے سُورۂ فاتحہ اکثر پڑھا جاتا ہے۔ کسی شخص یا چیز کا (یا پر) فاتحہ پڑھنا کے مجازی معنی ہیں اُس سے ہاتھ اُٹھانا۔ مایوس ہونا۔ اُسکی آس چھوڑ دینا۔ اُسکی توقع نہ رکھنا۔ یہاں یہ نظر فقرے کے معنی ہیں زندگی سے ہاتھ دھو کے۔

صفحہ بند مصرع

۱۹ ۸۴ ۶۵ اس بیت میں انیس نے امام حسینؑ کی مجبوری و ناداری کی انتہا دکھائی ہے کہ تندرست اور سن دار لوگوں کو کھانا پانی نہ ملنے کا کیا ذکر۔ چھ مہینے کے بچے کے لئے دودھ اور بیمار و نحیف بیٹے کے لئے دوا تک میسر نہیں۔

۲۰ ۸۷ ۳ **برچھیوں اُڑتا تھا** ۔ بہت اونچی جست کرتا تھا۔ بعض لوگ اس محل پر "برچھیوں" کو غلط سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ صحیح محاورہ صرف "برچھوں اُڑنا ہے۔ مگر اُن کا یہ خیال صحیح نہیں۔ میر انیس نے ایک اور بیت میں بھی "برچھیوں اُڑنا" نظم کیا ہے ؎

اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں گھوڑے کے چاروں پاؤں ہوا آتے تھے بیت میں

میر مونس نے بھی "برچھیوں اُڑنا" کہا ہے۔ ؎

اُڑ اُڑ کے برچھیوں وہ تگاور روانہ تھا نیزے کا ملکس اُس کے لیے تازیانہ تھا

۲۰ ۹۲ ۳ حضرت داؤدؑ ایک پیغمبر تھے جن کو اللہ رسول نے اُن کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ اُنکے ہاتھ میں لوہا بالکل نرم ہو جاتا تھا۔ اسی لئے اُنھوں نے زرہ سازی کو اپنا پیشہ قرار دیا تھا۔ اس مصرع میں انھیں باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

〃 〃 ۶ قاف ملک کا کیشیا میں ایک پہاڑ ہے کا کیشیا کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ غالباً اسی بنا پر کوہِ قاف پریوں کا مسکن سمجھا جاتا ہے۔ اور پریاں حضرت سلیمان کی اُمت میں ہیں۔ اسی وجہ سے قاف اور سلیماں میں ایک نسبت ہے۔

〃 ۹۴ ۴ خسرو ایران کے ایک بادشاہ کا نام ہے۔ جسکے پاس آٹھ خزانے ایسے تھے کہ اُن کا جواب روئے زمین پر نہ تھا۔

۲۲ ۹۶ ۳ **قمر بُرجِ امامت** ۔ امامت کے برج کا چاند۔ ذی مرتبہ امام۔ امام حسینؑ

〃 ۹۸ ۴ **فاتحہ** ۔ قرآن کا پہلا سورہ جسکو سورہ حمد بھی کہتے ہیں۔ اس کا پڑھنا برکت اور کامیابی کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔

صفحہ بند مصرع

۲۳ ۱۰۳ ۴ **آنکھوں میں گھر کرنا** - آنکھوں میں سمانا - جُھٹلانا - ڈھٹائی کرنا - سخن پروری کرنا - موہ لینا - محبوب ہونا -

۲۳ ۱۰۴ ۱ **پرکالا** - چنگاری - ٹکڑا - اصل میں یہ لفظ 'پرکالہ' ہے - لیکن چونکہ 'کالا'، 'بھالا'، 'ڈالا'، کے ساتھ قافیہ کیا گیا ہے اس لئے 'پرکالا' لکھا گیا -

" " ۲ **کالا** - سانپ صفت بول کر موصوف مراد لیا ہے -

" " ۴ **ڈورا ڈالا** - اصل محاورہ ڈورے ڈالنا ہے - یہاں قافیے کی ضرورت سے محاورے میں ذرا سا تغیر کر دیا گیا ہے - ڈورے ڈالنا کے معنی ہیں اپنی طرف مائل کرنا - پرچانا - ڈھب پر لانا - پھانسنا - لگاوٹ کرنا -

" " ۵ **گھولا ہے** - گھلا ہوا ہے -

" " ۶ **سیفی** - ایک عمل کا نام ہے جس میں دشمن کی ہلاکت کی نیت سے کوئی دعا خاص شرائط کے ساتھ پڑھی جاتی ہے -

" ۱۰۷ ۲ **سر اٹھانا** - فخر کرنا - غرور کرنا - شور و شر کرنا - لوگوں کو ستانا -

" " " **یہ** - اس لئے - یہ ظاہر کرنے کے لئے -

۲۵ ۱۱۱ ۶،۵ **مفتاح** - کنجی - 'فتح'، اور 'مفتاح'، 'قبضہ' اور 'قابض' میں صنعت اشتقاق ہے -

۲۶ ۵ ۱ **الف گر زکو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال** - ہر چوٹ اتنی کڑی پڑتی تھی کہ جو گرز حرف الف کی طرح سیدھے تھے وہ حرف دال کی طرح ٹیڑھے ہو جاتے تھے -

۲۷ ۱۲۰ ۲ **بارک اللہ** - اللہ تمہارا برکت دے - کلمۂ تحسین ہے -

" " " **دلبر شاہ** - امام حسینؑ کا بیٹا یعنی حضرت علی اکبرؑ -

۲۸ ۱۲۹ ۲ **آپ** - اشارہ ہے امام حسینؑ کی طرف -

۲۹ ۱۳۰ ۶ **بچپن کے غلاموں سے** - حبیب ابن مظاہر نے خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے - وہ امام حسینؑ کے ساتھ کے کھیلے ہوئے بچپن کے دوست تھے -

صفحہ بند مصرع

۲۹ ۱۳۱ ۱ **نیم وا** - ادھ کھلی -

" ۱۳۴ ۶ نیند آنے کے وقت ایک خاص طرح کا سرور حاصل ہوتا ہے - باکمال شاعر اس مصرع کے ذریعے سے یہ دکھانا چاہتا ہے کہ چونکہ حُر پر امام حسینؑ کی نظر عنایت تھی اور وہ خدا کی راہ میں شہید ہوا تھا لہذا موت کی شدید تکلیف اُسکے لئے نیند آنے کی لذت بن گئی -

۳۰ ۱۳۶ ۵ **دختر فاطمہؑ** - فاطمہ کی بیٹی حضرت زینبؑ -

۳۱ ۱۴۲ ۵ **عشرہ ماہِ عزا** - محرم کے مہینے کے ابتدائی دس دن - چونکہ محرم میں امام حسینؑ کا غم کیا جاتا ہے اس لئے اسکو ماہ عزا کہتے ہیں -

۳۲ ۱ ۱ **[illegible] کی فوج** - ایسی فوج جو [illegible] کی راہ میں جہاد کرنے کو تیار تھی -

۳۳ ۷ ۴ **اب** - حسینی فوج میں حضرت عباس سب سے زیادہ دلیر اور فن جنگ کے سب سے بڑے ماہر تھے - اس لئے جب اُنکو لشکر کا علم دیا گیا یعنی وہ فوج کے علمدار بنا دیئے گئے تو بہادر سپاہیوں کے لئے اُنکی سرکردگی میں جنگ کرنے کا خیال نہایت دل خوش کن تھا -

۳۴ ۱۳ ۵ 'شور' اور 'نمک' میں صنعت ایہام تناسب ہے -

" ۱۴ ۲ **مُسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر** - اس سے حضرت عباسؑ کی خوش مزاجی شرافت اور فروتنی ظاہر ہوتی ہے - بلند نگاہ اور عالی ظرف لوگوں کا خاصہ ہے کہ جتنا اُن کا رتبہ بڑھتا جاتا ہے اُتنا ہی اُن میں انکسار آتا جاتا ہے -

" ۱۴ ۵ 'وہ' کا اشارہ علم کی طرف اور 'یہ' کا حضرت عباس کی طرف ہے -

" " " **کیواں جناب** - کیواں ایک تارے کا نام ہے جو بہت بلندی پر ہے - ساتویں آسمان کو بھی کہتے ہیں - 'جناب' کے معنی ہیں دہلیز - چوکھٹ - 'کیواں جناب' کے معنی ہوے وہ جسکی چوکھٹ ساتویں آسمان' یا کیواں تارے کے برابر اونچی ہو یعنی جسکا مرتبہ بہت بلند ہو -

صفحہ بند مصرع

۳۴ ۱۴ ۶ **دو آفتاب** - ایک حضرت عباس کا نورانی چہرہ دوسرا چمکتا ہوا علم۔

۳۵ ۱۸ ۴ **آئے عقب سے شہ کے** - اس مصرع میں امام حسینؑ کے گھرانے کی اعلیٰ تربیت اور عون و محمد کی تہذیب دکھائی گئی ہے۔ کسی بزرگ کے سامنے سے گزرنا بے ادبی ہے۔ اس لئے عون و محمد امام حسینؑ کی پشت کی طرف سے گئے۔

۳۶ ۲۴ ۱ **ہا** - ممانعت اور تنبیہ کا کلمہ۔

۳۷ ۲۶ ۱ ایشیائی تمدن کی رو سے دودھ پلانے کا حق سب سے زیادہ ہے اس لئے سب سے بڑی قسم جہاں اپنی اولاد کو دے سکتی ہے وہ اپنے دودھ کی قسم ہے۔

" ۲۶ ۳ اس مصرع میں بند ۵ کی طرف اشارہ ہے۔

" ۳۸ " **لہو آسمان پر (ہوگا)** - تلوار سے جو خون اڑیگا وہ آسمان تک یعنی بہت بلندی تک پہنچے گا۔

۳۹ ۳۹ ۱ و ۲ عون و محمد نے جس جوش، جرأت، خلوص اور وثوق کے ساتھ گفتگو کی تھی اُسکا اظہار اس سے بہتر پیرائے میں ناممکن ہے۔

۴۰ ۴۰ ۶ صلوٰۃ جمعہ کے خطبے میں بادشاہ اسلام کا نام داخل کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے کسی نام کا خطبہ ہونا اُسکا بادشاہ اسلام تسلیم کیا جانا تھا۔

" ۴۱ ۴ **کنیز** - حضرت زینبؑ امام حسینؑ سے گفتگو کرنے میں خود کو انکسار سے کنیز کہتی ہیں۔

" ۴۳ ۳ **پسر** - بیٹا۔ یہاں اولاد مراد ہے جس میں پوتے اور نواسے بھی شامل ہیں۔

۴۱ ۴۶ ۵ میری ماں فاطمہ کے دو بیٹوں نے انتقال کیا ہے۔ میں بھی اُنکی وارث ہوں اس لیے مجھ کو بھی دو بیٹوں کی موت کا غم اُٹھانا چاہیے۔

۴۲ ۵۳ ۵ **حملوں سے** - ہمارے حملوں سے۔

" ۵۴ " **جاہ و جلال** - مرتبہ اور عظمت۔ یہ لفظ یہاں کچھ بامحل نہیں معلوم ہوتے۔

صفحہ بند مصرع

۴۳ ۵۷ ۶ **بوند نہ بخشوں گی شیر کی** - دودھ پلانے کا حق اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اسکی ادائی تقریباً محال ہے۔ اِس لئے ماں اپنے یا اولاد کے مرتے وقت اپنے اس حق کو معاف کر دیتی ہے۔ اسی کو دودھ بخشنا کہتے ہیں۔ دودھ نہ بخشنا ماں کی انتہائی ناراضی کی علامت ہے۔

" ۵۹ ۱ **لیثِ بنی غالب** - 'لیث' عربی میں شیر کو کہتے ہیں اور 'بنی غالب' کے معنی ہیں غالب کی اولاد۔ 'لیثِ بنی غالب' کے معنی ہوئے غالب کے خاندان کا شیر مراد حضرت علیؑ۔ غالب حضرت علیؑ کے ایک بزرگ کا نام ہے۔ اُن سے حضرت علیؑ تک گیارہ پشتیں ہوتی ہیں۔

۴۴ ۶۳ ۳ **لڑیاں تھیں چار ایک سی اشکوں کی دو طرف** - یعنی امام حسینؑ اور حضرت زینب دونوں زار زار رو رہے تھے۔ اِس لئے آنسوؤں کی چار لڑیاں بن گئی تھیں۔ چار۔ ایک۔ دو میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔

۴۵ ۶۵ ۱ **سردار خاص و عام** - مراد امام حسینؑ۔

" " ۴ سر - راز - بھید - سِر اور سَر میں تجنیس محرف ہے۔

" ۶۸ " **سیدھے جائینگے** - اسکے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ بغیر کہیں ٹھہرے ہوئے۔ دوسرے یہ کہ سیدھے قد کے ساتھ۔ بہشت میں ہر شخص جوان ہو کر جائیگا۔ اس لئے بوڑھوں کی کمر سے خم دُور ہو کر اُن کا قد بھی سیدھا ہو جائیگا۔ اِس جملے سے دو معنی نکلتے ہیں اور دونوں ٹھیک ہیں۔ یہ ایک صنعت ہے جسکو 'ادماج' کہتے ہیں۔

۴۵ ۶۸ ۵ **قبضہ** - تلوار کا قبضہ مراد ہے۔

" ۶۹ ۴ جیب ابن مظاہر کی آنکھیں دشمنوں کے لئے نہایت ہیبت ناک تھیں۔ یہاں تک کہ بڑھاپے میں جب بھویں لٹک کر آنکھوں پر آگئیں تو بھی اُن میں اُتنی ہیبت باقی

صفحہ بند مصرع

رہی جتنی ذوالفقار میں میان کے اندر ہونے کی حالت میں ہوتی تھی اگر بڑھاپے نے یہ غلاف نہ چڑھا دیا ہوتا تو اُن میں وہ ہیبت ہوتی جو ذوالفقار میں اُس وقت ہوتی تھی جب وہ میدان جنگ میں میان سے باہر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں بلند ہوتی تھی۔

۴۵ ۷۳ ۱ بچپن کے ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

۴۷ ۷۸ ۴ حساب کا ایک طریقہ 'عقد انامل' ہے جس میں ہاتھوں کی بعض انگلیاں جھکانے اور سیدھی کرنے سے مختلف عدد بن جاتے ہیں۔ داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اکائیاں اور دہائیاں اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے سیکڑے اور ہزار بنتے ہیں اس لئے اس مصرعے کا مفہوم یہ ہوا کہ یزیدی لشکر کے سپاہیوں کی تعداد سیکڑوں اور ہزاروں سے متجاوز تھی۔

۴۸ ۸۰ ۱ **سپاہی لشکر** - فوجوں کا مجمع۔

" ۸۴ ۴ **ماہ چہار و دو پنج** - چار اور دو پنجے چودہ ہوئے۔ اس لئے اس فقرے کے معنی ہوئے چودھویں رات کا چاند۔

۴۹ ۸۶ ۴ 'بال' اور 'پر' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

۵۱ ۹۵ ۱ **تیغ و ترنج** - چھری اور لیموں۔ اس بند میں حضرت یوسف اور زلیخا کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔

" ۹۶ ۱ **لاریب فیہ** - اس میں شک نہیں۔

" ۹۷ ۴ **طوبیٰ لکم** - تمہارے لئے بہتری یا خوشحالی ہے۔ یہ ایک طرح کی دعا ہے۔

" " " **شہ عالم پناہ** - دنیا کو پناہ دینے والا بادشاہ۔ مراد امام حسینؑ۔

" ۹۹ ۲ **گردون دوں** - 'دوں' 'دوں' کی تکرار سے طبل کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس صنعت کو ایہام الصوت کہتے ہیں۔

صفحہ بند مصرع

۵۲ ۱۰۰ ۳ **صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند**۔ وہ میدان یوں ہی بہت خوفناک تھا فوجی باجوں کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار نے اسے اور زیادہ خوفناک بنا دیا۔

〃 〃 ۵ 'دُہُل' اور 'دَہَل' میں تجنیس حرف ہے۔

〃 ۱۰۳ ۱ **ایلچیٔ شاہ** - امام حسینؑ کا قاصد۔ مراد حضرت مسلمؑ بن عقیل جو امام حسینؑ کے چچازاد بھائی تھے۔ اور امام حسینؑ کا پیغام کوفے والوں کے پاس لے گئے تھے۔

۵۳ ۱۰۷ ۴ **زمین چڑھے** - تیز دوڑنے کی مشق کئے ہوئے۔ یہ گھوڑوں کی صفت ہے۔

۵۴ ۱۱۰ ۲ **ابن عم** - چچا کا بیٹا۔ چچازاد بھائی۔

〃 ۱۱۱ ۱ **بے فصل** - بے فاصلہ۔ مسلمانوں میں ایک جماعت حضرت علیؑ کو رسولؐ کا چوتھا خلیفہ مانتی ہے اور ایک جماعت خلیفۂ بلافصل یعنی پہلا جانشین سمجھتی ہے۔

〃 ۱۱۱ ۲ **مدینۂ علم نبیؐ کا باب** - نبیؐ کے علم کے شہر کا دروازہ۔ رسولؐ کا قول ہے "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔

〃 ۱۱۲ ۱ **کہف الورےٰ** - انسانوں (مخلوقات) کی جائے پناہ۔

〃 〃 〃 **سراج ہُدیٰ** - رہنمائی کا چراغ۔

〃 〃 〃 **حجتِ خدا** - خدا کا ثبوت یا دلیل۔ یعنی ایسا مخلوق جس سے خالق کے اوصاف کا پتہ لگتا ہے۔

〃 ۱۱۲ ۶ 'پہنچا' اور 'ہاتھ' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

〃 ۱۱۳ ۲ **وہ بے شعور** - مراد عمر ابن سعد (دیکھو بند ۱۰۸ مصرع ۳ صفحہ ۵۳)

〃 ۱۱۴ ۴ روایت ہے کہ ایک جنگ میں حضرت علیؑ کی تلوار سے جبرئیلؑ کے پَر کٹ گئے تھے۔

صفحہ بند مصرع

اس لئے جب حضرت علیؑ کے نواسوں نے میدان جنگ میں اُنھیں تیوروں سے تلوار کھینچی تو فرشتوں کو اپنے پر بچانے کی فکر ہوئی اور وہ نادعلی پڑھ پڑھ کے اپنے پروں پر پھونکنے لگے۔

۵۴ ۱۱۴ ۶ **اک جا ہیں دو تیغے یا ذوالفقار ہے** - ذوالفقار کا پھل دُہرا تھا۔ اس لئے دو تیغے ایک ساتھ دیکھنے سے ذوالفقار کا دھوکا ہوتا تھا۔

۵۵ ۱۱۸ ۱ **تازی** - عربی - مراد عربی گھوڑا۔ صفت بول کر موصوف مُراد لیا ہے۔

〃 〃 **سبک تازی** - تیز دوڑنا۔

〃 ۱۱۹ ۶ **موتی، اور لال**، میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

〃 ۱۱۶ ۳ **مہ نو** - نئے چاند - مراد گھوڑے کے نعل۔

۵۸ ۳۰ ۳-۴ موتی کو حقیر کرنے کے لئے آب نیساں کا منجمد قطرہ کہا ہے اور اسی غرض سے نعل کو پتھر کہا ہے۔

۵۹ ۳۷ ۲۱۱ دمِ سم و نعل اور وہ سینے وہ ترکتاز ... بہ رو ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز

گھوڑے کے سُم کو بدر سے، نعل کو ہلال سے، سینے کو آئینے سے اور ترکتاز کو کبک و شاہباز سے تشبیہ دی ہے۔ آخری تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ گھوڑا اس طرح تیزی سے جھپٹتا ہے جس طرح شاہباز کبک پر۔ ان مصرعوں میں صنعت لف و نشر مرتب ہے۔

۵۹ ۱۳۸ ۳ **سر باندھنا** - شہسواری کی اصطلاح میں گھوڑے کی باگ اس طرح پکڑنا کہ گھوڑا اپنا سر اُٹھائے رہے اور اِدھر اُدھر جنبش نہ کر سکے۔

۶۰ ۱۴۰ ۳ دیکھو حاشیہ صفحہ ۵۴ بند ۱۱۴ مصرع ۶

〃 ۱۴۱ ۲ **قصہ تمام ہونا** - زندگی ختم ہونا۔

〃 〃 ۳ **زہر التیام** - زہر ملا ہوا۔

۶۰ ۱۴۴ ۶ **مصاف**، صفین، صاف میں صنعت شبہ اشتقاق ہے۔

صفحہ بند مصرع

۶۱ ۱۴۶ ۶ **حرامزادے کی رسّی دراز ہے** - یہ مثل اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی بُرا آدمی کسی مہلکے سے بچ جاتا ہے معنی اسکے یہ ہیں کہ بُروں کی عمر بڑی ہوتی ہے -

〃 ۱۴۷ ۴ **ایک سے** - کسی سے بھی -

۶۲ ۱۵۲ ۶ **تلوار جس پہ سَن سے چلی سرد ہوگیا** - شعلہ بار تلوار گویا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تھی کہ جس پر چلی اُسکو ٹھنڈا کر دیا -

۶۳ ۱۵۶ 〃 ۵ و ۵ - یہ ضمیر نہیں اسم اشارہ ہے -

۶۴ ۱۶۱ ۴ جنگ میں عون و محمد کی بہادری اور استقلال دکھایا ہے کہ مرتے دم تک نیچے ہاتھ سے نہیں چھوٹے تھے -

〃 ۱۶۴ ۴ **لٹا کے بچے کو** - ان لفظوں سے واقعے کی سچی تصویر کھنچ جاتی ہے -

۶۵ ۱۶۶ ۶ و ۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب کو حضرت علی اکبر سے کس درجہ محبت تھی -

〃 ۱۶۷ ۶ و ۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب کو اپنے بھائی اور بھتیجے سے انتہا کی محبت تھی -

〃 ۱۶۹ ۳ اس مصرع نے واقعے کی کتنی سچی تصویر کھینچ دی ہے -

۶۸ ۱۸۴ ۴ **شاہ فلک وقار** - مرثیے میں 'شاہ' کا لفظ بالعموم امام حسینؑ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - لیکن یہاں 'شاہ' سے 'شاہ اودھ' مراد ہے -

۶۹ ۱ ۱ **علی کا عَلَم** - وہ فوجی نشان جو کبھی حضرت علیؑ کے ہاتھ میں رہتا تھا -

〃 ۲ ۲ **نخل زمُرّدی** - سبز پھریرے والے علم کو استعارے کے طور پر زمردی درخت کہا ہے - زمرد کا رنگ گہرا سبز ہوتا ہے - 'زمردی' اور 'لال' میں صنعت ایہام تناسب یا ایہام تضاد ہے -

۷۰ ۶ اس بند میں صنعت بیاق الاعداد ہے -

〃 〃 ۴ **ہفتہ دوست** - چند روزہ دوست - بے وفا دوست -

صفحہ بند مصرع

۷۰ ۷ ۲ **صَلِّ علیٰ** - یہ مخفف ہے **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ** کا جسکے معنی ہیں (اے اللہ) محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت نازل کر۔ اِس جملے کو درود کہتے ہیں۔ کوئی اچھی چیز دیکھ کر یا اچھی خوشبو سونگھ کر درود پڑھتے ہیں۔ صَلِّ علیٰ کلمۂ تحسین ہے۔ یا اللہ

۷۰ ۸ ۶ 'حُسینؑ' اور 'حسینؑ' میں صنعت تحنیس محرفہ ہے۔

۷۱ ۱۰ ۳و۴ ان دونوں مصرعوں میں صنعت لف ونشر کی ایک خاص صورت ہے۔ ہر مصرعے میں چھ چھ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ شروع کی تین تین چیزوں میں لف ونشر مرتب اور آخر کی تین تین چیزوں میں لف ونشر معکوس الترتیب ہے۔

۷۱ ۱۱ ۳و۴ ان دونوں مصرعوں میں صنعت لف ونشر مرتب ہے۔ خطا اور ختن کا مشک، اور چین کا آئینہ کسی زمانے میں مشہور تھا۔

〃 〃 ۶ اس مصرع میں 'لڑی' دو جگہ دو معنوں میں آیا ہے۔ اس سے صنعت تحنیس تام پیدا ہوگئی ہے۔

〃 ۱۲ 〃 تلوار یا نیمچے کا قبضہ ایک ڈورے سے میان کے سرے میں باندھ دیا جاتا تھا جب اُسکو میان سے نکالنا ہوتا تھا تو وہ ڈورا کھولا جاتا تھا۔ اس لئے نیمچوں کے ڈورے کُھلے ہوے ہونے سے عون ومحمد کی جنگ پر آمادگی ظاہر ہوتی ہے۔

〃 ۱۳ 〃 شرف کے معنی بلندی، بزرگی، برتری، خوبی وغیرہ ہیں۔ مگر یہاں شاعر نے اس لفظ کو آفتاب کے ساتھ لاکر ایک اور معنی کی طرف بھی ذہن کو منتقل کر دیا ہے۔ کسی سیارے کا اپنے اصلی برج میں آنا بھی شرف کہلاتا ہے۔ چنانچہ برج حمل میں آنا آفتاب کا شرف ہے۔

۷۲ ۱۶ ۳ **غزال رشاک** - اضافت مقلوبی ہے یعنی رشکِ غزال۔ جن پر ہرنوں کو رشک ہو۔

۷۶ ۳۷ ۶ امام حسنؑ امام حسینؑ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کو زہر پلایا گیا تھا جس نے آپ کے کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

〃 ۳۸ ۱ **عقیل کے پوتے** - عقیل حضرت علیؑ کے بھائی تھے۔ اُن کے دو پوتے جعفر بن محمد اور عبداللہ بن مسلم کربلا میں شہید ہوے۔

صفحہ بند مصرع

۷۷ ۴۰ ۶ **ہاں بھائیو**۔ جب کوئی اپنی جماعت کے لوگوں کو خطاب کرتا ہے تو یہ فقرہ استعمال کرتا ہے۔ یہاں اسکا استعمال اور بھی زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ حضرت عباسؑ اپنے بھائیوں سے مخاطب ہیں۔

" ۴۳ ۶۹۵ حضرت علی اکبر صورت میں رسولؐ سے اور حضرت عباس رعب و شجاعت میں حضرت علیؑ سے مشابہ تھے اس لئے شاعر نے انکو نبی و علی کہا ہے۔

" ۴۴ ۱ **نوشاہ**۔ حضرت قاسم ابن حسن جن کا عقد بقول بعض شہادت سے ایک دن قبل امام حسینؑ کی ایک صاحبزادی کے ساتھ ہوا تھا۔

۷۸ ۴۹ ۲ **ہیں کنار گور**۔ اس سے پہلے 'ہم' محذوف ہے۔

۸۰ ۵۵ ۲ **غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار**۔ غصے کی حالت میں تمہیں خیال نہیں رہتا کہ ہم کو تم سے کتنی محبت ہے۔ ہم تم کو لڑنے مرنے کی اجازت کیونکر دے سکتے ہیں۔

۸۰ ۵۶ ۲ **شبیہ پیمبر**۔ امام حسینؑ کے صاحبزادے حضرت علی اکبرؑ جو بقول بعض حضرت محمدؐ سے بہت مشابہ تھے۔

" " ۳ **بانوے بے پر**۔ حضرت علی اکبرؑ کی مادر گرامی کا نام اُم لیلیٰ تھا حضرت شہر بانو آپکی سوتیلی ماں تھیں۔ مگر مرثیوں میں اکثر اُن کو حضرت علی اکبرؑ کی حقیقی والدہ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں حضرت شہر بانو کے لئے لفظ 'بے پر' کا استعمال بظاہر مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن بعض اوقات آیندہ حالت کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے چنانچہ یہاں بھی حضرت شہر بانو کی جو حالت حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد ہوئی اُسکے تصور سے حضرت عباسؑ نے آپکے لئے 'بے پر' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۸۱ ۶۰ ۶ یزید کی کثیر فوج جو آگے بڑھتی چلی آتی تھی اسکو بڑھتے ہوئے دریا سے استعارہ کیا ہے۔

" ۶۴ " ڈھال کی آڑ کو گھونگھٹ کہہ کر شاعر نے یزیدی فوج کے بزدل سپاہیوں کو سورت

صفحہ بند مصرع

بنا دیا یعنی جس طرح عورتیں گھونگھٹ میں مُنہ چھپاتی ہیں اُسی طرح وہ ڈھال میں مُنہ چھپائے ہوے تھے۔

۸۲ ۶۶ ۶ حضرت سکینہ امام حسین کی چھوٹی صاحبزادی تھیں تین برس کا سن تھا اور دو دن کی پیاس۔ مشک اس غرض سے لائی تھیں کہ اپنے چچا سے پانی منگوائیں۔ 'سوکھی مشک' کہہ کر شاعر ذہن کو اس بات کی طرف منتقل کر دیتا ہے کہ امام حسینؑ کے گھر میں کئی دن سے پانی کا ایک قطرہ نہ تھا۔

۸۳ ۷۰ ۶ **بازو** - بھائی سے دل کو جو تقویت رہتی ہے اسکی بنا پر اسے بازو اور قوت بازو کہتے ہیں۔

〃 ۷۲ 〃 یہ حسرت بھری نگاہ امید و بیم کی حالت ظاہر کرتی ہے کہ دیکھئے امام حسینؑ میرے شوہر کو جنگ کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ اس نگاہ میں رحم کی التجا اور اذن جنگ نہ دینے کی درخواست بھی مضمر ہے۔

۸۶ ۸۵ ۴ **ہَلْ مِنْ مُبارِز** - ہے کوئی مقابلہ کرنے والا۔ عرب قدیم میں ایک ایک سپاہی میدان جنگ میں اُترتا تھا اور فوج مخالف سے اپنا مقابل طلب کرتا تھا۔

〃 ۸۶ ۶ **آخر پسر ہوں** ..... الخ۔ یعنی میں اور کچھ نہ سہی حضرت علی کا بیٹا تو ہوں ہی جو شجاعت میں بے نظیر تھے اور جنھوں نے راہ خدا میں ایسا جہاد کیا کہ شیر خدا کہلائے۔ مجھ میں باپ کی شجاعت کا کچھ اثر تو ضرور ہی ہوگا۔

〃 ۸۸ ۲ **خوشی ہونگے** - خوش کے معنی میں خوشی کا استعمال اب متروک ہے۔

〃 ۸۸ ۳ **شاہِ قل کفا** - 'قل کفا' سے قرآن کی یہ آیت مراد ہے "قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ" یعنی اے محمدؐ کفار سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا کی گواہی کافی ہے۔ اس آیت میں حضرت محمدؐ سے خطاب ہے اس لیے شاہ قل کفا سے آنحضرتؐ مراد ہیں۔

صفحہ	بند	مصرع	
۸۷	۹۴	۴	**یہ بخیر** - یہ اَن ہونی بات ہے - ایسا نہیں ہو سکتا۔
۸۸	۹۵	۱	'زین' اور 'زِین' میں تحتیں حرف ہے۔
۸۹	۱۰۳	۶	**کاٹ کے** - تیغ کی مناسبت سے 'کاٹنا' نہایت خوب ہے۔
۹۰	۱۰۵	۶	**دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے** - ہم نے عرب کے فوجی محکمے کے دفتر کے دفتر جن میں سپاہیوں کے نام درج تھے بیکار کر دیے ہیں یعنی جنگ میں پوری پوری فوجیں کاٹ کے ڈال دی ہیں۔
۹۰	۱۰۸	۴	**غضب میں جنابِ امیر آئے** - حضرت عباس کو جوشِ شجاعت و حالتِ غیظ میں جنابِ امیر یعنی حضرت علیؑ قرار دیا ہے۔
۹۱	۱۱۳	۵ و ۶	شانے سے کلائی تک پورے ہاتھ کے لمبائی میں دو حصے کر دیئے۔
〃	۱۱۴	۴	اس بند کے آخری چار مصرعوں میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔
۹۳	۱۲۰	۳	**عاری** - کتابت کی غلطی ہے "**آری**" ہونا چاہیے جس کے معنی ہیں لکڑی کاٹنے کا معمولی اوزار۔
۹۵	۱۳۰	۱	**سیاہ علم** - بنی اُمیہ کے لشکر کے نشان سیاہ رنگ کے ہوتے تھے۔
〃	۱۳۱	۶	**جبرئیل مکے پر کانپتے ہیں** - اشارہ ہے اس روایت کی طرف کہ ایک جنگ میں حضرت علیؑ کے ایک وار سے جبرئیل کے تین پر کٹ گئے تھے۔
〃	۱۳۳	۲	**مورچہ** - مٹی کا ٹیلہ یا دیوار جو فوج مخالف کے حملوں سے بچنے کے لئے بنالی جائے۔ مورچہ کے معنی چھوٹی چیونٹی بھی ہیں۔ اس لئے 'چیونٹی' اور 'مورچہ' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔
۱۰۴	۵	۴	**آل** - اولاد - یہاں آل رسول مراد ہیں۔
〃	۸	۱	**عقیل کی تربت کے چراغ** - عقیل کی اولاد - حضرت عقیل کے پوتے

صفحہ بند مصرع

جعفر ابن محمد اور عبد اللہ ابن مسلم کربلا میں شہید ہوئے تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کئی بیٹوں نے بھی کربلا میں شہادت پائی۔

۱۰۴ ۸ ۲ **جعفر کے لاڈلے** حضرت جعفر طیار کے پوتے عون و محمد جو حضرت زینب کے بیٹے اور امام حسینؑ کے بھانجے تھے۔

۱۰۵ ۱۲ ۱ **ہلتا تھا خیمہ** جس مکان میں بہت شور ہوتا ہے وہ ہلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

۱۰۶ ۱۷ ۲ **اگلنے لگی حسام** تلوار میان سے نکلنی لگی۔

۱۱۰ ۳۵ ۵ **یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے** تمھاری ماں اور پھوپھی کے لئے سب سے زیادہ سخت مرحلہ یہ ہے کہ میری شہادت کے بعد اُن کو قیدیوں کی صورت میں شہر بہ شہر پھرنا ہوگا لیکن تم کو مرنے کی اجازت دینا بھی اُن کے لئے اس مرحلے سے کم نہیں ہے۔

۱۱۳ ۵۴ ۵ **مرنے والے** مرے ہوئے اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۱۴ ۵۶ ۶ **حمائل** کوئی چیز جو گلے میں پہنی جائے۔ ہار، مالا، چھوٹی تقطیع کا قرآن جو اکثر گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہیں حضرت علی اکبر جو بچپن میں ہر وقت حضرت زینب کے گلے کا ہار رہتے تھے اصل کے اعتبار سے اس لفظ میں 'ح' پر زبر ہونا چاہیے مگر اردو میں اسکا تلفظ بالعموم زیر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۱۱۷ ۷۱ ۴ **آتما کی آنچ** محبت مادری کا جوش۔

〃 〃 ۵ **کچھ تم کو خبر ہے** تمہارا دھیان کدھر ہے؟ تم حواس میں ہو؟ یہ فقرہ عورتوں کی زبان سے مخصوص ہے۔

۱۲۰ ۸۷ ۶ **صلوا علی النبی** نبی (حضرت محمد) پر درود بھیجو حضرت علی اکبر نبی عربی سے صورت میں اس قدر مشابہ تھے کہ لوگ اُن کو نبی سمجھ رہے تھے یا اُنکو دیکھ کر نبیؐ یاد آرہے تھے۔

صفحہ بند مصرع

۱۲۱ ۹۳ ۵ 'طَورا' و 'طُور' میں تجنیس محرف ہے۔

" ۹۴ ۴ **روحنا فداک** ۔ ہماری روح تم پر نثار۔

۱۲۳ ۱۰۴ ۶ **صغیر و کبیر** ۔ چھوٹا بڑا۔ جوشن صغیر اور جوشن کبیر دو دعائیں بھی ہیں۔ (دیکھو فرہنگ جوشنین)

۱۲۶ ۱۱۹ ۶ **زخم کا کوچہ** ۔ زخم کا شگاف یا منہ۔

۱۲۷ ۱۲۰ ۶ **مغز قلم** ۔ کلک کے قلم کے ریشے جو بہت نازک ہوتے ہیں اور نہایت آسانی سے کٹ سکتے ہیں۔

" ۱۲۱ ۵ **حوالہ** ۔ یہاں بول چال کے خلاف نظم ہوا ہے 'حوالے' ہونا چاہیئے تھا۔

" ۱۲۲ ۴ **چار کی گھائی** ۔ شمشیر بازی کی ایک مشق جس میں چار معین مقامات پر ضرب لگائی جاتی ہے۔

" " ۵ **گیو** ۔ ایران قدیم کا ایک نامی پہلوان۔

" ۱۲۳ ۴ **بخارِ تیغ** ۔ یہاں بخار سے گرمی۔ دشمنی یا غصہ مراد ہے۔

۱۲۸ ۱۲۵ ۴ **کمانوں کے بازو** ۔ کمان کے بیچ کا حصہ چھوڑ کر دونوں طرف کے باقی حصے اُس کے بازو ہیں۔

" ۱۲۷ ۳ اِس مصرعے میں تین لفظ ایسے ہیں جو کاف میم سے شروع ہوتے ہیں اور جن میں نون بھی کسی نہ کسی جگہ موجود ہے۔ اس التزام سے کلام میں ایک خاص صنعت پیدا ہو گئی ہے۔

" ۱۲۹ ۲ **اس گھاٹ پر جو آئے سر اُن کے اُتر گئے** ۔ گھاٹ دریا کا بھی ہوتا ہے اور تلوار کا بھی۔ (دیکھو فرہنگ) سر اُترنا کے معنی ہیں سر کٹنا لیکن 'اترنا' دریا کو عبور کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ 'گھاٹ' اور 'اُتر گئے' سے کلام میں ایہام پیدا ہو گیا ہے۔

صفحہ بند مصرع

۱۲۹ ۱۳۱ ۶ **سو فارد و چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر** ۔ گھوڑے کے کان اتنے چھوٹے اور ایسے سیدھے کھڑے ہوئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تیر پر دو سوفار چڑھا دیئے گئے ہیں۔

" ۱۳۲ ۱ **کوتاہ و گرد و صاف کنوتی تم کمر کفل** ۔ پہلے تین صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ پھر ترتیب وار ہر صفت کا موصوف لایا گیا ہے یعنی کوتاہ کنوتی ۔ گرد کمر صاف کفل ۔ گرد، کے معنی گول ۔ اور کفل کے معنی پٹھا۔

۱۳۱ ۱۴۰ ۱ و ۲ اسی مفہوم کو انیس نے ایک دوسری بیت میں یوں ادا کیا ہے ۔ ؎

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اُن خبا کے جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

اس تشبیہ کے ذریعے سے انیس نے ایک بیکسی اور بیچارگی کی حالت میں عظمت اور شان پیدا کر دی ہے۔

۱۳۲ ۱۴۵ ۲ **سیّد** ۔ سردار ۔ مراد امام حسینؑ ۔

۱۳۳ ۱۵۱ ۲ **نور چشم** ۔ آنکھوں کا نور ۔ مجازاً بیٹا ۔ یہاں دونوں معنی مراد ہیں ۔ یہ صنعت ادماج کی ایک مثال ہے۔

۱۳۸ ۱ ۴ **حسین** ۔ اس لفظ کا استعمال یہاں مناسب نہیں معلوم ہوتا ۔ اسکو حسینؑ کے ساتھ لانے سے تخنیس تو پیدا ہو گئی ہے مگر انیس صرف صنعت پیدا کرنے کے لیے کلام میں کوئی عیب گوارا نہیں کرتے ۔ عجب نہیں کہ یہ کتابت کی غلطی ہو اور انیس نے اس جگہ "حزیں" نظم کیا ہو۔

۱۳۹ ۶ ۲ **'اب رو' اور 'ابرو'** ۔ یہ تخنیس مرکب ہے۔

" ۹ ۳ **رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام** ۔ اس مصرع کے درمیان میں تین لفظ ہم قافیہ آئے ہیں ۔ زرد ۔ درد ۔ سرد ۔ اس سے صنعت تضمین المزدوج پیدا ہو گئی ہے۔

صفحہ بند مصرع

۱۴۰ ۱۴ ۳ حق زہرا سند کرو۔ عقیدہ ہے کہ پیغمبر عرب حضرت محمدؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا عقد خداوند عالم کی تجویز سے حضرت علی کے ساتھ ہوا اور خدا نے زمین کے کل دریا، نہریں اور چشمے ان کے مہر میں دیئے۔

〃 〃 ۶ دیکھو حاشیۂ بالا۔

۱۴۱ ۱۶ ۲ سِرّ و عَلَن - پوشیدہ اور ظاہر۔ خفیہ اور علانیہ۔

〃 ۱۶-۱۸ ان تین بندوں میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ رسولؐ کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت علیؑ کے گھر پر چڑھائی کر دی۔ دروازہ بند تھا اُس کو گرا دیا۔ حضرت فاطمہؑ دروازے کے قریب کھڑی ہوئی تھیں۔ آپ کے شدید چوٹ آئی۔ اس کے بعد دشمن گھر میں گھس گئے اور حضرت علیؑ کی گردن میں رسّی ڈال کر آپ کو کھینچتے ہوئے لے چلے۔ گو آپ مسلح فوجوں کا تن تنہا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن اُس وقت آپ نے بڑے صبر سے کام لیا اور مصلحتاً دشمنوں سے مقابلہ نہ کیا۔

〃 ۱۹ ۱ قبلۂ دوم - دوسرے محترم بزرگ۔ رسولؐ کے دوسرے جانشین۔ دوسرے امام یعنی امام حسنؑ۔

〃 ۱۹ ۲ نہ اَبْ نہ اُم - نہ باپ نہ ماں۔ 'اب' اور 'ام' عربی لفظ ہیں۔

〃 〃 ۶ فرزند فاطمہؑ کے جنازے پہ تیر تھے - امام حسنؑ کے جنازے پر دشمنوں نے تیر مارے تھے۔ رسول

۱۴۳ ۲۶ ۴ احمد کا یادگار - پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کا ایک نام احمدؐ بھی ہے۔ اُنکے یادگار سے امام حسین مراد ہیں۔

〃 ۲۷ ۱ عمّو تمہارے - تمہارے چچا یعنی حضرت عباسؑ

صفحہ بند مصرع

۱۴۴ ۳۳ ۱ **بُندے اُتارو** - جو لوگ واقعات کربلا کے تفصیلات سے واقف ہیں اُنکے لئے یہ لفظ بڑے پر درد ہیں - اُن کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب دشمن اُن کے خیموں کو لوٹ رہے اور ان میں آگ لگا رہے تھے تو شمر نے حضرت سکینہ کے بندے اس بیدردی سے کھینچ لئے کہ کانوں کی لویں پھٹ گئیں -

" ۳۳ ۳ **اَین اَبی** - میرا باپ کہاں ہے - عربی جملہ ہے -

" ۴۴ ۶ **بستی اُجڑنا** - مراد اولاد کا مرنا -

" " ۶ **تخت اُلٹنا** - سلطنت جاتی رہنا - مراد شوہر کا مرنا - بیوہ ہونا -

۱۴۷ ۴۹ ۴ **زہرا کا ماہ** - مراد امام حسینؑ -

۱۴۸ ۵۰ ۵ **پھرتا تھا سر پہ چتر** - جب بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تو ایک خادم اُسکے سر پر چتر لگائے رہتا تھا - کبھی کبھی چتر گردش بھی دی جاتی تھی -

" " ۶ **سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے** - ایک آفتاب اصلی جو آسمان پر ہے - دوسرا آفتاب امام حسین کا نورانی چہرہ - ان دو آفتابوں کے بیچ میں چتر کا سایہ تھا -

" ۵۲ ۶ **دھوپ چھاؤں** - اس کے دو معنی ہیں ایک روشنی اور سایہ، دوسرے ایک مشہور ریشمی کپڑا جو دو رنگ کے تاروں سے بُنا جاتا ہے -

" ۵۳ ۲ **جلتا ہے** - رشک یا حسد کرتا ہے -

" " ۵-۶ اسپند یا کالا دانہ دفع نظر بد کے لیے کسی پر سے اُتار کر آگ میں ڈالا جاتا ہے - اس بیت کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے قدموں کے نشان اس قدر روشن تھے کہ تارے اُن کے مقابلے میں کالا دانہ معلوم ہوتے تھے جو اُن پر سے اُتار کر آسمان کی انگیٹھی میں ڈال دیئے گئے تھے -

صفحہ بند مصرع

۱۴۸ ۵۴ ۶ ایک خیال ہے کہ گھوڑے ہوائی مخلوق یعنی جن، پری وغیرہ کو دیکھ سکتے ہیں اور اُن کو دیکھ کر بھڑکتے ہیں۔ یہ مصرع اسی خیال پر مبنی ہے۔ امام حسین کا گھوڑا اتنا خوبصورت اور ایسا خوش رفتار تھا کہ دوسرے گھوڑے جو پریوں کو دیکھ چکے تھے اُن کو یقین ہو گیا کہ ایک پری چلی آتی ہے اور وہ بھڑکنے لگے۔

۱۴۹ ۵۵ ۱ **اسپِ قمر رکاب** - ایسا گھوڑا جس کی رکابیں چاند تھیں۔ یعنی چاند کی طرح چمکتی ہوئی تھیں۔

۱۴۹ ۵۵ ۶ **زیں پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر** یعنی زین آفتاب کی طرح چمک رہا تھا اس پر گرد پوش جو پڑا ہوا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب پر ابر آگیا ہے۔

〃 ۵۷ ۱ **ضیغم شکار** - شیر کو شکار کرنے والا۔

۱۵۰ ۶۰ یہ بند آنیس کے رنگ کے خلاف ہے۔

〃 〃 ۳ **صاحب لاسیف و لافتا** - اس سے بالعموم حضرت علیؑ مراد ہوتے ہیں مگر چونکہ امام حسین میں حضرت علیؑ کی بہادری بھی تھی اور اس وقت اُنکے ہاتھ میں ذوالفقار بھی تھی۔ اِس لیئے شاعر نے اس فقرے سے یہاں امام حسین کی ذات مراد لی ہے۔ (دیکھو فرہنگ شاہ لافتا۔)

〃 ۶۱ ۱و۵ 'زہرا کا یادگار' اور 'ابن علی' ان دونوں فقروں سے مراد امام حسین ہیں۔

〃 ۶۳ ۶ **اٹھارہ داغ** - ایک خیال ہے کہ جب کسی کی اولاد یا کوئی عزیز ترین رشتہ دار جس سے مثل اولاد کے محبت ہو مر جاتا ہے تو اُسکے دل پر ایک داغ پڑ جاتا ہے امام حسین کے بھائی، بیٹے، بھتیجے، بھانجے جو کربلا میں شہید ہوئے اُنکی تعداد اٹھارہ تھی۔

۱۵۰ ۶۴ ۵ **شہ تشنہ کام** - پیاسا بادشاہ۔ مراد امام حسین۔

۱۵۱ ۶۹ ۴ **بیتُ الشرف** - بزرگی کا گھر۔ مراد امام حسین کا خیمہ۔

صفحہ بند مصرع

۱۵۲ ۷۰ ۱ **شہ جن و بشر** - جنوں اور انسانوں کا بادشاہ - مراد امام حسین -

〃 ۷۳ ۱ **سیّدِ والا** - بلند مرتبہ سردار - مراد امام حسین -

〃 〃 ۲ **برق و شرق** - 'برق' کے معنی تارے کا نکلنا - 'شرق' کے معنی سورج کا نکلنا - ان لفظوں کے معنی چمکنا اور دمکنا بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں -

〃 ۷۳ ۴ **مصحفِ زہرا** - رسولؐ کی وفات کے بعد اُن کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس ملائک اللہ کے (فرشتے جو خدائی) احکام لاتے تھے اُن کا مجموعہ یہاں مراد ہیں امام حسینؑ -

۱۵۳ ۷۶ ۱ **خیرالوریٰ کا لال** - مراد امام حسین - (دیکھو فرہنگ 'خیرالوریٰ')

〃 ۷۹ ۴ **قطب دائرہ دیں** - وہ دُھرا جسکے گرد دین کا حلقہ گھومتا ہے یعنی وہ ذات جس پر دین کا دارومدار ہے - پہیے کا دُھرا اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے قطب ایک ستارہ بھی ہے جسکے گرد اور ستارے گردش کرتے ہیں - مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا -

〃 〃 ۶ **شاہِ اُمم** - اُمتوں یعنی قوموں اور قبیلوں کا بادشاہ - مراد امام حسین -

۱۵۴ ۸۲ ۶ **اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ** - اِس کے بعد اِلَّا اللہ محذوف ہے - اِس عربی جملے کے معنی ہیں "گواہی دیتا ہوں میں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے" یہ جملہ اذان میں دو مرتبہ کہا جاتا ہے -

۱۵۵ ۸۵ ۲ قرآن کی ایک آیت ہے جسکے معنی ہیں "اے رسول اپنی اُمّت سے کہو کہ میں تم سے اپنی رسالت کی کوئی اجرت نہیں چاہتا سوا اسکے کہ تم میرے عزیزوں سے محبت رکھو" اس آیت کی رو سے آلِ رسول سے محبت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے -

۱۵۶ ۹۱ ۶ فولاد اور پتھر سے سخت دل بے رحم لوگ مراد ہیں -

۱۵۷ ۹۷ ۳ **شہ دیں پناہ** - وہ بادشاہ جسکی سرکار میں دین پناہ لے - مراد امام حسینؑ -

〃 ۹۸ ۵ **شہ بحر و بر** - سمندر اور زمین کا بادشاہ - مراد امام حسینؑ -

صفحہ	بند	مصرع	
۱۵۸	۱۰۱	۶	**تین بجلیاں** - تلوار، اُسکی چمک اور اُسکا سایہ۔ (دیکھو اس بند کا چوتھا مصرع)
״	۱۰۲	۶	**دَم آراستہ کریں** - دَم لیں۔ سانس ٹھیک کریں۔
״	۱۰۴	۳	'زرہ' اور 'کڑی' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔
۱۵۹	۱۰۶	۲	**چمکی اُحد میں خندق و خیبر میں بدر میں** - اس مصرع میں اُن مقامات میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے جہاں حضرت علیؑ نے جہاد کیا۔
״	۱۰۷	۴	اس مصرعے میں 'وہ' ضمیر نہیں بلکہ اسم اشارہ ہے۔
״	۱۱۲	۴	**تیر ہَوائی** - وہ تیر جو بغیر نشانہ باندھے ہوئے چھوڑا جائے۔ ایک طرح کی آتشبازی جسکو صرف 'ہوائی' بھی کہتے ہیں۔
۱۶۳	۱۲۶	۶	**لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوئے تھے سب** - سب ذوالفقار کی خوبیوں کے قائل تھے۔
״	۱۲۹	۱-۵	اس بند میں ۲۹ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان چیزوں کو انیس نے جس خوبی سے ترتیب دیا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔
۱۶۴	۱۳۰	۲	**بازو** - بھائی کو بازو اور قوت بازو بھی کہتے ہیں۔
۱۶۵	۱۳۵	۳	**زہرا کی دونوں بیٹیاں** - حضرت زینبؑ اور اُمّ کلثومؑ۔
״	۱۳۹	۳	**سعی** - چلنا۔ کوشش۔ یہاں یہ دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں۔
۱۶۷	۱۴۶	۴	**ہاتھ باندھ کر التماس کرنا** - نہایت عاجزی سے کچھ کہنا۔
״	۱۴۹	۳	**ضیغم آلہ** - اللہ کا شیر - مراد حضرت علی۔
۱۶۸	۱۵۰	۲	**مَولا علی** - 'مولا' یا 'مولیٰ' کے معنی ہیں آقا۔ مالک پیشوایانِ دین کو اکثر اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں لیکن یہاں یہ لفظ خطاب کے لئے نہیں آیا ہے۔ بلکہ 'علی' کی صفت واقع ہوا ہے۔

صفحہ بند مصرع

۱۶۸ ۳ ۱۵ د **دنیا ہو اور فاطمہ کا نور عین ہو** - یعنی دنیا میں اگر کوئی ذات قابل قدر ہے تو وہ صرف امام حسین کی ذات ہے - اس جملے سے امام حسین کے ساتھ انتہائی عقیدت اور محبت ظاہر ہوتی ہے -

۱۶۹ ۱۵۷ ۳ **ہمدرد** - ایک طرح کا درد رکھنے والا - چوتھا اور پانچواں مصرع اس لفظ کی شرح کرتا ہے -

۱۷۰ ۱۶۱ ۳ و ۴ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ سفر میں تھے کہ ایک سائل نے آپ سے روٹی مانگی - آپ نے اپنے غلام قنبر سے کہا کہ اسکو روٹی دے دو - قنبر نے عرض کیا روٹی دسترخوان میں ہے حکم دیا مع دسترخوان دے دو - قنبر نے عرض کیا دسترخوان اونٹ پر ہے - فرمایا اونٹ سمیت دے دو - قنبر نے پھر عرض کیا اونٹ قطار میں ہے - فرمایا مع قطار دے دو - قنبر نے ساری قطار سائل کے حوالے کر دی - ان دو مصرعوں میں اسی روایت کی طرف اشارہ ہے -

" ۱۶۳ ۴ **بھائی علی کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے** - اس جملے میں یہ اشارہ ہے کہ میں حضرت علی کا بیٹا وارث اور جانشین ہوں -

۱۷۱ ۱۶۵ ۶ وہ مسافر حضرت علی کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا چاہتا تھا مگر امام حسین نے خود حضرت علی کی زیارت کی دعا دی - چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی - دیکھو بند ۱۸۴ -

" ۱۶۸ ۶ عقیدہ ہے کہ جب کوئی مومن مرتا ہے تو حضرت علی اسکی قبر میں تشریف لاتے ہیں -

۱۷۲ ۱۷۰ ۱ **ہاں ہاں** - کسی کام سے کسی کو روکنے کے لئے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے -

۱۷۳ ۱۷۵ ۴ **شہنشاہ مشرقین** - مشرق و مغرب کا یعنی ساری دنیا کا بادشاہ مراد حضرت محمدؐ

" " ۶ **غلام زادی** - غلام کی بیٹی - خود کو امام حسین کا غلام قرار دیا ہے -

۱۷۴ ۱۸۰ ۳ 'نیسر' اور 'بیسر' میں تجنیس محرف ہے -

صفحہ بند مصرع

۱۸۱ ۲ بدرُالدُّجیٰ - اندھیرے کا چاند۔

" " " شمسُ الضُّحیٰ - دوپہر کا آفتاب۔

" ۱۸۴ ۶ مشتاق جن کا تھا انھیں دیکھا غلام نے - دیکھو صفحہ ۱۰۱ بند ۱۶ مصرع ۶

۱۸۶ ۲ قلم - عقیدہ ہے کہ عرش پر ایک لوح یعنی تختی ہے اور ایک قلم ہے جو اس لوح پر خدائی احکام اور شدنی واقعات لکھتا رہتا ہے۔ یہاں قلم سے یہی قلم قدرت مُراد ہے۔ حسنؔ

" " ۳ جنتُ النعیم - آٹھ بہشتوں میں سے ایک کا نام۔

" ۱۸۷ ۱ سیّدُ العرب - عرب کا سردار - مراد حضرت محمدؐ۔

" ۱۸۸ ۴ پڑھیے کوئی دُعا - دم نکلنے میں انسان کو بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ بعض دعائیں پڑھنے سے یہ تکلیف کم ہو جاتی ہے۔

۱۷۶ ۱ ۱ یہ مرثیہ میر انیس نے اپنے صاحبزادے میر عسکری رئیس کو کہہ دیا تھا۔ مگر اس بائے کا مرثیہ رئیس کے مُنہ پر کیا پھبتا۔ آخر حقیقت حال ظاہر ہو گئی۔ کچھ دن بعد میر انیس نے یہ مرثیہ خود اپنے نام سے پڑھا اور اس لئے تیسرے بند کے چوتھے مصرعے اور آٹھویں بند کے پہلے مصرعے میں ضروری ترمیم کر دی۔ مگر پہلے بند کی بیت جو ہر شخص کی زبان پر چڑھ گئی تھی اصل حالت میں رہنے دی۔ حالانکہ اس کے دوسرے مصرعے میں بھی ترمیم ضروری تھی۔

" " " نمک خوانِ تکلم - گفتگو کے دسترخوان کا نمک یعنی وہ چیز جس سے کلام میں مزہ پیدا ہوتا ہے۔

" " ۵ عمر گزری ہے - بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں "عمریں گزری ہیں" ہونا چاہیئے۔ مگر کسی نسخے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

صفحہ بند مصرع

۱۷۶ ۱ ۶ **پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں** - یہ مرثیہ میر انیس نے اپنے بیٹے میر عسکری رئیس کو کہہ دیا تھا اور یہ مصرع انھیں کی زبان سے ہے - پانچ پشتیں یہ ہیں - رئیس - انیس - خلیق - حسن - ضاحک -

" ۳ ۲ **جدِ اعلیٰ** - پردادا یا اس سے پہلے کی پشت کا کوئی بزرگ - یہاں میر حسن مراد ہیں -

" " ۴ **عم ذی قدر** - رئیس کے دونوں چچا میر مونس، اور میر اُنس بلند پایہ مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے -

۴ ۳ **نثر بے سجع نہیں** - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انیس کے زمانے میں مسجع یعنی مقفیٰ نثر بہت اچھی سمجھی جاتی تھی اور انیس اور اُنکے بزرگ اسی طرح کی نثر لکھا کرتے تھے -

۱۰ ۵ ۴ **متبع مرثیہ گوئی میں ہوے جسکے سب** - یہ مصرع بعض نسخوں میں یوں ہے -

ع " مرثیہ گوئی میں جسکے متبع ہوے سب "

" ۶ ۱ **بھائی خوش فکرت و** - ان الفاظ کی جگہ بعض نسخوں میں یہ الفاظ ملتے ہیں " اُخوی سید " - اور بعض میں " بھائی وہ مونس " -

" " ۲ **ہنر و علم** - اس کی جگہ بعض نسخوں میں " گہر علم " ہے -

" " ۶ **حضرت** - مراد امام حسین -

۱۷۸ ۱۰ ۲ **شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ** - یعنی تصویر میں شمع ایسی بنی کہ پتنگے اسکو اصلی شمع سمجھ کے اس پر گرنے لگیں -

۱۸۱ ۲۵ ۳ **عرش معلّی پہ نماز** - نماز پڑھتے وقت وہ دنیاداری سے اس قدر بلند ہو جاتے تھے اور ان میں اتنی روحانی رفعت آجاتی تھی کہ گویا وہ عرش پر پہنچ جاتے تھے - رسول کی ایک حدیث ہے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ

" ۲۸ " **چھاتی پر سانپ لہرانا** - حسد کرنا - جلنا - اصل میں محاورہ " چھاتی پر سانپ لوٹنا "

صفحہ بند مصرع

۱۸۱ ۲۸ ۶ **سورۂ نصر** - قرآن کا ایک سورہ جو فتح مکہ کے وقت نازل ہوا تھا۔ یہاں علَم کو نشان فتح ہونے کی بنا پر سورۂ نصر کہا ہے۔

۱۸۲ ۳۰ ۴ **جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی** - تین دن کی پیاس میں دریائے فرات سے نکل آنے کے لیے مشکل سے مشکل کام کر ڈالنے سے بھی زیادہ ہمت درکار ہے۔

" ۳۳ ۳ **یوسفِ کنعانِ حسنؑ** - اس سے مراد ہیں امام حسنؑ کے حسین و جمیل صاحبزادے حضرت قاسمؑ۔

" " ۷ **شہانی پوشاک** - شادی کے کپڑے جو بالعموم سُرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔

۱۸۳ ۳۶ ۳ 'پھول' اور 'پھل' میں صنعت ایہام مناسب ہے۔

۱۸۴ ۴۳ ۱ **اُڑانا** - یہ لفظ جب گھوڑے کے ساتھ آتا ہے تو بہت تیز دوڑانے کے معنی دیتا ہے۔

۱۸۵ ۶۶ ۶ اشارہ ہے اس واقعے کی طرف کہ حضرت علیؑ نے حضرت محمدؐ کے کاندھے پر کھڑے ہو کر کعبے کے بُت گرائے تھے۔

" ۶۷ ۱ **عرش سے بھیجی شمشیر** - حضرت علی کی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا اس کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ آسمان سے اُتری تھی۔

" ۶۹ ۲ **حُجّتُ اللہ** - (خدا) کا ثبوت - مراد حضرت علی۔

" " ۵ **صِفّین و حُنین** - ان دونوں مقاموں میں حضرت علی نے بڑے معرکے کا جہاد کیا تھا۔

۱۹۰ ۷۴ ۴ **غضبِ اللہ علیہم** - اُن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ یہ سورۂ فتح پارہ ۲۶ کی ایک آیت کا جزو ہے۔ یہاں 'اُن' کا اشارہ منافقوں اور مشرکوں کی طرف ہے۔

۱۹۲ ۸۴ ۶ **سر پہ یا دھوپ تھی یا چھانوں تھی تلواروں کی** - دھوپ کی تکلیف اگر دُور ہوتی تھی تو تلواروں کی چھانوں سے جو دھوپ سے کہیں زیادہ روح فرسا تھی۔

۱۹۳ ۸۷ ۴ **روحِ امین** - امانت دار فرشتہ (ملک) - مراد جبریل۔

صفحہ	بند	مصرع	
۱۹۴	۹۰	۴	لوحِ محفوظ - عرش پر ایک تختی ہے جس پر ایک قلم خدائی احکام اور شدنی واقعات لکھ دیا کرتا ہے۔
״	״	۶	یہ مصرع اس روایت پر مبنی ہے کہ امام حسین نے بچپن میں اپنے نانا حضرت محمدؐ کی رسالت کی تکمیل کے لئے اپنی شہادت منظور کی تھی۔
״	۹۲	۶	امام حسینؑ نے خدا کی راہ پر جنگ کی تھی - یزیدی فوج کو شکست دینا اُنکا مقصد تھا۔
۱۹۶	۱۰۰	۶	پانوں قرآں پہ رکھا - امام حسینؑ کے سینے کو قرآن سے استعارہ کیا ہے۔
۱۹۷	۱	۱	یہ مصرع اس قدیم نظریے پر مبنی ہے کہ آفتاب زمین کے گرد گھومتا ہے۔
۱۹۰	۶	۱	سبا - انجمن محفل - اصل میں یہ ہندی لفظ سبھا ہے - سبا ایک ملک کا نام بھی ہے جہاں کی ملکہ بلقیس پر حضرت سلیمان عاشق ہو گئے تھے - یہاں اس لفظ میں صنعت ایہام ہے۔
״	۷	۶	لبوں کے پستے - اضافت تشبیہی ہے - خوبلب مراد ہیں۔
״	۸	۲	پیرہنِ یوسفی - حضرت یوسف کا کُرتا جس کی خوشبو سے حضرت یعقوب کی آنکھوں میں روشنی آگئی تھی۔
۱۹۹	۱۰	۶	غنچہ - جُھرمٹ
״	۱۱	۲	آرنی گوے اوجِ طور - کوہ طور کی بلندی پر ارنی، کہنے والا یعنی حضرت موسیٰ جو طور پر جاکر "رب ارنی" کہا کرتے تھے۔
״	״	۵	وادیِ مینو اساس - ایسی وادی جس کی اصل بہشت سے ہو - یعنی بہشت کا ٹکڑا معلوم ہوتی ہو۔
״	۱۴	۲	دُراج - کبک، تیہو، طاؤس - یہ سب مختلف قسم کی چڑیاں ہیں - اُردو میں ان کو تیتر، چکور، مُرغ اور مور کہتے ہیں۔

صفحہ	بند	مصرع	
۲۰۰	۱۶	۲	**حق سِرُّہٗ** - اُس کا راز حق ہے - قمری کی آواز -
〃	〃	۳	**سُبْحَانَ رَبِّنَا** - کیا اچھا ہے ہمارا رَبّ - رَبّ کے معنی ہیں پالنے والا -
〃	۱۸	۵ و ۶	**لُٹ گیا** - بعض نسخوں میں 'کٹ گیا' ہے -
۲۰۱	۲۱	۲	**آسمان دہم** - دسواں آسمان - آسمان اصل میں سات ہیں - اُن کے اوپر کرسی اور اُس کے اوپر عرش ہے جسکا مرتبہ سب سے بلند ہے - لیکن امام حسین کے خیمے کا مرتبہ اُس سے بھی زیادہ بلند ہے - اس لئے ساتواں آسمان اس کو عرش سے بھی بالاتر ایک اور آسمان سمجھتا ہے -
۲۰۱	۲۱	۵	**شمسۂ کیواں جناب** - شمسہ = کلس - کیواں = ستارۂ زحل جو ساتویں آسمان پر ہے - جناب = چوکھٹ - 'شمسۂ کیواں جناب' کے معنی ہوئے اتنا اونچا کلس جسکی چوکھٹ یعنی نیچے کا سرا ستارۂ زحل کے برابر بلند ہے -
۲۰۱	۲۱	۶	**گُل آفتاب** - اضافت تشبیہی ہے - مراد خود آفتاب -
〃	۲۲	۱	**خطِ ابیض** - سفید لکیر - یہ صبح صادق کی علامت ہے جو نماز صبح کا وقت ہے -
۲۰۲	۲۵	۲	**جَدّ** - دادا حضرت علی اکبر کے دادا حضرت علی خوش بیانی اور طلاقت لسانی میں بے نظیر تھے
〃	〃	۵	**شُعبے** - شاخیں - صدا کے شعبوں سے مختلف سُر مراد ہیں -
〃	〃	〃	**پنکھڑیاں جیسے پھول میں** - اس تشبیہ میں بڑی ندرت ہے - مختلف سُروں میں ایسا دل آویز تناسب تھا جیسا پھول کی پنکھڑیوں میں ہوتا ہے اور اُن سُروں کے مجموعے میں وہ دلکشی تھی جو ایک پھول میں ہوتی ہے - حضرت علی اکبر کی اذان کو سُن کر کانوں کو وہ لذت ملتی تھی جو آنکھوں کو پھول کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے - صلی اللہ
〃	۲۷	۱	**قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ** - (نماز) قائم ہوئی ہے (نماز) سے پہلے بہت بلند آواز سے

صفحہ بند مصرع

اذان دی جاتی ہے جسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ اذان کے مختلف فقروں میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا ہے۔ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ"، جسکے معنی ہیں نماز کے لئے آؤ۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں تو اقامت کہی جاتی ہے جسکا مقصد یہ اعلان ہوتا ہے کہ اب نماز شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اقامت کے مختلف فقروں میں ایک قد قامت الصلوٰۃ بھی ہے

۲۰۳، ۲۸ ۴ 'ادا' اور 'نماز' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

۲۰۳ ۳۰ ۴ و ۵ 'امام' 'ادا' 'تسبیح' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

" " ۵ و ۶ کربلا کی مٹی جس کو خاک شفا کہتے ہیں اسکی تسبیحیں بنائی جاتی ہیں اور تسبیحوں پر درود وغیرہ پڑھا جاتا ہے۔

۲۰۴ ۳۹ ۶ یعنی تیروں کی بارش کی وجہ سے بچے باہر نہیں نکل سکتے۔

۲۰۶ ۴۲ ۶ 'برکات' جمع ہے 'برکت' کی۔ مگر یہاں واحد کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔

۲۰۸ ۵۶ ۱ انیس کو ظاہری حرکات سے دلی خیالات ظاہر کرنے میں بڑا کمال تھا۔ یہ مصرع ان کے اس کمال کا ثبوت ہے۔

" ۵۸ ۶ اس مصرع میں 'انھیں' کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے پہلی مرتبہ اس سے مراد ہیں جعفر طیار جن کا ذکر اس بند کے دوسرے مصرع میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ اس لفظ سے اشارہ ہے حضرت علیؑ کی طرف جن کا ذکر بند کے چوتھے مصرع میں ہے۔

۲۰۸ ۵۸ ۲ ہمارے جد۔ یعنی جعفر طیار۔

۲۱۱ ۷۰ ۵ جنابِ امیر۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام۔

" ۷۲ ۳ **قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام**۔ خدا کے کلام کے بعد سب سے بڑا مرتبہ امام وقت کے کلام کا ہے اور حضرت حسینؑ اپنے وقت کے امام تھے۔

صفحہ	بند	مصرع	
۲۱۱	۷۳	۶	**ایک** - بے نظیر - جس کا سا کوئی دوسرا نہیں -
۲۱۳	۸۱	۳	**اُمّ البنین** - حضرت عباس کی مادر گرامی -
〃	〃	۶	**تاروں کی چھاؤں میں** - پچھلی رات کو - صبح سے کچھ پہلے - دلھنیں سسرال میں پہلے پہل اکثر اسی وقت آتی ہیں -
〃	۸۲	〃	"علی کے نشان" سے حضرت عباس مراد ہیں جو حضرت علیؑ کے صاحبزادے اور بہادری و سپاہ گری میں اپنے پدر بزرگوار کے یادگار تھے - 'شان' اور 'نشان' میں تخنیس زائد ہے -
۲۱۵	۹۲	۴	علم کے چمکتے ہوئے پنجے پر جب آفتاب کی شعاعیں پڑتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دولھا کے چہرے پر سونے کا سہرا -
〃	۹۴	۱	**سَہی قد** - سیدھے قد والے - خوش قامت -
〃	〃	〃	**سمن عذار** - پھول سے رخسار والے -
۲۱۶	۹۵	۶	**اب تک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے** - حضرت علی اکبرؑ صورت میں حضرت محمدؐ سے مشابہ تھے اور حضرت عباسؑ شان و شوکت میں حضرت علیؑ سے - اس لئے ان دونوں کا ساتھ گویا نبیؐ و علیؑ کا ساتھ تھا -
۲۱۷	۱۰۲	۶	**تیغوں کی موجوں کو پیر کے** - اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں تلواریں اس کثرت سے چل رہی تھیں کہ تلواروں کا ایک دریا لہریں لیتا ہوا معلوم ہوتا تھا - اس لئے حضرت عباسؑ کا ان میں سے گزر کر دریائے فرات تک پہنچنا گویا تلواروں کے دریا کو پیر کر پار اترنا تھا - بیان کی یہ ندرت قابل صد آفریں ہے -
〃	۱۰۳	۲	**امیر عرب** - عرب کا سردار - مراد حضرت علی -

صفحہ بند مصرع

۲۱۷ ۱۰۴ ۵ **رن چڑھے**۔ جنگ کا تجربہ رکھنے والے لڑائیاں لڑے ہوئے۔

۲۱۸ ۱۰۵ ۵ **ڈھالوں کا دَور برچھیوں کا اوج ہوگیا**۔ اس مصرع میں 'دَور' اور 'اوج' دونوں لفظ مجازی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اور ممنوع ہونے کی وجہ سے ایک کی جگہ دوسرا لایا جا سکتا تھا مگر انیس نے اُنکے حقیقی معنوں کے اعتبار سے ڈھالوں کے ساتھ 'دَور' اور برچھیوں کے ساتھ 'اوج' استعمال کیا جو انتخاب الفاظ میں اُنکی باریک بینی کا بین ثبوت ہے۔

۲۱۹ ۱۱۰ ۶ **بٹھلایا**۔ 'بٹھلانا' کی جگہ اب 'بٹھانا' بولتے ہیں۔

" ۱۱۱ ۲ **بن کاہل**۔ کاہل کا بیٹا یعنی حُرّ یلہ جو یزیدی لشکر کا ایک مشاق تیرانداز تھا۔

" ۱۱۲ ۴ **اے خاکِ پاک حُرمتِ مہماں نگاہ دار**۔ یہ مصرع فارسی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ " اے پاک مٹی مہمان کی عزت کا خیال رکھنا۔

" ۱۱۳ ۴ **فشار**۔ نچوڑنا۔ دبانا۔ گنہگار آدمی کی قبر تنگ ہوکر اُسکو دباتی ہے۔ اسکو فشارِ قبر کہتے ہیں۔

" ۱۱۴ ۲ **لہو تھیں**۔ خون کی سی سُرخ تھیں۔

۲۲۰ ۱۱۵ ۶ **جواد**۔ تیز رفتار گھوڑا۔ اس لفظ کے معنی قریب ہیں سخی، فیاض۔ اس موقعے پر اس لفظ کا استعمال صنعت ایہام کی بہترین مثال ہے۔

" ۱۱۸ ۲ **مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام**۔ یہاں 'سمندر' سے مراد ہے وہ جانور جو آگ سے پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں رہتا ہے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ گرمی اتنی شدید تھی کہ 'سمندر' بھی اسے برداشت نہ کرسکا اور آگ کو چھوڑ کر پانی میں رہنے لگا۔

۲۲۱ ۱۲۰ ۳ اس مصرع میں صنعت اِدماج ہے یعنی اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک اس

صفحہ بند مصرع

طرح کہ 'مردم' سے آنکھ کی پتلی اور 'پردوں' سے آنکھ کے پردے مراد لئے جائیں۔
دوسرے اس طرح کہ "مردم" سے آدمی اور 'پردوں' سے وہ پردے مراد لئے جائیں جو دھوپ کی تابش سے بچنے کے لئے ڈالے جاتے ہیں۔

۲۲۱ ۲ ۱۲۲ ۲ **انگارے تھے جباب تو پانی شرر فشاں** ۔ انتہا درجے کا مبالغہ ہے مگر لطف سے خالی نہیں۔

" ۱۲۳ ۴ **کافور صبح** ۔ اس میں اضافت تشبیہی ہے صبح میں سفیدی اور خنکی ہوتی ہے۔ اور کافور بھی سفید اور تاثیر کے اعتبار سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔

۲۲۲ ۱۲۹ ۲ **احکام** ۔ حکم کی جمع ہے لیکن واحد کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔ اس طرح کے لفظ اور بھی ہیں۔

۲۲۴ ۱۳۵ ۲ **اسم عزیمت اثر** ۔ ایسا نام جس میں دعا تعویذ کا سا اثر ہو۔

" " ۶ 'پر' اور 'پسر' میں تجنیس زائد ہے۔

" ۱۳۸ ۲ پہلے مصرعے میں جو تعجب کی بات بیان کی گئی تھی وہ اس مصرعے میں اس سے زیادہ حیرت انگیز پیرائے میں کہی گئی ہے۔

" " ۴ **استادہ آب** ۔ ٹھہرا ہوا پانی۔

۲۲۵ ۱۴۲ ۲ **فرو ہوا** ۔ واو معروف کے ساتھ واو مجہول کو قافیہ کرنا جائز تو ہے لیکن فصیح نہیں معلوم ہوتا۔ میر انیس ایسے قافیوں سے بالعموم احتراز کرتے ہیں۔

۲۲۶ ۱۴۶ ۴ **مگر** ۔ لیکن۔ یہاں 'نہنگ' کے ساتھ آنے سے اس لفظ میں ایہام پیدا ہو گیا ہے۔

" ۱۴۸ ۶ 'سوفار' اور 'سہم' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔ 'سہم' کے معنی 'تیر' بھی ہیں۔

" ۱۴۹ ۶ اس سے فوج کی بے حواسی کی تصویر کھینچی ہے۔

۲۲۷ ۱۵۲ ۱ **شمشیر کے تلے رکھ لیا تھا** ۔ دشمنوں کو اس طرح زد میں لے لیا تھا کہ وہ بچ کر نہیں نکل سکتے تھے۔

صفحہ بند مصرع

۲۲۹ ۱۶۰ ۴ **تصویر ذوالجناح پہ ہے بوتراب کی** - امام حسینؑ اپنے گھوڑے پر اس شان سے سوار تھے کہ حضرت علیؑ کی تصویر معلوم ہوتے تھے۔

" ۱۶۱ ۵ ایک روایت ہے کہ جب حضرت نوح کی کشتی طوفان میں غرق ہونے لگی تو آپ نے امام حسین کا واسطہ دے کر دعا کی - دعا مقبول ہوئی اور کشتی غرقابی سے محفوظ رہی۔

۲۳۰ ۱۶۹ ۶ عقیدہ ہے کہ زمین ایک گائے کے سینگ پر اور وہ گائے مچھلی کی پیٹھ پر اور وہ مچھلی پانی پر قائم ہے۔

۲۳۲ ۱۷۵ ۳ **شاہین و کبک چھپ گئے باہم ملا کے سر** - شاہین باز کی ایک بہت عمدہ قسم ہے۔ باز چکور کو پکڑ کر مار ڈالتا ہے لیکن خوف سے دونوں اس قدر بے حواس ہو گئے تھے کہ سر سے سر ملائے چھپے بیٹھے تھے۔

۲۳۲ ۱۷۸ ۴ **پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں** - بھاگنے کے ارادے سے فوجی جھنڈوں کے پھریرے لپیٹ لیے تھے اب جم کر لڑنے کے خیال سے پھر کھول دیئے۔

۲۳۳ ۱۸۰ ۲ **ٹوٹے ہوئے تھے** - 'ٹوٹنا' اور 'ٹوٹ پڑنا' کے ہی معنی ہیں بہت سے آدمیوں کا ایک ساتھ کسی پر حملہ کر دینا۔

" ۱۸۴ ۱ **اَعْوَرِ سلمی** - یزیدی فوج کا ایک سپاہی۔

۲۳۴ ۱۸۵ و ۶ امام حسینؑ کا گھوڑے سے زمین پر گرنا تین استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

صفحہ ۲۳۹ شعر ۱ **شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے** - یہ مصرع اس فارسی شعر کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ ہے۔ ؎

چو نفی نفی اثبات است از مردن نہ می ترسم
چو شمع کشتہ باشد در فنائے من بقائے من

۲۴۰ ۱ اس شعر میں سفر کربلا کی عظمت اور ایک مسافر کربلا کا استغنا دکھایا ہے۔ میر انیسؔ نے خود کبھی کربلا کا سفر نہیں کیا تھا۔

صفحہ	شعر	
۲۴۰	۱۶	اس شعر میں رسولؐ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" یعنی فقیری میرا فخر ہے۔
۲۴۱	۱۴	**صُرّۂ خاکِ شفا** - کربلا کی مٹی کی چھوٹی سی پوٹلی۔
۲۴۴	۴	میر تقی میرؔ نے اس مضمون کو یوں ادا کیا تھا:- ؎ ہاتھوں پہ یہ جھریاں نہیں ہیں پیری جامے کو چُن رہی ہے
"	۶	اس قول کی طرف اشارہ ہے "اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَال" یعنی خدا حسین ہے اور حُسن کو دوست رکھتا ہے۔
"	۱۴	یعنی حضرت علیؑ کے عدل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم نے ظلم کرنا ترک کر دیا اور مظلوم کو ظالم کا خوف باقی نہیں رہا۔ یہاں تک کہ باز اور کبوتر ایک آشیانے میں ساتھ رہنے لگے۔
"	۱۵	**گُل چراغِ خانہ ہوا** - گھر کا چراغ بجھ گیا۔ یعنی بیٹا مر گیا۔
۲۴۵	۱۲	روایت ہے کہ بادل کا ایک ٹکڑا حضرت محمدؐ کے سر پر سایہ کئے رہتا تھا آپ کے ایک عمامے کا نام بھی 'سحاب' تھا۔
۲۴۶	۷	اس شعر میں رسولؐ کے دو معجزوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہ کہ آپ جس درخت کو بُلاتے تھے وہ آپ کے پاس چلا آتا تھا۔ دوسرا یہ کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک سوکھے ہوئے درخت پر کُلی کر دی تو وہ درخت سبز اور پھل دار ہو گیا۔ شیخ ناسخ نے ذیل کے شعر میں پہلے معجزے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آدمی کیا کہ تیرے فرماں سے دوڑے آئے ہیں لاکھ بار درخت
"		جو کہ باریاب نہ تھا۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو نبیؐ کی خدمت میں حاضر نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ جو پھل دار نہ تھا۔

صفحہ شعر

۲۴۶ ۹ **دست یاب** ۔ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں ایک نہایت چمک دار نشان تھا۔ یہاں "دستیاب" کا استعمال لفظ کے لغوی معنوں میں ہوا ہے۔

۲۴۷ ۳ معراج کی شب میں رسولؐ عرش تک جوتا پہنے ہوئے چلے گئے۔ حالانکہ سب سے مقرب فرشتہ یعنی جبرئیل بھی چوتھے آسمان سے آگے نہیں جا سکتا۔

" ۱۰ یہ شعر اس فارسی شعر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے :۔

کارسازانِ جہاں در کارِ خود درماندہ اند آب نتواند کہ شوید گرد از رخسارِ خویش

۲۴۸ ۱۳ **گلاب گلِ ارغواں** ۔ اس شعر میں امام حسین کے دھوپ سے تمتمائے ہوئے چہرے کو ارغواں کے سرخ پھول سے اور آپ کے پسینے کو خوشبو کے اعتبار سے گلاب سے تشبیہ دی ہے۔

۲۴۹ ۳ انتہا کی لاغری دکھائی ہے۔ مراد یہ ہے کہ چہرے پر گوشت بالکل تھا ہی نہیں۔ صرف ہڈیوں پر رنگ پھرا ہوا تھا۔ اس لئے رنگ کے اُڑ جانے سے ہڈیاں دکھائی دینے لگیں۔

" ۱۵ گندم گندم سے جَو سے جَو ہے۔ یہ اس فارسی مصرعے کا ترجمہ ہے۔ ع

"گندم از گندم بروید جَو ز جَو"

صفحہ رباعی مصرع

۲۵۱ ۳ **اقرب ہی رگ جاں سے** ۔ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد" یعنی ہم انسان کی رگِ گردن سے زیادہ قریب ہوں۔

" ۴ یہ رباعی فارسی کی مندرجۂ ذیل رباعی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے :۔

ہر کس کہ دلش پر بود از گوہرِ راز ہرگز نبود بشہرتش روے نیاز

بے مغز ہمیشہ میل شہرت دارد در کاسۂ خالی نبود جز آواز

صفحہ رباعی نصرع

۲۵۱ ۵ 'گوگرد سُرخ' کے معنی ہیں لال رنگ کی گندھک۔ پارس ایک قسم کا پتھر ہے اور اکسیر کیمیاوی عمل سے تیار کی ہوئی خاکستر کو کہتے ہیں۔ ان تینوں چیزوں سے مختلف دھاتوں کو سونا بنا سکتے ہیں اور یہ تینوں چیزیں نہایت کمیاب ہیں اس لئے ان کا ذکر عنقا کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۲۵۳ ۱۲ ۲ **فغانی** - ایران کے ایک مشہور شاعر کا تخلص۔

۲۵۵ ۲۸ ۲ **یارانِ شباب** - جوانی کے زمانے کے دوست۔ مجھ سے ایک معتبر شخص نے بیان کیا کہ ایک معمر بزرگ جو مرثیہ خوانی کے فن سے بخوبی واقف تھے اور شاید میر انیس کا پڑھنا سُن چکے تھے وہ جب یہ رباعی پڑھتے تھے تو "یارانِ شباب" کہتے وقت اپنے دانتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اگر "یارانِ شباب" سے دانت مراد لیے جائیں تو یہ رباعی پیری کا ایک صحیح مرقع ہو جائے۔ رخساروں کی بے رونقی، دانتوں کا ٹوٹنا۔ بالوں کا سفید ہو جانا یہی تینوں چیزیں بڑھاپے کی نمایاں علامتیں ہیں۔

۲۵۵ ۲۸ ۴ **کافور ہونا** - اس کے معنی ہیں چل دینا، غائب ہونا، بھاگ جانا وغیرہ۔ مگر انیس نے یہاں سفید ہو جانا کے معنی لئے ہیں۔ اس نئے مفہوم کی طرف ذہن کو منتقل ہونے میں دقت ہوتی۔ مگر باکمال شاعر نے بالوں کو مشک سے تشبیہ دے کر اس دقت کو دُور کر دیا۔ اسی تشبیہ نے شاعر کو محاورے میں تصرف کرنے کے الزام سے بھی بچا لیا۔ اب 'کافور ہونا' محاورہ نہیں رہا بلکہ صاف ظاہر ہو گیا کہ بالوں کو سفیدی کی بنا پر کافور سے تشبیہ دی گئی ہے۔

غلطنامہ

بعض معذوریوں کی وجہ سے میں اصل کتاب کی کاپیوں کی تصحیح خود نہ کرسکا اور یہ کام اپنے لائق احباب مولوی سید محمد حسین صاحب مولوی فاضل، منشی فاضل، ام، اے۔ ال، ال، بی۔ لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی۔ اور مولوی سید یوسف حسین صاحب موسوی ام اے لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی کے سپرد کرنا پڑا۔ ان حضرات نے اس تکلیف دہ کام کو جس شوق اور دلچسپی سے انجام دیا اُس کے لیے میں اُنکا شکر گزار ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ کتابت کی بہت سی غلطیاں نظرانداز ہوگئیں اور ایک طولانی غلطنامہ لگانا پڑا۔

جن غلطیوں کی تکرار بار بار ہوئی ہے اور وہ غلطنامے میں شامل نہیں کی گئی ہیں اُن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ 'شبّر'، اور 'شبّیر' یہ دونوں لفظ عوام کے تلفظ میں 'شپّر' اور 'شپّیر' ہوگئے ہیں اِس کتاب میں یہ لفظ دونوں طرح پر لکھے گئے ہیں۔

۲۔ پہلے مرثیے میں ہر جگہ، اور باقی کتاب میں کہیں کہیں نون غُنّہ کے پیٹ میں نقطہ دے دیا گیا ہے۔ بعض جگہ اسکا عکس بھی ہوا ہے۔

۳۔ ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ بحالت اِمالہ یائے مجہول سے لکھنا چاہیے۔ مگر اسکا ہر جگہ لحاظ نہیں رکھا گیا اور حصے، معرکے، غصے، قبضے، جامے وغیرہ کو اکثر قدیم رسم الخط کے مطابق حصہ، معرکہ، غصہ، قبضہ، جامہ وغیرہ لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح پُرانے رسم الخط کی تقلید میں زرا، پتا، تماشا، پہنچا، کو ذرا، پتہ، تماشہ، پہونچا، لکھا ہے۔

۴۔ کیجے، دیجے، وغیرہ کو اکثر کیجیے، دیجیے، وغیرہ لکھا ہے اور کہیں کہیں بالعکس بھی لکھ دیا ہے۔ لیے اور کیے کو لئے اور کئے۔ یونہیں کو یوہیں اور پھر ہرے کو پھرے اکثر لکھا ہے۔

۵ - گزرنا اور گزشتن کے تمام مشتقات کو قدیم رسم الخط کے مطابق اکثر ذال سے لکھا ہے۔

۶ - ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ جب الف پر ختم ہونے والے لفظوں کے ساتھ قافیہ کئے جاتے ہیں تو کتابت میں اُن کی آخری ہ الف سے بدل دی جاتی ہے یعنی سایہ، پایہ، حصّہ، وغیرہ کو سایا، پایا، حصا، وغیرہ لکھتے ہیں۔ مگر اسکا لحاظ ہر جگہ نہیں رکھا گیا۔

ان عام غلطیوں کے علاوہ کتابت کی جو خاص غلطیاں ہوئی ہیں وہ ذیل کے غلط نامے سے ظاہر ہونگی۔ ناظرین کتاب سے درخواست ہے کہ وہ کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کی تصحیح فرمالیں۔

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح	صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۱۱	۴۲	۴	وضی	وصی	۳۲	۲	۱	پر	پہ
۱۲	۴۶	۶	اُنھیں	اِنھیں	۳۳	۶	۴	کے	کی
〃	۴۸	۱	میری	میرے	〃	۷	〃	مزا	مزہ
۱۳	۵۳	۵	دِلا	وِلا	۳۴	۱۳	〃	جس	جن
۱۵	۶۴	۳	مرے	میرے	۳۵	۱۸	۳	اشارا	اشارہ
۱۶	۶۷	۱	ترے	تیرے	۳۶	۲۳	۱	پردا	پردہ
۲۰	۸۶	۲	جسکے	جس کی	۳۷	۲۸	۶	خورد	خرد
۲۱	۹۰	۵	دلا	ولا	〃	۲۹	۳حاشیہ	دولہ	دولھا
۲۲	۹۹	۴	چم کے	چمکے	۳۹	۳۷	۱	جوان ہیں	جواں نہیں
۲۶	۱۱۵	۳	پھال	بھال	۴۲	۵۲	۳	تیار	طیار
۲۷	۱۲۲	۲	نہورا	نہوڑا	۴۴	۶۱	۶	چھٹتی	چھٹتیں

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۴۵	۶۸	۴	جَناں	جِناں
〃	۶۹	۳	کے	کی
۴۶	۷۴	۶	نئے	نئی
۰	۰	۰	۰	۰
۴۸	۸۱	۵	بوٹہ	بوٹا
〃	۸۲	۳	کے	کی
۵۰	۹۱	۵	ولی	دلی
۵۱	۹۵	۳	گلوں کے	گلوں کو
〃	۹۶	۵	خوبیٔ	خوبیٔ
۵۲	۱۰۰	۲	برچھی ہلی	برچھے ہلے
۵۳	۱۰۵	۵	دغا	وغا
〃	۱۰۹	۳	ناپاک	ناپاک و
〃	〃	۶	ہاشمیوں	ہاشمیوں
۵۶	۱۲۲	۵	سیاہ	سپاہ
〃	۱۲۳	۴	مزا	مزہ
۵۸	۱۳۴	۱	دونو	دونوں
〃	〃	۴	بال ایسے جن	یال ایسی جس
۵۹	۱۳۵	〃	تیز	تیر
〃	۱۳۷	۱	ترک و تاز	ترکتاز
〃	۱۳۹	۲	تیک	تیگ

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۶۰	۱۴۰	۳	دونو	دونوں
۶۱	۱۴۵	۱	سعار	سعد
〃	〃	۵	لو	تو
۶۴	۱۶۰	〃	کوپچ	کوچ
۶۵	۱۶۵	〃	کے	کی
〃	۱۶۷	۱	بیں	بَین
۰	۰	۰	۰	۰
۶۶	۱۷۴	۳	ہمارے	ہماری
۶۷	۱۷۶	۵	امّ البنیںؑ	اُمّ البَنین
〃	〃	〃	پر	پہ
۶۹	۴	۴	ذرہ	زرہ
۷۱	〃	۶	رزنگاہ	رزمگاہ
۷۲	۱۵	۳	نمودار	نمودارو
۷۴	۲۵	۶	ہرایک	ہراک
۷۷	۴۳	۴	دونوں جواں	دو نوجواں
۷۸	۴۸	۴-۱	مزا	مزہ
۷۹	۵۲	۳	جسم و	جسم
〃	۵۴	۲	یہ کیا کیا	یہ کیا یہ کیا
۸۱	۶۱	۴	ہوگئے	ہوئے
۹۰	۱۰۸	۶	صیف	سیف

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
91	۱۱۲	۲	وہاں	واں
۹۲	۱۱۷	۶	بل	بھل
۹۳	۱۲۰	۳	عاری	آری
۹۴	۱۲۸	۱	ذرہیں	زرہیں
۹۷	۱۴۰	۴	تنک	تنگ
〃	۱۴۱	اخاشیہ	کھیرے	گھیرے
۱۰۰	۱۵۵	۳	اٹکے	اٹکی
۱۰۲	۱۶۵	۱	رُوئے	رُوے
۱۰۸	۳۲	۵	مزا	مزہ
〃	۳۳	۴	خوش آمد	خوشامد
۱۱۰	۳۵	۳	باہیں	بانہیں
〃	۳۶	〃	ایک	اک
〃	۳۷	۱	دولہ	دولھا
۱۱۴	۱۵۸	۵	اِدھر	اُدھر
۱۱۵	۶۰	۳	ک کہ	اب کہ
۱۲۲	۹۷	۱	میں	بھی
〃	۹۸	۶	ہو	ہوں
۱۲۳	۱۰۲	۳	برچھی	برچھے
۰	۰	۰	۰	۰
۱۲۴	۱۰۹	۵	شعلۂ بار	شعلہ بار

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۱۲۵	۱۱۳	۱	ٹکرے	ٹکڑے
۱۲۶	۱۱۷	۲	شِست	شَست
۱۲۷	۱۲۳	۴	تپ	تب
۱۲۹	۱۳۱	۲	گنڈے	گُنڈے
۱۳۱	۱۴۰	۳	زبان ں	زبان میں
۱۳۲	۱۴۶	〃	پردا	پردہ
۱۴۳	۲۹	۶	بنیؐ	بنی
۱۴۵	۳۷	۴	ہیں	ہے
۱۴۶	۴۲	۶	یاتھا	دیا تھا
〃	〃	〃	اُب	اَب
〃	۴۴	۱	ہیں	ہے
۱۵۵	۸۵	۵	کر	گر
〃	۸۸	۲	آہ	راہ
〃	۸۹	〃	پہ	یہ
〃	〃	۴	ناریوں	نازیوں
۱۵۶	۹۴	۳	آہ	آؤ
۱۵۷	۹۷	۶	چھپلیں	چھپیں
۱۶۴	۱۳۰	〃	پہلوِ	پہلوئے
〃	۱۳۳	۳	ایک	اک
۱۶۶	۱۴۲	〃	استارا	ستارہ

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۱۶۸	۱۵۱	۲	ہی	ہے
۱۷۰	۱۶۰	〃	شربہ	شربت
۰	۰	۰	۰	۰
۱۷۲	۱۷۱	۵	رنج	رنج و
۱۷۷	۵	۱	خاق	خلیق
۱۷۹	۱۸	۳	مصلے	مُصلّی
۱۸۳	۳۶	۵	چاوش	چاؤش
〃	۳۹	۲	سنائیں	سنانیں
۱۸۵	۴۷	۴	نیزیں	نیزے
۱۹۲	۸۳	۱	لاکھوں	لاکھ
۱۹۵	۹۵	۱	مارت تھے	مارتے تھے
۲۰۰	۱۵	۵	زُہر	زَہر
۲۰۱	۲۱	۱	اِس	اُس
۲۰۲	۲۹	۱	لکبروں	مُکبّروں
۲۰۳	۳۴	۵	تشنہ کامی	تشنہ کامی و
۲۰۵	۴۴	۳	ٹھن	ٹھن
۲۰۷	۵۴	۲	یدُ الانام	یدُ الانام
۲۱۳	۸۱	۳	اُمّ البنین	اُمّ البنین

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۲۱۶	۹۸	۳	روباہ	روباہوں
۲۱۷	۱۰۴	۶	کچھ تھے	تھے کچھ
۲۱۹	۱۱۱	۳	اِس	اُس
۲۲۱	۱۲۲	۲	شر	شرر
〃	۱۲۴	۱	اِس	اُس
۲۲۳	۱۳۳	۶	لیلیٰ	لیلی
۲۲۵	۱۴۰	۵	خول	خوں
۲۲۷	۱۵۲	〃	اِس	اُس
۲۳۶	۱۹۷	۲	پادگار	یادگار
〃	〃	۳ حاشیہ	ٹپکے	ٹپکے

صفحہ	شعر	مصرع	غلط	صحیح
۲۴۶	۸	۲	ثواب	صواب
۲۴۸	۱۲	۱	پسینہ	پسینا
۲۴۹	۱	۱	عابد	اکبرؑ
۰	۰	۰	۰	۰

صفحہ	رباعی	مصرع	غلط	صحیح
۲۵۵	۲۷	۱	اَدبار	اِدبار